وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

سیرت المہدی

معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حصہ اوّل

مرتبہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے سلمہ اللہ تعالےٰ

حسب فرمائش

مولانا المکرم معظم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل اوّل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان

خاکسار

محمد فخر الدین احمدی ملتانی مہتمم احمدیہ کتاب گھر قادیان دارالامان

کو شائع کرنیکا فخر حاصل ہوا

(۲۱ دسمبر ۱۹۲۳ء)

بروز جمعۃ المبارک

قیمت فیجلد عار

شکریہ

اللہ تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح اور حالات کے متعلق روایات کا وہ خزانہ جو ابھی تک راویوں کے سینوں میں مستور تھا۔ اب مخدوم و مکرم حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمدؐ صاحب سلمہ ربہ کی سعی بلیغ سے کتابی صورت میں محفوظ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کا ایک حصہ اس سیرت المہدی کی صورت میں ہدیۂ احباب ہوتا ہے۔ ان روایات کی ترتیب و تدوین اور جمع ایک عظیم الشان اور اہم کام ہے۔ خدا کرے۔ کہ یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاوے

میں اس کتاب کی اشاعت پر جس قدر بھی فخر کروں۔ تھوڑا ہے۔ بلکہ اس کی اشاعت کو بھی اللہ تعالےٰ کے ان خاص بڑے بڑے فضلوں میں سے سمجھتا ہوں۔ جو اس عاجز پر ابتدائے تجارت سے اس وقت تک ہر سال کسی نہ کسی صورت میں ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے کلام اور آپؑ کے حالات کو شائع کرنے کی خدمت بجا آوری کوئی ایسی نعمت نہیں جسکو معمولی سمجھا جاوے۔ اور یہ مجھکو بفضلِ ایزدی سات آٹھ سال سے کم و بیش حاصل ہے۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

اس خزانہ کی اشاعت کا حق استاذی مولٰنا المکرم مولوی محمدؐ اسمٰعیل صاحب فاضل حاصل کر چکے تھے۔ مگر مکرم مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کی پُر زور سفارش پر مولٰنا المکرم نے اس عاجز کو اشاعت کی اجازت فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

احباب دُعا فرماویں۔ کہ اللہ تعالےٰ ان ہر سہ بزرگوں پر اعلےٰ قدر مراتب بڑے بڑے افضال و اکرام فرماوے۔ اور اس عاجز سیہ کار کو بھی جو سراسر معاصی و عصیان میں ڈوبا ہوا ہے محض اپنے فضل سے مغفرت و بخشش کا وارث بناوے۔

خاکسار فخر الدین احمدی ملتانی ۳۰ دسمبر ۱۹۲۳ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ حال

سیرۃ المہدی کا حصہ اوّل ہدیۂ ناظرین کرتے ہوئے مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ جیسا کہ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہو جائیگا۔ مینے روایات کو کسی خاص ترتیب سے درج نہیں کیا۔ بلکہ جس طرح وہ مجھ تک پہنچتی رہیں۔ اسی طرح میں اُنکو لکھتا گیا۔ کیونکہ میرے نزدیک اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جتنی بھی روائتیں جمع ہو سکیں ان کو ایک جگہ جمع کر کے محفوظ کر لیا جاوے۔ ترتیب اور استنباط و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہیگا۔ کیونکہ وہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ مگر جمع روایات کا کام اگر اب نہ ہوا۔ تو پھر نہ ہو سکے گا۔ اسی وجہ سے میں نے اس بات کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ کہ ایسے احباب سے روایات پہلے جمع کر لی جاویں۔ جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں حضرت صاحب کی صحبت اٹھائی ہے۔ اور سلسلہ بیعت سے

پہلے کے تعلقات رکھنے والے ہیں۔ چنانچہ اس مجموعہ میں حضرت والدہ صاحبہ اور مکرمی میاں عبداللہ صاحب سنوری کی روایات میں نے خاص طور پر لی ہیں؛

شروع کتاب میں میں نے یہ لکھا ہے۔ کہ میں نے صرف ان روایات کو لیا ہے۔ جن کو اپنے علم کے مطابق صحیح پایا ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں۔ کہ میں ان روایات کی تفصیل کے متعلق بھی صحت کا یقین رکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمارے مُلک میں جو روایت کا طریق ہے اور جو روایات کے متعلق لوگوں کے حافظہ کی حالت ہے۔ وہ مجھے ایسا خیال کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اس مجموعہ میں جن راویوں سے میں نے اخذ روایت کیا ہے۔ اُن میں سے دو یعنی مکرّمی مولوی شیر علی صاحب اور مکرّمی میاں عبداللہ صاحب سنوری کو میں نے طریق روایت میں خاص طور پر محتاط پایا ہے؛

ہر روایت کے شروع میں مَیں نے اس طریق کا ذکر کر دیا ہے۔ جس میں کہ وہ روایت مجھ تک پہنچی ہے یعنی اگر راوی نے صرف مجھ ہی کو مخاطب کر کے کوئی روایت بیان کی ہے۔ تو میں نے " بیان کیا مجھ سے " یا اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ اور اگر میرے ساتھ اور بعض لوگ بھی راوی کے مخاطب تھے تو " مجھ سے " کی بجائے " ہم سے " کے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ اور اگر راوی نے کسی لیکچر یا عام پبلک گفتگو میں کوئی بات بیان کی ہے۔ تو اُس کو میں نے صرف " بیان کیا " کے الفاظ سے شروع کیا ہے۔ وقس علیٰ ذالک؛

بعض باتیں خاص طور پر غور کرنے والے ہی سمجھینگے۔ مثلاً میاں عبداللہ صاحب سنوری نے اپنی روایات میں کئی جگہ " کراہت " کا لفظ " ناپسند " کرنے کے معنوں میں بلالحاظ فرق معانی استعمال کیا ہے۔ حالانکہ کراہت کا لفظ عام محاورہ اُردو میں

"ناپسند" کے لفظ سے زیادہ سخت سمجھا جاتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ باوجود خاص طور پر محتاط ہونیکے اُن کا یہ ذاتی محاورہ بعض روایات میں حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب ہوگیا ہے۔ اس بات کا ذکر میں نے میاں عبداللہ صاحب سے نہیں کیا۔ ممکن ہے۔ وہ اسکی کوئی بہتر توجیہہ کر سکیں۔ واللہ اعلم۔ یہ بات صرف مثال کے طور پر عرض کیگئی ہے ورنہ اہل ذوق بوقت مطالعہ اس قسم کی بہت سی باتوں سے علمی لُطف اٹھا سکتے ہیں۔

جمع روایات میں مَیں نے یہ طریق بھی زیر عمل رکھا ہے۔ کہ عموماً کسی روایت کو بغیر جرح یا سوالات کے یونہی نہیں لے لیا۔ اور راوی پر حتی الوسع سوالات بھی ایسے کئے ہیں۔ جنسے خواہ وہ سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو۔ میرا مقصود یہ رہا ہے۔ کہ روایت کے سب پہلو واضح ہوجاویں۔ تاکہ اول تو اگر کوئی کمزوری ہے۔ تو وہ ظاہر ہوجاوے اور دوسرے روایت کے معنے سمجھنے میں کوئی اشکال نہ رہے۔ اور میں نے جو بعض جگہ روایات کے اختتام پر اپنی طرف سے مختصر نوٹ دئیے ہیں۔ وہ عموماً اپنے انہی سوالات کے جوابات کی روشنی میں دئیے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس مجموعہ کے جمع کرنے میں میرے سب کاموں سے یہ کام زیادہ مشکل تھا بعض روایات یقیناً ایسی ہیں۔ کہ اگر ان کو بغیر نوٹ کے چھوڑا جاتا۔ تو اُن کے اصل مفہوم کے متعلق غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ مگر ایسے نوٹوں کی ذمہ واری کلیتہً" خاکسار پر ہے۔

بعض باتیں اس مجموعہ میں ایسی نظر آئیں گی۔ جن کو بظاہر حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت یا سوانح سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن جس وقت استنباط و استدلال کا وقت آئیگا۔ (خواہ میرے لئے یا کسی اور کے لئے)۔ اس وقت غالباً وہ اپنی ضرورت خود منوالیں گی۔

میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ **سیرۃ المہدیؑ** کتنے حصوں پر اور کب ختم ہوگی یہ موقوف ہے توفیق باری تعالیٰ پر۔ میری صحت و عافیت پر۔ دُوسرے مشاغل

سے میری فرصت پر۔ اور پھر رواۃِ سلسلہ کی توجہ اور معاونت پر۔ ارادہ ہے کہ اگر اللہ کو منظور ہو۔ تو ہر سال سالانہ جلسہ پر ایک حصّہ شائع ہوتا رہے؛

حصّۂ اوّل کے متعلق مجھے علاوہ اپنے راویوں کے جو حقیقی طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ مکرّمی مولوی شیر علی صاحب بی۔اے کا خاص شکریہ ادا کرنا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس مجموعہ کی روایات کی جرح و تعدیل میں اور کاپیوں کی صحت میں مجھے خاص امداد دی ہے۔ مولوی محمّد اسمٰعیلؒ صاحب فاضل اور مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے کی اخلاقی امداد ہر وقت میرے ساتھ رہی ہے اور یہ زیادہ تر انہی دوستوں کی تحریک و ترغیب کا نتیجہ ہے۔ کہ میں اس کام کو کم و بیش استقلال کے ساتھ جاری رکھ سکا ہوں۔ منشی فخر الدّین صاحب ملتانی بھی جنہوں نے اس کتاب کی طبع اور اشاعت کا انتظام کیا ہے۔ شکریہ کے حقدار ہیں؛

اپنے متعلق مجھے صرف اس قدر عرض کرنا ہے۔ کہ اگر ناظرین میں سے کسی صاحب کو یہ کتاب کسی طرح کوئی فائدہ دے۔ تو اس کے مرتب کی نجات و فلاح کے لئے دُعا فرمائیں۔ کہ میری کوشش کا یہی بہترین معاوضہ ہے۔

فقط

والسّلام

خاکسار

مرزا بشیر احمد۔ قادیان ضلع گورداسپور

۱۰ دسمبر ۱۹۲۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود مع التسلیم

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعمال نیت سے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنی نیت کے مطابق پھل پاتا ہے۔

خاکسار مرزا بشیر احمدؐ ابن حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادہ کیا ہے واللہ الموفق کہ جمع کرے ان لوگوں کے واسطے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت نہیں اٹھائی اور نہ آپ کو دیکھا ہے آپ کے کلمات وحالات وسوانح اور دیگر مفید باتیں متعلق آپکی سیرت اور خلق وعادات وغیرہ کے۔ پس شروع کرتا ہوں میں اس کام کو آج بروز بدھ بتاریخ ۲۵ ؍ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۴ ؍ مئی ۱۹۲۱ء بعد نماز ظہر اس حال میں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیت الدعا میں بیٹھا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اس کتاب کے پورا کرنے کی توفیق دے اللّٰھم آمین۔

میرا ارادہ ہے واللہ الموفق کہ جمع کروں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق خود تحریر فرمائی ہیں اور وہ جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے پہنچی ہیں یا جو آئندہ پہنچیں اور نیز وہ باتیں جو میرا ذاتی علم اور مشاہدہ ہیں۔ اور میں انشاء اللہ تعالیٰ صرف وہی روایات تحریر کرونگا جن کو میں صحیح سمجھتا ہوں مگر میں الفاظ روایت کی صحت کا دعویدار نہیں ہوں اور نہ لفظی روایت کا کماحقہ التزام کر سکتا ہوں نیز میں بغرض سہولت تمام روایات اردو زبان میں بیان کرونگا خواہ دراصل وہ کسی اور

زبان میں روایت کیگئی ہوں اور فی الحال تمام روایات عموماً بغیر لحاظ معنوی ترتیب کے صرف اسی ترتیب میں بیان کرونگا جس میں کہ وہ میرے سامنے آئیں پھر بعد میں خدا نے چاہا اور مجھے توفیق ملی تو انہیں معنوی ترتیب سے مرتب کر دیا جاویگا۔

اخذ روایات میں جن شرائط کو میںنے ملحوظ رکھا ہے ان کا ذکر موجب تطویل سمجھکر اسجگہ چھوڑتا ہوں اللھم وفق واعن فانک انت الموفق والمستعان۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہ مجھے معلوم ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا فرمایا کہ بتایا گیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم بہت پڑھنا چاہئیے - والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ بنا بریں آپ اسے بہت کثرت سے پڑھتے تھے حتی کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے بھی یہی کلمہ آپ کی زبان پر ہوتا تھا - خاکسار عرض کرتا ہے کہ میںنے جب یہ روایت مولوی شیر علی صاحب سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے بھی دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سبحان اللہ بہت پڑھتے تھے اور یہ کہ میںنے آپ کو استغفار پڑھتے نہیں سُنا - نیز خاکسار اپنا مشاہدہ عرض کرتا ہے کہ میںنے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سبحان اللہ پڑھتے سنا ہے - آپ بہت آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر اور سکون اور اطمینان اور نرمی کے ساتھ یہ الفاظ زبان پر دہراتے تھے اس طرح کہ گویا ساتھ ساتھ صفات باری تعالیٰ پر بھی غور فرماتے جاتے ہیں۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر ہر وقت باوضو رہتے تھے - جب کبھی رفع حاجت سے فارغ ہو کر آتے تھے وضو کر لیتے تھے سوائے اسکے کہ بیماری یا کسی اور وجہ سے آپ رک جاویں۔

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز پنجگانہ کے سوا عام طور پر دو قسم کے نوافل پڑھا کرتے تھے ایک نماز اشراق (دو یا چار رکعات) جو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے اور دوسرے نماز تہجد (آٹھ رکعات) جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے سوائے اسکے کہ آپ زیادہ بیمار ہوں لیکن ایسی صورت میں بھی آپ تہجد

کے وقت بستر پر لیٹے لیٹے ہی دعا مانگ لیتے تھے۔ اور آخری عمر میں بوجہ کمزوری کے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے تھے +

(۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر صبح کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کیلئے سو جاتے تھے کیونکہ رات کا زیادہ حصہ آپ جاگ کر گذارتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ اول تو آپ کو اکثر اوقات رات کیوقت بھی مضامین لکھنے پڑتے تھے جو آپ عموماً بہت دیر تک لکھتے رہتے تھے دوسرے آپ کو پیشاب کیلئے بھی کئی دفعہ اُٹھنا پڑتا تھا اسکے علاوہ نماز تہجد کیلئے بھی اُٹھتے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب مٹی کے تیل کی روشنی کے سامنے بیٹھکر کام کرنا ناپسند کرتے تھے اور اسکی جگہ موم بتیاں استعمال کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں کچھ عرصہ گیس کا لمپ بھی استعمال کیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ کئی کئی موم بتیاں جلا کر سامنے رکھوا لیتے تھے اگر کوئی بتی بجھ جاتی تھی تو اسکی جگہ اور جلا لیتے تھے اور گھر میں عموماً موم بتیوں کے بنڈل منگوا کر ذخیرہ رکھوا لیتے تھے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ایک دفعہ اس کمرہ میں جو بیت الفکر کے ساتھ ملحق شمال کی طرف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام شمالی دیوار کے پاس پلنگ پر بیٹھے ہوئے شاید کسی کام میں مصروف تھے اور پاس موم کی بتیاں جلی رکھی تھیں حضرت والدہ صاحبہ بتیوں کے پاس سے گذریں تو پشت کی جانب سے ان کی اوڑھنی کے کنارے کو آگ لگ گئی اور ان کو کچھ خبر نہ تھی حضرت مسیح موعود نے دیکھا تو جلدی سے اُٹھکر اپنے ہاتھ سے آگ بجھائی۔ اس وقت والدہ صاحبہ کچھ گھبرا گئی تھیں +

(۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فریضہ نماز کی ابتدائی سنتیں گھر میں ادا کرتے تھے اور بعد کی سنتیں بھی عموماً گھر میں اور کبھی کبھی مسجد میں پڑھتے تھے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نماز کو لمبا کرتے تھے یا خفیف؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ عموماً خفیف پڑھتے تھے +

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایکدفعہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں پھر رہے تھے۔ جب آپ سنگترہ کے ایک درخت
کے پاس سے گذرے تو مینے (یعنی والدہ صاحبہ نے) یا کسی اور نے کہا کہ اس وقت تو
سنگترہ کو دل چاہتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ کیا تمنے سنگترہ لینا ہے؟ والدہ صاحبہ
نے یا اس شخص نے کہا کہ ہاں لینا ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے اس درخت کی شاخوں
پر ہاتھ مارا اور جب آپکا ہاتھ شاخوں سے الگ ہوا تو آپ کے ہاتھ میں ایک سنگترہ تھا اور
آپ نے فرمایا یہ لو۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ وہ سنگترہ کیسا تھا؟ والدہ
صاحبہ نے کہا زرد رنگ کا پکا ہوا سنگترہ تھا۔ مینے پوچھا کیا پھر آپنے اسے کھایا؟ والدہ
صاحبہ نے کہا یہ مجھے یاد نہیں۔ مینے دریافت کیا کہ حضرت صاحبنے کس طرح ہاتھ مارا تھا؟
اس پر والدہ صاحبہ نے اس طرح ہاتھ مار کر دکھایا اور کہا کہ جس طرح پھل توڑنے والے کا ہاتھ
درخت پر ٹھیرتا ہے اس طرح آپ کا ہاتھ شاخوں پر نہیں ٹھیرا بلکہ آپنے ہاتھ مارا اور فوراً لوٹا لیا
خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا اس وقت سنگترہ کا موسم تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ
نہیں اور وہ درخت بالکل پھل سے خالی تھا۔ خاکسار نے یہ روایت مولوی شیر علی صاحب
کے پاس بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مینے یہ روایت حضرت خلیفہ ثانی سے بھی سنی ہے۔ آپ
بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحبنے میرے کہنے پر ہاتھ مارا اور سنگترہ دیا تھا +

(۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت
مسیح موعود علیہ السلام نے بیان کیا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر سے واپس قادیان آرہا تھا
مینے بٹالہ پہونچکر قادیان کیلئے یکہ کرایہ پر کیا۔ اس یکہ میں ایک ہندو سواری بھی بیٹھنے والی
تھی جب ہم سوار ہونے لگے تو وہ ہندو جلدی کر کے اس طرف چڑھ گیا جو سورج کے رُخ
سے دوسری جانب تھی اور مجھے سورج کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ حضرت صاحبنے فرمایا کہ
جب ہم شہر سے نکلے تو ناگاہ بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اُٹھا اور میرے اور سورج کے درمیان
آگیا اور ساتھ ساتھ آیا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ کیا وہ ہندو پھر کچھ بولا۔
والدہ صاحبہ نے فرمایا یاد پڑتا ہے کہ حضرت صاحبنے فرمایا تھا کہ پھر اس ہندو نے بہت
معذرت کی اور شرمندہ ہوا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ گرمی کے دن تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہی روایت مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے بھی بیان کی ہے
انہوں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ واقعہ سنا تھا صرف یہ اختلاف ہے
کہ مولوی صاحب نے بٹالہ کی جگہ امرتسر کا نام لیا اور یقین ظاہر کیا اس بات پر کہ اس
ہندو نے اس خارق عادت امر کو محسوس کیا تھا اور بہت شرمندہ ہوا تھا۔

(۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ بیان کیا ان سے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہ ایک دفعہ کسی مقدمہ کے واسطے میں ڈلہوزی پہاڑ پر
جا رہا تھا۔ راستہ میں بارش آگئی میں اور میرا ساتھی یکہ سے اُتر آئے اور ایک پہاڑی آدمی کے
مکان کی طرف گئے جو راستہ کے پاس تھا میرے ساتھی نے آگے بڑھکر مالک مکان سے
اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اس نے روکا اس پر انکی باہم تکرار ہوگئی اور مالک مکان تیز
ہوگیا اور گالیاں دینے لگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں یہ تکرار سُنکر آگے بڑھا۔ جونہی میری
اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اسکے کہ میں کچھ بولوں اسنے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ
اصل میں بات یہ ہے کہ میری ایک جوان لڑکی ہے اسلئے میں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے
دیتا مگر آپ بے شک اندر آجائیں حضرت صاحب فرماتے تھے کہ وہ ایک اجنبی آدمی تھا نہ میں
اسے جانتا تھا اور نہ وہ مجھے جانتا تھا۔

(۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت
مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر میں تھا۔ رات کے وقت
ہم کسی مکان میں دوسری منزل پر چوبارہ میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اسی کمرے میں سات آٹھ
اور آدمی بھی ٹھیرے ہوئے تھے۔ جب سب سو گئے اور رات کا ایک حصہ گذر گیا تو مجھے کچھ
ٹک ٹک کی آواز آئی اور میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اس کمرے کی چھت گرنے والی
ہے۔ اسپر مینے اپنے ساتھی مستا بیگ کو آواز دی کہ مجھے خدشہ ہے کہ چھت گرنے والی ہے۔
اسنے کہا میاں یہ تمہارا وہم ہے نیا مکان بنا ہوا ہے اور بالکل نئی چھت ہے آرام سے سو جاؤ
حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں پھر لیٹ گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی ڈر میرے
دل پر غالب ہوا مینے پھر اپنے ساتھی کو جگایا مگر اسنے پھر اسی قسم کا جواب دیا۔ میں پھر ناچار

لیٹ گیا مگر پھر میرے دل پر شدت کے ساتھ یہ خیال غالب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہتیر ٹوٹنے والا ہے۔ میں پھر گھبرا کر اُٹھا اور اس دفعہ سختی کے ساتھ اپنے ساتھی کو کہا کہ میں جو کہتا ہوں کہ چھت گرنے والی ہے اُٹھو تو تم اُٹھتے کیوں نہیں۔ اس پر ناچار وہ اُٹھا اور باقی لوگوں کو بھی ہم نے جگا دیا پھر مینے سب کو کہا کہ جلدی باہر نکل کر نیچے اتر چلو۔ دروازے کے ساتھ ہی سیڑھی تھی میں دروازے میں کھڑا ہو گیا اور وہ سب ایک ایک کر کے نکل کر اُترتے گئے۔ جب سب نکل گئے تو حضرت صاحب فرماتے تھے کہ پھر مینے قدم اٹھایا ابھی میرا قدم شائد آدھا باہر اور آدھا دہلیز پر تھا کہ یکلخت چھت گری اور اس زور سے گری کہ نیچے کی چھت بھی ساتھ ہی گر گئی۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہمنے دیکھا کہ جن چارپائیوں پر ہم لیٹے ہوئے تھے وہ ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ خاکسار نے حضرت والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ مسیتا بیگ کون تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دادا کا ایک دور نزدیک سے رشتہ دار تھا اور کارندہ بھی تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اس روایت کو ایک دفعہ اس طرح پر بیان کیا تھا کہ یہ واقعہ سیالکوٹ کا ہے جہاں آپ ملازم تھے اور یہ کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے کہ اس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ چھت بس میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی ہے اور نیز حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے بیان کیا کہ اس کمرہ میں اسوقت چند ہندو بھی تھے جو اس واقعہ سے حضرت صاحب کے بہت معتقد ہو گئے

(۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود نے بیان فرمایا کہ جب بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود کے والد صاحب) کشمیر میں ملازم تھے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہماری والدہ نے کہا کہ آج میرا دل کہتا ہے کہ کشمیر سے کچھ آئیگا تو اسی دن کشمیر سے آدمی آ گیا اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ ادہر والدہ صاحبہ نے یہ کہا اور ادھر دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کشمیر سے آدمی آیا ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھی کہ تمہارے دادا کشمیر سے اپنے آدمی کو چند ماہ کے بعد خط اور روپیہ دیکر بھیجا کرتے تھے۔ نقدی وغیرہ چاندی سونے کی صورت میں ایک گدڑی کی

تہ کے اندر سلی ہوئی ہوتی تھی جو وہ آدمی راستہ میں پہنے رکھتا تھا اور قادیان پہنچکر اتار کر اندر گھر میں بھیجدیتا تھا۔ گھر والے کھولکر نقدی نکال لیتے تھے اور پھر گدڑی واپس کر دیتے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے دادا کشمیر میں صوبہ تھے۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بھی اوپر سے آگئے اور کہنے لگے کہ جس طرح انگریزوں میں آجکل ڈپٹی کمشنر اور کمشنر وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح کشمیر میں صوبے گورنر علاقہ ہوتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہماری دادی صاحبہ یعنی حضرت مسیح موعود کی والدہ صاحبہ کا نام چراغ بی بی تھا وہ دادا صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔ ان کو حضرت صاحب سے بہت محبت تھی اور آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔ میںنے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ جب آپ ان کا ذکر فرماتے تھے تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں +

(۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنوں میں سے منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ نیز بیان کیا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے کہ جب مبارکہ بیگم (ہماری ہمشیرہ) پیدا ہونے لگی تو منگل کا دن تھا اسلئے حضرت صاحب نے دعا کی کہ منگل گذرنے کے بعد پیدا ہو چنانچہ وہ منگل گذرنے کے بعد بدھ کی رات کو پیدا ہوئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن توام پیدا ہوئے تھے اور فوت ہوئے منگل کے دن۔ اور جاننا چاہئیے کہ زمانہ کی شمار صرف اہل دنیا کی واسطے ہے۔ اور دنیا کے واسطے واقعی آپکی وفات کا دن ایک بڑی مصیبت کا دن تھا +

(۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری بیماری بیمار ہوئے اور آپ کی حالت نازک ہوئی تو میںنے گھبرا کر کہا " اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے " اس پر حضرت صاحب نے فرمایا " یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا " خاکسار مختصراً عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے تھے رات کو عشا کی نماز کے بعد خاکسار باہر سے مکان میں آیا تو میںنے دیکھا کہ آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا اور پھر مجھے نیند آگئی۔ رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب مجھے جگایا گیا یا شائد لوگوں کے چلنے پھرنے

اور بولنے کی آواز سے میں خود بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں اور حالت نازک ہے اور ادھر ادھر معالج اور دوسرے لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جب میں نے پہلی نظر حضرت مسیح موعود کے اوپر ڈالی تو میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ میں نے ایسی حالت آپکی اس سے پہلے نہ دیکھی تھی اور میرے دل پر یہی اثر پڑا کہ یہ مرض الموت ہے۔ اس وقت آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ندارد۔ سب سمجھے کہ وفات پاگئے اور یکدم سب پر ایک سناٹا چھا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد نبض میں پھر حرکت پیدا ہوئی مگر حالت بدستور نازک تھی اتنے میں صبح ہوگئی اور حضرت مسیح موعود کی چارپائی کو باہر صحن سے اٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے جب ذرا اچھی روشنی ہوگئی تو مسیح موعود نے پوچھا کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ غالباً شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی نے عرض کیا کہ حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کردی مگر آپ اسی حالت میں تھے کہ غشی سی طاری ہوگئی اور نماز کو پورا نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے عرض کیا گیا حضور ہو گیا ہے آپ نے پھر نیت باندھی مگر مجھے یاد نہیں کہ نماز پوری کر سکے یا نہیں۔ اس وقت آپکی حالت سخت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔ غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر نے پوچھا کہ حضور کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ مگر آپ جواب نہ دے سکتے تھے اسلئے کاغذ قلم دوات منگوائی گئی اور آپ نے بائیں ہاتھ پر سہارا لیکر بستر سے کچھ اٹھکر لکھنا چاہا مگر بمشکل دو چار الفاظ لکھ سکے اور پھر بوجہ ضعف کے کاغذ کے اوپر قلم گھسٹتا ہوا چلا گیا اور آپ پھر لیٹ گئے۔ یہ آخری تحریر جس میں غالباً زبان کی تکلیف کا اظہار تھا اور کچھ حصہ پڑھا نہیں جاتا تھا جناب والدہ صاحبہ کو دیدی گئی۔ نو بجے کے بعد حضرت صاحب کی حالت زیادہ نازک ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کو غرغرہ شروع ہو گیا۔ غرغرہ میں کوئی آواز وغیرہ نہیں تھی بلکہ صرف سانس لمبا لمبا اور کھچ کھچکر آتا تھا۔ خاکسار اس وقت آپکے سرہانے کھڑا تھا۔ یہ حالت دیکھکر والدہ صاحبہ کو جو اس وقت ساتھ والے کمرے میں تھیں اطلاع دیگئی وہ معہ چند گھر کی مستورات کے آپ کی چارپائی کے پاس آکر زمین پر بیٹھ گئیں۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب

لاہوری نے آپکی چھاتی میں پستان کے پاس انجکشن یعنے دوائی کی پچکاری کی جس سے
وہ جگہ کچھ اُبھر آئی مگر کچھ افاقہ محسوس نہ ہوا بلکہ بعض لوگوں نے بُرا منایا کہ اس حالت
میں آپ کو کیوں یہ تکلیف دیگئی ہے۔ تھوڑی دیر تک غرغرہ کا سلسلہ جاری رہا اور ہر آن
سانسوں کے درمیان کا وقفہ لمبا ہوتا گیا حتّٰی کہ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور آپ کی روح
رفیق اعلیٰ کیطرف پرواز کر گئی۔ اللّٰھم صل علیہ وعلےٰ مطاعہ محمدؐ وبارك وسلم۔
خاکسار نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت جو شروع میں درج کیگئی ہے جب دوبارہ والدہ صاحبہ
کے پاس برائے تصدیق بیان کی اور حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر آیا تو والدہ صاحبہ
نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا مگر اسکے بعد تھوڑی
دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے۔ اور میں بھی
سو گئی لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالبًا ایک یا دو دفعہ رفع حاجت
کے لئے آپ پاخانہ تشریف لیگئے۔ اسکے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو اپنے ہاتھ
سے مجھے جگایا۔ میں اٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے اور میں
آپکے پاؤں دبانے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا تم اب سو جاؤ
مینے کہا نہیں میں دباتی ہوں۔ اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا مگر اب اس قدر ضعف
تھا کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے اسلئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر آپ فارغ ہوئے اور
پھر اُٹھکر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہو گیا تھا اسکے بعد ایک اور
دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف
تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور
حالت دگرگوں ہو گئی اسپر مینے گھبرا کر کہا "اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے" تو آپنے فرمایا "یہ وہی
ہے جو میں کہا کرتا تھا" خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کیا آپ سمجھ گئی تھیں کہ حضرت
صاحب کا کیا منشاء ہے والدہ صاحبہ نے فرمایا "ہاں" والدہ صاحبہ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حالت
خراب ہوئی اور ضعف بہت ہو گیا تو مینے کہا مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحب)
کو بلالوں؟ آپنے فرمایا بلالو نیز فرمایا محمود کو جگالو۔ پھر مینے پوچھا محمد علی خان یعنی نواب صاحب کو

بلالوں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت صاحب نے اس کا کچھ جواب دیا یا نہیں اور دیا تو کیا دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مرض موت میں آنحضرت صلعم کو بھی سخت کرب تھا اور نہائت درجہ بے چینی اور گھبراہٹ اور تکلیف کی حالت تھی اور ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا بھی بوقت وفات قریبًا ایسا ہی حال تھا۔ یہ بات ناواقف لوگوں کے لئے موجب تعجب ہوگی کیونکہ دوسری طرف وہ یہ سنتے اور دیکھتے ہیں کہ صوفیاؒ اور اولیاء کی وفات نہائت اطمینان اور سکون کی حالت میں ہوتی ہے۔ سو دراصل بات یہ ہے کہ نبی جب فوت ہونے لگتا ہے تو اپنی امت کے متعلق اپنی تمام ذمہ داریاں اسکے سامنے ہوتی ہیں اور ان کے مستقبل کا فکر مزید برآں اسکے دامنگیر ہوتا ہے۔ تمام دنیا سے بڑھکر اس بات کو نبی جانتا اور سمجھتا ہے کہ موت ایک دروازہ ہے جس سے گذر کر انسان نے خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہے پس موت کی آمد جہاں اس لحاظ سے اس کو مسرور کرتی ہے کہ وصال محبوب کا وقت قریب آن پہنچا ہے وہاں اسکی عظیم الشان ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی امت کے متعلق آئندہ کا فکر اسے غیر معمولی کرب میں مبتلا کر دیتے ہیں مگر صوفیا اور اولیاء ان فکروں سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان پر صرف ان کے نفس کا بار ہوتا ہے مگر نبیوں پر ہزاروں لاکھوں کروڑوں انسانوں کا بار۔ پس فرق ظاہر ہے۔

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جن ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسالہ الوصیت لکھ رہے تھے ایک دفعہ جب آپ شریف (یعنی میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا شریف احمدؐ) کے مکان کے صحن میں ٹہل رہے تھے آپ نے مجھ سے کہا کہ مولوی محمدؐ علی سے ایک انگریز نے دریافت کیا تھا کہ جس طرح بڑے آدمی اپنا جانشین مقرر کیا کرتے ہیں مرزا صاحب نے بھی کوئی جانشین مقرر کیا ہے یا نہیں؟ اسکے بعد آپ فرمانے لگے تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا میں محمود (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو لکھ دوں یا فرمایا مقرر کر دوں؟ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں میں نے کہا کہ جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔

(۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں جنکو دنیوی شان و شوکت کا خیال ہے کہ محکمے ہوں دفاتر ہوں بڑی بڑی عمارتیں ہوں وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ ہیں جو کسی بڑے آدمی مثلاً مولوی نورالدین صاحب کے اثر کے نیچے آکر جماعت میں داخل ہو گئے ہیں اور انہی کے ساتھ وابستہ ہیں تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو خاص میری ذات سے تعلق ہے اور وہ ہر بات میں میری رضا اور میری خوشی کو مقدم رکھتے ہیں۔

(۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جس وقت لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اس وقت حضرت مولوی نورالدین صاحب اس کمرہ میں موجود نہیں تھے جس میں آپ نے وفات پائی۔ جب حضرت مولوی صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ آئے اور حضرت صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر جلد ہی اس کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔ جب حضرت مولوی صاحب کا قدم دروازے کے باہر ہوا اسوقت مولوی سید محمد احسن صاحب نے رقت بھری آواز میں حضرت مولوی صاحب سے کہا انت صدّیقی۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا مولوی صاحب یہاں اس سوال کو رہنے دیں قادیان جا کر فیصلہ ہو گا۔ خاکسار کا خیال ہے کہ اس مکالمہ کو میرے سوا کسی نے نہیں سُنا۔

(۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تین انگوٹھیاں تھیں ایک الیس اللہ بکاف عبدہٗ والی جس کا آپنے کئی جگہ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے یہ سب سے پہلی انگوٹھی ہے جو دعویٰ سے بہت عرصہ پہلے تیار کرائی گئی تھی دوسری وہ انگوٹھی جس پر آپ کا الہام غرستک بیدی برحمتی وقد رتی الخ درج ہے یہ آپ نے دعویٰ کے بعد تیار کروائی تھی اور یہ بھی ایک عرصہ تک آپکے ہاتھ میں رہی۔ الہام کی عبارت نسبتاً لمبی ہونے کی وجہ سے اس کا نگینہ سب سے بڑا ہے۔ تیسری وہ جو آخری سالوں میں تیار ہوئی اور جو وفات کے وقت آپکے ہاتھ میں تھی۔ یہ انگوٹھی آپنے خود تیار نہیں کروائی بلکہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں حضور کے واسطے ایک انگوٹھی تیار کرانا چاہتا ہوں اسپر کیا لکھواؤں حضور نے جواب دیا "مولا بس" چنانچہ اس شخص نے یہ الفاظ لکھوا کر انگوٹھی

آپ کے پیش کردی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت ایک شخص نے یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے اتار لی تھی پھر اس سے والدہ صاحبہ نے واپس لے لی۔ حضرت مسیح موعود کی وفات کے ایک عرصہ بعد والدہ صاحبہ نے ان تینوں انگوٹھیوں کے متعلق ہم تینوں بھائیوں کے لئے قرعہ ڈالا۔ الیس اللہ بکاف عبدہٗ والی انگوٹھی بڑے بھائی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے نام نکلی۔ غرستک بیدی والی خاکسار کے نام اور مولابس والی عزیزم میاں شریف احمدؐ کے نام نکلی۔ ہمشیرگان کے حصہ میں دو اور اسی قسم کے تبرک آئے +

(۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذکر فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ عدالت میں اور مقدمے ہوتے رہے اور میں باہر ایک درخت کے نیچے انتظار کرتا رہا۔ چونکہ نماز کا وقت ہوگیا تھا اسلئے میں نے وہیں نماز پڑھنا شروع کردی۔ مگر نماز کے دوران میں ہی عدالت سے مجھے آوازیں پڑنی شروع ہوگئیں مگر میں نماز پڑھتا رہا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مینے دیکھا کہ میرے پاس عدالت کا بہرا کھڑا ہے۔ سلام پھیرتے ہی اس نے مجھے کہا مرزا صاحب مبارک ہو آپ مقدمہ جیت گئے ہیں +

(۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جوانی کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مجھ کو معلوم ہوا یا فرمایا اشارہ ہوا کہ اس راہ میں ترقی کرنے کے لئے روزے رکھنے بھی ضروری ہیں۔ فرماتے تھے پھر مینے چھ ماہ لگاتار روزے رکھے اور گھر میں یا باہر کسی شخص کو معلوم نہ تھا کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ صبح کا کھانا جب گھر سے آتا تھا تو میں کسی حاجتمند کو دیدیتا تھا اور شام کا خود کھالیتا تھا۔ مینے حضرت والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ آخرِ عمر میں بھی آپ نفلی روزے رکھتے تھے یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ آخرِ عمر میں بھی آپ روزے رکھا کرتے تھے خصوصاً شوال کے چھ روزے التزام کیساتھ رکھتے تھے اور جب کبھی آپ کو کسی خاص کام کے متعلق دعا کرنا ہوتی تھی تو آپ روزہ رکھتے تھے ہاں مگر آخری دو تین سالوں میں بوجہ ضعف و کمزوری رمضان کے روزے بھی نہیں رکھ سکتے تھے +

(۱۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹیریا کا دورہ بشیر اول (ہمارا ایک بڑا بھائی ہوتا تھا جو ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا تھا) کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اتھو آیا اور پھر اس کے بعد طبیعت خراب ہو گئی مگر یہ دورہ خفیف تھا۔ پھر اسکے کچھ عرصہ بعد آپ ایک دفعہ نماز کے لئے باہر گئے اور جاتے ہوئے فرما گئے کہ آج کچھ طبیعت خراب ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پرانا مخلص خادم تھا اب فوت ہو چکا ہے) نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی پانی کی ایک گاگر گرم کردو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گئی کہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہو گی چنانچہ مینے کسی ملازم عورت کو کہا کہ اس سے پوچھو میاں کی طبیعت کا کیا حال ہے۔ شیخ حامد علی نے کہا کہ کچھ خراب ہو گئی ہے۔ میں پردہ کرا کے مسجد میں چلی گئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے میں جب پاس گئی تو فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی لیکن اب افاقہ ہے میں نماز پڑھا رہا تھا کہ مینے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہو گئی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں اسکے بعد سے آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ خاکسار نے پوچھا دورہ میں کیا ہوتا تھا والدہ صاحبہ نے کہا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور بدن کے پٹھے کھچ جاتے تھے خصوصاً گردن کے پٹھے۔ اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس وقت آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے پھر اس کے بعد کچھ تو دوروں کی ایسی سختی نہیں رہی اور کچھ طبیعت عادی ہو گئی۔ خاکسار نے پوچھا اس سے پہلے تو سر کی کوئی تکلیف نہیں تھی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا پہلے معمولی سر درد کے دورے ہوا کرتے تھے۔ خاکسار نے پوچھا کیا پہلے حضرت صاحب خود نماز پڑھاتے تھے والدہ صاحبہ نے کہا ہاں مگر پھر دوروں کے بعد چھوڑ دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ مسیحیت کے دعویٰ سے پہلے کی بات ہے ؎

(۱۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام نے پہلی بیعت لدھیانہ میں لی تھی۔ پہلے دن چالیس آدمیوں نے بیعت کی تھی پھر جب گھر میں آئے تو بعض عورتوں نے بیعت کی سب سے پہلے مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحب) نے بیعت کی تھی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ نے کب بیعت کی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا میرے متعلق مشہور ہے کہ مینے بیعت سے توقف کیا اور کئی سال بعد بیعت کی۔ یہ غلط ہے بلکہ میں کبھی بھی آپ سے الگ نہیں ہوئی ہمیشہ آپکے ساتھ رہی اور شروع سے ہی اپنے آپ کو بیعت میں سمجھا اور اپنے لئے باقاعدہ الگ بیعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ابتدائی بیعت کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسیحیت اور مہدویت کا دعوےٰ نہ تھا بلکہ عام مجدّدانہ طریق پر آپ بیعت لیتے تھے۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ حضرت مولوی صاحب کے علاوہ اور کس کس نے پہلے دن بیعت کی تھی؟ والدہ صاحبہ نے میاں عبداللہ صاحب سنوری اور شیخ حامد علی صاحب کا نام لیا۔

(۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعویٰ مسیحیت شائع کرنے لگے تو اس وقت آپ قادیان میں تھے آپ نے اسکے متعلق ابتدائی رسالے یہیں لکھے پھر آپ لدھیانہ تشریف لے گئے اور وہاں سے دعویٰ شائع کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ دعوےٰ شائع کرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ایسی بات کا اعلان کرنے لگا ہوں جس سے ملک میں مخالفت کا بہت شور پیدا ہوگا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا اس اعلان پر بعض ابتدائی بیعت کرنیوالوں کو بھی ٹھوکر لگ گئی۔

(۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں میر حامد شاہ صاحب کے مکان پر تھے اور سو رہے تھے مینے آپکی زبان پر ایک فقرہ جاری ہوتے سنا۔ مینے سمجھا کہ الہام ہوا ہے پھر آپ بیدار ہو گئے تو مینے کہا کہ آپ کو یہ الہام ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تم کو کیسے معلوم ہوا؟ مینے کہا مجھے آواز سنائی دی تھی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ الہام کے وقت آپکی کیا حالت ہوتی تھی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور ماتھے پر پسینہ آجاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود اپنے مکان کے چھوٹے صحن میں دیکھے

جو والدہ صاحبہ کا موجودہ صحن ہے) ایک لکڑی کے تخت پر تشریف رکھتے تھے غالباً صبح یا
شام کا وقت تھا آپ کو کچھ غنودگی ہوئی تو آپ لیٹ گئے پھر آپ کے ہونٹوں سے کچھ آواز سنی
جس کو ہم سمجھ نہیں سکے پھر آپ بیدار ہوئے تو فرمایا مجھے اس وقت یہ الہام ہوا ہے۔ مگر خاکسار
کو وہ الہام یاد نہیں رہا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب آپکو الہام ہوتا تھا تو اسکے بعد آپ
غنودگی سے فوراً بیدار ہو جاتے تھے اور اسے تحریر کر لیتے تھے۔ اوائل میں اپنی کسی عام کتاب
پر نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ پھر آپنے ایک بڑے سائز کی کاپی بنوالی اسکے بعد ایک چھوٹی مگر ضخیم
نوٹ بک بنوالی تھی۔ خاکسار نے پوچھا کہ اب وہ نوٹ بک کہاں ہے؟ والدہ صاحبہ نے
فرمایا تمہارے بھائی کے پاس ہے۔ اور خاکسار کے ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب بھی
بیان کرتے تھے کہ مینے بھی ایک دفعہ حضرت صاحب کو الہام ہوتے دیکھا تھا۔

(۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
تحریر کا کام آخری زمانہ میں ٹیڑھے نب سے کیا کرتے تھے اور بغیر خطوط کا سفید کاغذ استعمال
فرماتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ کاغذ لیکر اسکی دو جانب شکن ڈال لیتے تھے تاکہ دونوں طرف
سفید حاشیہ رہے اور آپ کالی روشنائی سے بھی لکھ لیتے تھے اور بلیو بلیک سے بھی اور مٹی
کا اُپلہ سا بنوا کر اپنی دوات اس میں نصب کروا لیتے تھے تاکہ گرنے کا خطرہ نہ رہے۔ آپ
بالعموم لکھتے ہوئے ٹہلتے بھی جاتے تھے یعنی ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی۔ اور دوات ایک
جگہ رکھ دیتے تھے جب اسکے پاس سے گذرتے نب کو تر کر لیتے۔ اور لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی تحریر
کو پڑھتے بھی جاتے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب آپ اپنے طور پر پڑھتے تھے تو آپ کے ہونٹوں
سے گنگنانے کی آواز آتی تھی اور سننے والا الفاظ صاف نہیں سمجھ سکتا تھا۔ خاکسار نے مرزا
سلطان احمد صاحب کو پڑھتے سنا ہے ان کا طریق حضرت صاحب کے طریق سے بہت ملتا ہے
آپ کی تحریر پختہ مگر شکستہ ہوتی تھی۔ جس کو عادت نہ ہو وہ صاف نہیں پڑھ سکتا تھا۔ لکھے ہوئے
کو کاٹ کر بدل بھی دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تحریر میں کئی جگہ کٹے ہوئے حصے نظر آتے تھے۔ اور
آپکا خط بہت باریک ہوتا تھا۔ چنانچہ نمونہ درج ذیل ہے:۔

اصل خط

علاوہ اسکے مجھے اپنی اولاد کی
یہ خیال ہے کہ انکی شادیاں ایسی لڑکیوں سے ہوں کہ انہوں نے دینی علوم
اور کسی قدر عربی اور فارسی اور انگریزی میں تعلیم پائی ہو اور بڑے
گھروں کے انتظام کرنیکے لئے عقل اور دماغ رکھتی ہوں سو یہ سب
باتیں بجز علاوہ اور خوبیوں کے یہ خوبی بھی ہو خدا تعالیٰ کے اختیار
میں ہیں ... پنجاب کے شریف خاندانوں میں لڑکیوں کی تعلیم کی
طرف اس قدر توجہ کم ہے کہ وہ بیچاریاں وحشیوں کی طرح
نشو و نما پاتی ہیں۔

نقل خط

علاوہ اسکے مجھے اپنی اولاد کیلئے
یہ خیال ہے کہ ان کی شادیاں
ایسی لڑکیوں سے ہوں کہ انہوں نے
دینی علوم اور کسی قدر عربی اور
فارسی اور انگریزی میں تعلیم
پائی ہو اور بڑے گھروں کے انتظام
کرنیکے لئے عقل اور دماغ رکھتی
ہوں سو یہ سب باتیں کہ علاوہ
اور خوبیوں کے یہ خوبی بھی ہو۔
خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں پنجاب
کے شریف خاندانوں میں لڑکیوں
کی تعلیم کی طرف اس قدر توجہ
کم ہے کہ وہ بیچاریاں وحشیوں کی طرح
نشوونما پاتی ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ عبارت ایک خط سے لیگئی ہے جو حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۹ء میں مرزا محمود بیگ صاحب متوطن پٹی کو لکھا تھا۔

(۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فرمایا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب تمہارے طایا (مرزا غلام قادر صاحب یعنی حضرت صاحب کے بڑے بھائی) لاولد فوت ہو گئے تو تمہاری طائی حضرت صاحب کے پاس روئیں اور کہا کہ اپنے بھائی کی جائداد سلطان احمد کے نام بطور متبنّے کے کرادو وہ ویسے بھی اب تمہاری ہے اور اس طرح بھی تمہاری رہے گی۔ چنانچہ حضرت صاحب نے تمہارے طایا کی تمام جائداد مرزا سلطان احمد کے نام کرادی۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ حضرت صاحب نے متبنّی کی صورت کس طرح منظور فرمالی؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا یہ تو یونہی ایک بات تھی ورنہ وفات کے بعد متبنّے کیسا مطلب تو یہ تھا کہ تمہاری طائی کی خوشی کے لئے حضرت نے تمہارے طایا کی

جائداد مرزا سلطان احمد کے نام داخلخارج کرادی اور اپنے نام نہیں کرائی۔ کیونکہ اسوقت کے حالات کے ماتحت حضرت صاحب سمجھتے تھے کہ ویسے بھی مرزا سلطان احمد کو آپ کی جائداد سے نصف حصہ جائیگا اور باقی نصف مرزا فضل احمد کو۔ پس آپنے سمجھ لیا کہ گویا آپ نے اپنی زندگی میں ہی مرزا سلطان احمد کا حصہ الگ کردیا +

(۲۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب مرزا فضل احمد فوت ہوا تو اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ تمہاری اولاد کے ساتھ جائداد کا حصہ بٹانے والا ایک فضل احمد ہی تھا سو وہ بیچارہ بھی گذر گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کے دو لڑکے تھے ایک حضرت صاحب جن کا نام مرزا غلام احمد تھا اور دوسرے ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب جو حضرت صاحب سے بڑے تھے۔ ہمارے دادا نے قادیان کی زمین میں دو گاؤں آباد کرکے ان کو اپنے دونوں بیٹوں کے نام موسوم کیا تھا چنانچہ ایک کا نام قادر آباد رکھا اور دوسرے کا احمد آباد۔ احمد آباد بعد میں کسی طرح ہمارے خاندان کے ہاتھ سے نکل گیا اور صرف قادر آباد رہگیا۔ چنانچہ قادر آباد حضرت صاحب کی اولاد میں تقسیم ہوا اور اسی میں مرزا سلطان احمد صاحب کا حصہ آیا لیکن خدا کی قدرت کہ اب قریبًا چالیس سال کے عرصہ کے بعد احمد آباد جو ہمارے خاندان کے ہاتھ سے نکل کر غیر خاندان میں جاچکا تھا واپس ہمارے پاس آگیا ہے اور اب وہ کلیتہً صرف ہم تین بھائیوں کے پاس ہے یعنی مرزا سلطان احمد صاحب کا اس میں حصہ نہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ قادر آباد قادیان سے مشرق کی جانب واقع ہے اور احمد آباد جانب شمال ہے +

(۲۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے (جو خاکسار کے حقیقی ماموں ہیں) کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا تو ان دنوں میں مَیں چھوٹا بچہ تھا اور شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے اس دعوے سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن میں مدرسہ گیا تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ فوت ہوگئے ہیں اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ میں نے

ان کی تردید کی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہونگے۔ خیر جب میں گھر آیا تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ آپ مسیح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا یہ سوال سنکر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اُٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ کتاب فتح اسلام (جو آپ کی جدید تصنیف تھی) لاکر مجھے دیدیا اور فرمایا اسے پڑھو۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود کی صداقت کی دلیل ہے کہ آپنے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی ورنہ یونہی کوئی بات کہکر ٹال دیتے۔

(۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میں حدیث میں یہ پڑھتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال صحابہ برکت کے لئے رکھتے تھے اس خیال سے میں نے ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور مجھے اپنے کچھ بال عنائت فرماویں چنانچہ جب آپنے حجامت کرائی تو مجھے اپنے بال بھجوا دیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میرے پاس بھی حضرت صاحب کے کچھ بال رکھے ہیں۔

(۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایک دفعہ جب مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے میں مغرب کی نماز میں آیا تو دیکھا کہ آگے حضرت مسیح موعود خود نماز پڑھا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں مگر سوز و درد سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ جب آپنے نماز ختم کرائی تو میں آگے ہوا مجھے دیکھکر آپ نے فرمایا قاضی صاحب میں نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر آپ کو نہیں پایا۔ مجھے اس نماز میں سخت تکلیف ہوئی ہے۔ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہوگی۔

(۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کرم دین سے گورداسپور میں مقدمہ تھا اور آپ گورداسپور گئے ہوئے تھے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ سب لوگ کچہری میں چلے گئے یا اِدھر اُدھر ہو گئے اور حضرت صاحب کے پاس صرف میں اور مفتی محمد صادق صاحب رہ گئے۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہے ہیں۔ اسی حالت میں آپ نے سر اُٹھایا اور کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے لکھ لو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت وہاں کوئی قلم دوات یا پنسل موجود نہ تھی آخر ہم باورچی خانہ سے ایک کوئلہ لائے اور اس سے مفتی صاحب نے کاغذ پر لکھا آپ پھر اسی طرح لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے الہام لکھایا۔ غرض اسی طرح آپ نے اس وقت چند الہامات لکھائے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک الہام مجھے یاد ہے اور وہ یہ ہے یسئلونک عن شانک قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ یعنی تیری شان کے متعلق سوال کرینگے تو ان سے کہدے "اللہ" پھر چھوڑ دے ان کو ان کی بیہودہ گوئی میں۔ دوسرے دن جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو وکیل مستغیث نے آپ سے منجملہ اور سوالات کے یہ سوال بھی کیا کہ یہ جو آپ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ میں اپنے متعلق لکھا ہے اور اس نے اس کتاب سے ایک عبارت پڑھکر سنائی جس میں آپ نے بڑے زوردار الفاظ میں اپنے علو مرتبت کے متعلق فقرات لکھے ہیں کیا آپ واقعی ایسی ہی اپنی شان سمجھتے ہیں؟ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہاں یہ اللہ کا فضل ہے یا کوئی ایسا ہی کلمہ بولا جس میں اللہ کی طرف بات کو منسوب کیا تھا۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب کو اس وقت خیال نہیں آیا کہ یہ سوال وجواب آپ کے الہام کے مطابق تھا۔ پھر جب آپ گورداسپور سے واپس قادیان آنے لگے تو میں نے راستہ میں موڑ پر آکر آپ سے عرض کیا کہ حضور میرا خیال ہے کہ حضور کا وہ الہام اس سوال و جواب میں پورا ہوا ہے۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے کہ ہاں واقعی یہی ہے آپ نے بہت ٹھیک سمجھا ہے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ اسکے چند دن بعد مجھے شیخ یعقوب علی صاحب نے کہا کہ حضرت صاحب ایک اور موقعہ پر بھی ذکر فرماتے تھے کہ مولوی شیر علی نے اس الہام کی تطبیق خوب سمجھی ہے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے +

(۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ ہر شخص کی خواب توجہ سے سنتے تھے اور بسا اوقات نوٹ بھی فرما لیتے تھے چنانچہ ایکدفعہ جب مرزا کمال الدین وغیرہ نے مسجد کے نیچے کا رستہ دیوار کھینچکر بند کر دیا تھا اور احمدیوں کو سخت تکلیف کا سامنا تھا اور آپ کو مجبوراً قانونی چارہ جوئی کرنی پڑی تھی (اس موقعہ کے علاوہ کبھی

آپ نے کسی کے خلاف خود مقدمہ دائر نہیں کیا) مینے خواب دیکھا کہ وہ دیوار گرائی جارہی ہے اور میں اسکے گرے ہوئے حصے کے اوپر سے گذر رہا ہوں۔ مینے یہ خواب آپکے پاس بیان کیا آپ نے بڑی توجہ سے سنا اور نوٹ کر لیا۔ اس وقت میں بالکل بچہ تھا*

(۳۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جن دنوں ۱۹۰۵ء کا بڑا زلزلہ آیا تھا اور آپ باغ میں رہائش کے لئے چلے گئے تھے مفتی محمد صادق صاحب کے لڑکے محمد منظور نے جو ان دنوں میں بالکل بچہ تھا خواب میں دیکھا کہ بہت سے بکرے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ حضرت صاحب کو اس کی اطلاع پہنچی تو کئی بکرے منگوا کر صدقہ کروا دیئے اور حضرت صاحب کی اتباع میں اور اکثر لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ میرا خیال ہے اس وقت باغ میں ایک سو سے زیادہ بکرا ذبح ہوا ہوگا*

(۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آیا تو میں بچہ تھا اور نواب صاحب والے مکان کے ساتھ ملحق حضرت صاحب کے مکان کا جو حصہ ہے اس میں ہم دوسرے بچوں کے ساتھ چارپائیوں پر لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو ہم سب ڈر کر بے تحاشا اُٹھے اور ہم کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ صحن میں آئے تو اوپر سے کنکر روڑے برس رہے تھے ہم بھاگتے ہوئے بڑے مکان کی طرف آئے وہاں حضرت مسیح موعود اور والدہ صاحبہ کمرے سے نکل رہے تھے ہمنے جاتے ہی حضرت مسیح موعود کو پکڑ لیا اور آپ سے لپٹ گئے۔ آپ اس وقت گھبرائے ہوئے تھے اور بڑے صحن کی طرف جانا چاہتے تھے مگر چاروں طرف بچے چمٹے ہوئے تھے اور والدہ صاحبہ بھی کوئی اِدھر کھینچتا تھا تو کوئی اُدھر اور آپ سب کے درمیان میں تھے آخر بڑی مشکل سے آپ اور آپکے ساتھ چمٹے ہوئے ہم سب بڑے صحن میں پہونچے۔ اس وقت تک زلزلے کے دھکے بھی کمزور ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہم کو لیکر اپنے باغ میں تشریف لیگئے دوسرے احباب بھی اپنا ڈیرا ڈنڈا اُٹھا کر باغ میں پہنچ گئے۔ وہاں حسب ضرورت کچھ کچے مکان بھی تیار کروائے گئے اور کچھ خیمے منگوائے گئے اور پھر ہم سب ایک لمبا عرصہ باغ میں مقیم رہے۔ ان دنوں میں مدرسہ بھی وہیں لگتا تھا۔ گویا باغ میں ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا*

(۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میں اوائل میں اس بات کا قائل تھا کہ سفر میں قصر نماز عام حالات میں جائز نہیں بلکہ صرف جنگ کی حالت میں فتنہ کے خوف کے وقت جائز ہے اور اس معاملہ میں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) کے ساتھ بہت بحث کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گورداسپور میں مقدمہ تھا ایک دفعہ میں بھی وہاں گیا حضرت صاحب کے ساتھ وہاں مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) اور مولوی عبد الکریم صاحب بھی تھے مگر ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ قاضی صاحب آپ نماز پڑھائیں۔ میں نے دل میں پختہ ارادہ کیا کہ آج مجھے موقعہ ملا ہے میں قصر نہیں کرونگا بلکہ پوری پڑھونگا تا اس مسئلہ کا کچھ فیصلہ ہو۔ قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ ارادہ کر کے ہاتھ اٹھائے کہ قصر نہیں کرونگا حضرت صاحب میرے پیچھے دائیں طرف کھڑے تھے۔ آپ نے فوراً قدم آگے بڑھا کر میرے کان کے پاس منہ کر کے فرمایا قاضی صاحب دو ہی پڑھینگے نا؟ میں نے عرض کیا حضور دو ہی پڑھونگا بس اس وقت سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا اور میں نے اپنا خیال ترک کر دیا +

(۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ میرا ایک لڑکا جو پہلی بیوی سے تھا فوت ہو گیا۔ اسکی ماں نے بڑا جزع فزع کیا اور اس کی والدہ یعنی بچے کی نانی نے بھی اسی قسم کی حرکت کی میں نے ان کو بہت روکا مگر نہ باز آئیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس لڑکے کا جنازہ پڑھنے آئے تو جنازہ کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک وعظ فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا قاضی صاحب اپنے گھر میں بھی میری یہ نصیحت پہنچا دیں۔ میں نے گھر آکر بیوی کو حضرت صاحب کا وعظ سنایا پھر اسکے بعد اس کے دو تین لڑکے فوت ہوئے مگر اس نے سوائے آنسو گرانے کے اور کوئی حرکت نہیں کی +

(۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان سے گورداسپور جاتے ہوئے بٹالہ ٹھیرے وہاں کوئی مہمان جو آپ کی تلاش میں قادیان سے ہوتا ہوا بٹالہ واپس آیا تھا آپ کے پاس کچھ پھل بطور تحفہ لایا پھلوں میں انگور بھی تھے۔ آپ نے انگور کھائے اور فرمایا انگور میں ترشی ہوتی ہے مگر یہ ترشی

نزلہ کیلئے مضر نہیں ہوتی پھر آپ نے فرمایا ابھی میرا دل انگور کو چاہتا تھا سو خدا نے بھیجدیئے۔ فرمایا کئی دفعہ مینے تجربہ کیا ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے اللہ اسے مہیا کر دیتا ہے پھر ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک سفر میں جا رہا تھا کہ میرے دل میں پونڈے گنے کی خواہش پیدا ہوئی مگر وہاں رستہ میں کوئی گنا میسر نہیں تھا۔ مگر اللہ کی قدرت کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص ہم کو ملگیا جس کے پاس پونڈے تھے۔ اس سے ہمکو پونڈے ملگئے ٭

(۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ اوائل میں ایکدفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت دورہ پڑا کسی نے مرزا سلطان احمدؒ اور مرزا افضل احمدؒ کو بھی اطلاع دیدی اور وہ دونوں آگئے۔ پھر ان کے سامنے بھی حضرت صاحب کو دورہ پڑا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں اس وقت مینے دیکھا کہ مرزا سلطان احمد تو آپکی چارپائی کے پاس خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ مگر مرزا افضل احمدؒ کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا اور وہ کبھی ادھر بھاگتا تھا اور کبھی ادھر۔ کبھی اپنی پگڑی اتار کر حضرت صاحب کی ٹانگوں کو باندھتا تھا اور کبھی پاؤں دبانے لگ جاتا تھا۔ اور گھبراہٹ میں اسکے ہاتھ کانپتے تھے ٭

(۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب محمدی بیگم کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اور قادیان کے تمام رشتہ داروں نے حضرت صاحب کی سخت مخالفت کی اور خلاف کوشش کرتے رہے اور سب نے احمد بیگ والد محمدی بیگم کا ساتھ دیا اور خود کوشش کر کے لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرادی تو حضرت صاحب نے مرزا سلطان احمدؒ اور مرزا افضل احمد دونو کو الگ الگ خط لکھا کہ ان سب لوگوں نے میری سخت مخالفت کی ہے۔ اب ان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا اور ان کے ساتھ اب ہماری قبریں بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں لہٰذا اب تم اپنا آخری فیصلہ کرو اگر تم نے میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے تو پھر ان سے قطع تعلق کرنا ہوگا اور اگر ان سے تعلق رکھنا ہے تو پھر میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا میں اس صورت میں تم کو عاق کرتا ہوں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ مرزا سلطان احمدؒ کا جواب آیا کہ مجھ پر تائی صاحبہ کے احسانات ہیں میں ان سے قطع تعلق نہیں کرسکتا۔ مگر مرزا افضل احمدؒ نے لکھا کہ میرا تو آپکے ساتھ ہی تعلق ہے ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حضرت صاحب نے جواب دیا کہ

اگر یہ بات ہے تو اپنی بیوی بنت مرزا علی شیر کو (جو سخت مخالف تھی اور مرزا احمد بیگ کی بھانجی تھی) طلاق دیدو۔ مرزا فضل احمد نے فوراً طلاق نامہ لکھکر حضرت صاحب کے پاس روانہ کردیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ پھر فضل احمد باہر سے آکر ہمارے پاس ہی ٹھیرتا تھا مگر اپنی دوسری بیوی کی فتنہ پردازی سے آخر پھر آہستہ آہستہ اودھر جاملا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ فضل احمد بہت شرمیلا تھا حضرت صاحب کے سامنے آنکھ نہیں اُٹھاتا تھا۔ حضرت صاحب اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ فضل احمد سیدھی طبیعت کا ہے اور اس میں محبت کا مادہ ہے مگر دوسروں کے بہلانے سے اودھر جاملا ہے۔ والدہ صاحبہ نے نیز فرمایا کہ جب فضل احمد کی وفات کی خبر آئی تو اس رات حضرت صاحب ساری رات نہیں سوئے اور دو تین دن تک مغموم سے رہے خاکسار نے پوچھا کہ کیا حضرت صاحب نے کچھ فرمایا بھی تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ صرف اس قدر فرمایا تھا کہ ہمارا اس کے ساتھ تعلق تو نہیں تھا مگر مخالف اس کی موت کو بھی اعتراض کا نشانہ بنالینگے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ محمدی بیگم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چچازاد بہن عمر النساء کی لڑکی ہے یعنی مرزا نظام الدین و مرزا امام الدین وغیرہ کی حقیقی بھانجی ہے۔ ہماری تائی یعنی بیوہ مرزا غلام قادر صاحب محمدی بیگم کی سگی خالہ ہیں گویا مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری جو محمدی بیگم کا والد تھا مرزا امام الدین وغیرہ کا بہنوئی تھا اسکے علاوہ اور بھی خاندانی رشتہ داریاں تھیں مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی حقیقی ہمشیرہ مرزا احمد بیگ کے بڑے بھائی مرزا محمد بیگ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں مگر وہ جلد فوت ہوگیا۔ یہ بہت پرانی بات ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ تمام رشتہ دار پرلے درجہ کے بے دین اور لامذہب تھے اور اسلام سے ان کو کوئی واسطہ نہیں تھا بلکہ شریعت کی ہتک کرتے تھے۔ حضرت صاحب نے ان کی یہ حالت دیکھکر خدا کی طرف توجہ کی کہ ان کے لئے کوئی نشان ظاہر ہوتا ان کی اصلاح ہو یا کوئی فیصلہ ہو۔ سو خدا نے فرمایا کہ احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کیلئے سلسلہ جنبانی کر اگر انہوں نے منظور کرلیا اور اس لڑکی کی تیرے ساتھ شادی کردی تو پھر یہ لوگ برکتوں سے حصہ پائینگے اگر انہوں نے انکار کیا تو پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائینگے اور خاص لڑکی کے والد کے متعلق فرمایا کہ وہ تین سال کے اندر بلکہ بہت جلدی مر جائیگا اور جس شخص کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہوگا وہ بھی

15

اڑھائی سال کے اندر مر جائیگا۔ ان دو موخر الذکر شخصوں کے متعلق جس طرح اللہ کا نشان پورا ہوا وہ حضرت مسیح موعود کی کتب میں متعدد جگہ درج ہے یعنی احمد بیگ (ابی) لڑکی کے نکاح کے صرف چند ماہ بعد پیشگوئی کے مطابق اس جہاں سے رخصت ہوا اور مرزا سلطان محمد جس سے ان لوگوں نے محمدی بیگم کی شادی کروادی تھی خدا کے عذاب سے خوف زدہ ہوا اور اسکے کئی رشتہ داروں کی طرف سے حضرت صاحب کے پاس عجز و نیاز کے خطوط آئے چنانچہ اس کا اپنا خط بھی جس میں اسنے حضرت صاحب کے متعلق عقیدت کا اظہار کیا ہے رسالہ تشحیذ الاذہان میں چھپ چکا ہے اسلئے سنت اللہ کے مطابق اس سے وہ عذاب ٹل گیا۔ باقی رشتہ داروں کے متعلق جو عام پیشگوئی تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے گھر جو پیشگوئی کے وقت آدمیوں سے بھرے ہوئے تھے بالکل خالی ہو گئے۔ اور اب اس تمام خاندان میں سوائے ایک بچے کے اور کوئی مرد نہیں اور وہ بچہ بھی احمدی ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ مرزا امام الدین کی لڑکی بھی عرصہ ہوا احمدی ہو چکی ہے۔ پھر محمدی بیگم کی ماں یعنے بیوہ مرزا احمد بیگ اور مرزا احمد بیگ کا پوتا اور ہماری طائی یعنے محمدی بیگم کی خالہ سب سلسلہ بیعت میں داخل ہو چکے ہیں نیز محمدی بیگم کی سگی ہمشیرہ بھی احمدی ہو گئی تھی مگر اب فوت ہو چکی ہے ان کے علاوہ اور کئی رشتہ دار بھی احمدی ہو چکے ہیں اور جو سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے وہ بھی مخالفت ترک کر چکے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کا یہ الہام کہ ہم اس گھر میں کچھ حسنی طریق پر داخل ہونگے اور کچھ حسینی طریق پر۔ اپنی پوری شان میں پورا ہوا ہے۔

(۳۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس حجرہ میں کھڑے تھے جو عزیزم میاں شریف احمد کے مکان کے ساتھ ملحق ہے والدہ صاحبہ بھی غالباً پاس تھیں۔ مینے کوئی بات کرتے ہوئے مرزا نظام الدین کا نام لیا تو صرف نظام الدین کہا حضرت مسیح موعود نے فرمایا میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اسطرح نام نہیں لیا کرتے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین اور مرزا کمال الدین حضرت مسیح موعود کے حقیقی چچا مرزا غلام محی الدین صاحب کے لڑکے تھے اور ان کی سگی بہن جو ہماری طائی ہیں ہمارے طایا مرزا غلام قادر صاحب کے عقد میں آئی تھیں مگر باوجود ایسی قریبی رشتہ داری کے حضرت صاحب سے ان کو سخت مخالفت تھی جس کی بنیاد زیادہ تر

دینی بھی۔ یہ لوگ سخت دنیادار اور بے دین تھے بلکہ مرزا امام الدین جو سرگروہ مخالفت
تھا اسلام سے ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے ہمارا ان کے ساتھ کبھی راہ رسم نہیں
ہوا اسی بے تعلقی کے اثر کے نیچے مینے صرف نظام دین کا لفظ بول دیا تھا۔ مگر حضرت
صاحب کے اخلاق فاضلہ نے یہ بات گوارا نہ کی +

(۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ
مینے سنا کہ مرزا امام الدین اپنے مکان میں کسی کو مخاطب کر کے بلند آواز سے کہہ رہا تھا
کہ بھئی (یعنے بھائی) لوگ (حضرت صاحب کی طرف اشارہ تھا) دکانیں چلا کر نفع اٹھا
رہے ہیں ہم بھی کوئی دوکان چلاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ پھر اس نے
چوہڑوں کی پیری کا سلسلہ جاری کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اصل اور بڑا مخالف
مرزا امام الدین ہی تھا اسکے مرنے کے بعد مرزا نظام الدین وغیرہ کی طرف سے ویسی
مخالفت نہیں رہی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مرزا امام الدین کی لڑکی جو مرزا سلطان احمد صاحب
کے عقد میں ہے اب ایک عرصہ سے احمدی ہو چکی ہے +

(۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایکدفعہ
خواجہ کمال الدین صاحب سے میرا کوئی جھگڑا ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے مجھے کہا قاضی
صاحب کیا آپ جانتے نہیں کہ حضرت صاحب میری کتنی عزت کرتے ہیں؟ مینے کہا
ہاں میں جانتا ہوں کہ بہت عزت کرتے ہیں مگر میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں اور
وہ یہ کہ میں ایکدفعہ امرتسر سے قادیان آیا اور حضرت صاحب کو اطلاع دیکر حضور سے
ملا۔ قاضی صاحب کہتے تھے کہ اس وقت تک ہم لوگوں نے تہذیب نہیں سیکھی تھی۔
جب ملاقات کرنی ہوتی تھی حضرت صاحب کو اطلاع دیکر اندر سے بلا لیا کرتے تھے
یا حضرت صاحب خود سنکر باہر آجاتے تھے بعد میں یہ بات نہیں رہی اور ہم نے سمجھ لیا
کہ رسول کو اس طرح نہیں بلانا چاہیئے۔ خیر میں حضور سے ملا۔ آپ نے شیخ حامد علی
کو بلا کر حکم دیا کہ قاضی صاحب کے واسطے چا بنا کر لاؤ۔ مگر میں اس وقت بہت ڈرا کہ
کہیں یہ خاطر تواضع اس طریق پر نہو جس طرح منافقوں اور کمزور ایمانوں کی کیجاتی ہے۔

اور مینے بہت استغفار پڑھا۔ یہ قصہ سنا کر مینے خواجہ صاحب سے کہا کہ خواجہ صاحب آپ کی عزت بھی کہیں اسی طریق کی نہ ہو۔ چنانچہ میں آپ کو سناتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آتا ہے کہ آپ کمزور ایمانوں اور منافقوں کی بہت خاطر تواضع کیا کرتے تھے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کچھ مال تقسیم کیا مگر ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا جسکے متعلق سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ وہ میرے خیال میں مومن تھا اور ان لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار تھا جن کو آپ نے مال دیا چنانچہ سعد نے اسکی طرف آپ کو توجہ دلائی مگر آپ خاموش رہے۔ پھر دلائی مگر آپ پھر خاموش رہے۔ سعد نے پھر تیسری دفعہ آپ کو توجہ دلائی اس پر آپ نے فرمایا سعد تو ہم سے جھگڑا کرتا ہے۔ خدا کی قسم بات یہ ہے کہ بعض وقت میں کسی شخص کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ غیر اس کا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہوتا ہے مگر میں اسے دیتا ہوں کہ کہیں وہ منہ کے بل آگ میں نہ جا پڑے۔ یعنی تالیف قلب کے طور پر دیتا ہوں کہ کہیں اسے ابتلا نہ آجاوے۔ قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جس کے ایمان کی حالت مطمئن ہو اسے اس ظاہری عزت اور خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے ساتھ اور طریق پر معاملہ ہوتا ہے +

(۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمدؔ کی والدہ سے جن کو لوگ عام طور پر "پھجے دی ماں" کہا کرتے تھے بے تعلقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور اس کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھی اسلئے حضرت مسیح موعود نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی ہاں آپ اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا ہوتا رہا اب مینے دوسری شادی کر لی ہے اسلئے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھونگا تو میں گنہگار ہونگا اسلئے اب دو باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو میں تم کو خرچ دیئے جاؤنگا انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لونگی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے

میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں چنانچہ پھر ایسا ہی ہوتا رہا حتیٰ
کہ محمدی بیگم کا سوال اُٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کر کے محمدی بیگم کا نکاح
دوسری جگہ کرا دیا اور فضل احمدؒ کی والدہ نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ
رہی تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دیدی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب
کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار کے مطابق تھا جو آپ نے ۲ رمئی ۱۸۹۱ء کو شائع
کیا اور جس کی سرخی تھی "اشتہار نصرت دین وقطع تعلق از اقارب مخالف دین"
اس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر مرزا سلطان احمدؒ اور ان کی والدہ اس امر میں مخالفانہ
کوشش سے الگ نہ ہو گئے تو پھر آپ کی طرف سے مرزا سلطان احمدؒ عاق اور محروم الارث
ہوں گے اور ان کی والدہ کو آپ کی طرف سے طلاق ہو گی۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ
فضل احمدؒ نے اس وقت اپنے آپ کو عاق ہونے سے بچا لیا۔ نیز والدہ صاحبہ نے فرمایا
کہ اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان احمدؒ کی والدہ بیمار ہوئیں تو چونکہ حضرت صاحب
کی طرف سے مجھے اجازت تھی میں انہیں دیکھنے کے لئے گئی۔ واپس آکر مینے حضرت صاحب
سے ذکر کیا کہ پھجے کی ماں بیمار ہے اور یہ یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ مینے دوسری
دفعہ کہا تو فرمایا میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں یہ دے آؤ مگر اپنی طرف سے دینا میرا نام
نہ لینا۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً
کنایۃً مجھ پر ظاہر کیا کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام درمیان میں نہ آئے اپنی
طرف سے کبھی کچھ مدد کر دیا کروں سو میں کر دیا کرتی تھی۔

(۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہ ایک دفعہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز ظہر کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے ان دنوں میں آپ نے
شیخ سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق لکھا تھا کہ یہ ابتر رہیگا اور اس کا بیٹا جو اب موجود
ہے وہ نامرد ہے گویا اس کی اولاد آگے نہیں چلیگی (خاکسار عرض کرتا ہے کہ سعد اللہ سخت
معاند تھا اور حضرت مسیح موعود کے خلاف بہت بیہودہ گوئی کیا کرتا تھا) مگر ابھی آپ کی
یہ تحریر شائع نہ ہوئی تھی۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ ایسا

لکھنا قانون کے خلاف ہے ۔ اس کالڑکا اگر مقدمہ کردے تو پھر اسباب کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی نامرد ہے ۔ حضرت صاحب پہلے نرمی کے ساتھ مناسب طریق پر جواب دیتے رہے مگر جب مولوی محمد علی صاحب نے بار بار پیش کیا اور اپنی رائے پر اصرار کیا تو حضرت صاحب کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپ نے غصّے کے لہجہ میں فرمایا " جب نبی ہتھیار لگا کر باہر آجاتا ہے تو پھر ہتھیار نہیں اتارتا " ۔

(۴۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے والد صاحب اوائل میں تعلیم کیلئے باہر گئے تو شائد دلّی کی بات ہے کہ وہ ایک مسجد میں ٹھیرے ہوئے تھے چونکہ زاد ختم ہوگیا تھا کئی وقت فاقے گذر گئے تھے آخر کسی نے ان کو طالب علم سمجھکر ایک چپاتی دی جو بوجہ باسی ہوجانے کے خشک ہوکر نہائت سخت ہوچکی تھی ۔ والد صاحب نے لے لی مگر ابھی کھائی نہ تھی کہ آپ کا ساتھی جو قادیان کا کوئی شخص تھا اور اس پر بھی اسی طرح فاقہ تھا بولا " مرزا جی ساڈا وی دھیان رکھنا " یعنے مرزا صاحب ہمارا بھی خیال رہے ۔ حضرت فرماتے تھے کہ والد صاحب نے وہ چپاتی اس کی طرف پھینکدی جو اس کے ناک کے اوپر لگی اور لگتے ہی وہاں سے ایک خون کی نالی بہ نکلی ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ ساتھی بھی قادیان کا کوئی مغل تھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیان کرتے ہیں کہ مینے حضرت صاحب سے سنا ہے کہ وہ کوئی نائی یا مراسی تھا چنانچہ حضرت صاحب لطیفہ کے طور پر بیان فرماتے تھے کہ ان لوگوں کو ایسے موقعہ پر بھی ہنسی کی بات ہی سوجھتی ہے ۔

(۴۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ تمہارے دادا نے قادیان کی جائداد پر حقوق مالکانہ برقرار رکھوانے کے لئے شروع شروع میں بہت مقدمات کئے اور جتنا کشمیر کی ملازمت اور اس کے بعد روپیہ جمع کیا تھا اور وہ قریبًا ایک لاکھ تھا سب ان مقدمات پر صرف کردیا ۔ والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اتنے روپے سے سوگنے بڑی جائداد خریدی جاسکتی تھی ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دادا صاحب کو یہ خیال تھا کہ خواہ کچھ ہو قادیان اور علاقہ کے پُرانے جدّی حقوق

ہاتھ سے نہ جائیں اور ہم نے سنا ہے کہ دادا صاحب کہا کرتے تھے کہ قادیان کی ملکیت مجھے ایک ریاست سے اچھی ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ قادیان ہمارے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے جو آخر عہد بابری میں ہندوستان میں آئے تھے۔ قادیان اور کئی میل تک اس کے اردگرد کے دیہات ہمارے آباء کے پاس بطور ریاست یا جاگیر کے تھے۔ رام گڑھی سکھوں کے زمانہ میں ہمارے خاندان کو بہت مصائب دیکھنے پڑے اور سخت تباہی آئی لیکن پھر راجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کے عہد میں ہماری جاگیر کا کچھ حصہ ہمارے آباء کو واپس ملگیا تھا لیکن پھر ابتداء سلطنت انگریزی میں پچھلے کئی حقوق ضبط ہو گئے اور کئی مقدمات کے بعد جن پر دادا صاحب کا زر کثیر صرف ہوا صرف قادیان اور اس کے اندر مشمولہ دو دیہات پر حقوق مالکانہ اور قادیان کے قریب کے تین دیہات پر حقوق تعلقہ داری ہمارے خاندان کے لئے تسلیم کئے گئے۔ یہ حقوق اب تک قائم ہیں۔ ہاں درمیان میں بعض اپنے ہی رشتہ داروں کی مقدمہ بازی کی وجہ سے ہمارے طایا صاحب کے زمانہ میں قادیان کی جائداد کا بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ لاہوری کے خاندان کے پاس چلا گیا تھا اور قریبًا پینتیس سال تک اسی خاندان میں رہا لیکن اب حال میں وہ حصہ بھی خدا کے فضل سے ہم کو واپس آگیا ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ جب تمہارے طایا کے زمانہ میں قادیان کی جائداد کا بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ کو چلا گیا تو تمہارے طایا کو سخت صدمہ ہوا جس سے وہ بیمار ہو گئے اور قریبًا دو سال بعد اسی بیماری میں فوت ہوئے مگر باوجود خلاف ڈگری ہو جانے کے انہوں نے اپنی زندگی میں فریق مخالف کو قبضہ نہیں دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ وہی مقدمہ اور وہی ڈگری ہے جس کا حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کو روکا تھا کہ مقابلہ نہ کریں اور حق تسلیم کرلیں کیونکہ آپ کو خدا نے بتایا تھا کہ مقدمہ کا انجام خلاف ہے مگر حضرت صاحب فرماتے تھے کہ بھائی صاحب نے عذر کر دیا اور نہ مانا۔ پھر جب ڈگری ہو جانے کی خبر آئی تو اس وقت حضرت صاحب اپنے حجرے میں تھے۔ طایا صاحب باہر سے کانپتے ہوئے ڈگری کا پرچہ ہاتھ میں لئے اندر آئے اور حضرت صاحب کے سامنے وہ کاغذ ڈال دیا اور کہا "لے غلام احمدؑ جو تو کہندا اسی

او ہوا ای ہو گیا اے" یعنی لو غلام احمدؑ جو تم کہتے تھے وہی ہو گیا ہے اور پھر غش کھا کر گر گئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ پھر طایا صاحب کی وفات کے بعد حضرت صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب کو بلا کر فرمایا کہ قبضہ دیدو۔ چنانچہ مرزا سلطان احمدؐ صاحب نے ڈگری کے مطابق قبضہ دیدیا اور جائداد کا کچھ حصہ اونے پونے فروخت کر کے خرچے کا روپیہ بھی ادا کر دیا +

(۴۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد مرزا غلام مرتضےٰ صاحب نے ۱۸۷۶ء ماہ جون یا حضرت صاحب کی ایک تحریر کے مطابق ۲۰ ر اگست ۱۸۷۵ء میں وفات پائی اور آپ کے بھائی مرزا غلام قادر صاحب ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے۔ دادا صاحب کی عمر وفات کے وقت اسی۸۰ سے اوپر تھی اور طایا صاحب کی عمر پچپن۵۵ سال کے لگ بھگ تھی حضرت مسیح موعود کی تاریخ پیدائش کے متعلق اختلاف ہے۔ خود آپ کی اپنی تحریرات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ در اصل وہ سکھوں کا زمانہ تھا اور پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا حضرت مسیح موعود نے بعض جگہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء بیان کیا ہے مگر آپ کی اپنی ہی دوسری تحریرات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ درحقیقت آپ نے خود اپنی عمر کے متعلق اپنے اندازوں کو غیر یقینی قرار دیا ہے۔ دیکھو براہین حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳ +

(۴۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود پانچ بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی حضرت صاحب کی وہ ہمشیرہ تھیں جنکی شادی مرزا محمد بیگ ہوشیار پوری کے ساتھ ہوئی تھی حضرت صاحب کی یہ ہمشیرہ صاحب رویا و کشف تھیں۔ ان کا نام مراد بی بی تھا۔ ان سے چھوٹے مرزا غلام قادر صاحب تھے۔ ان سے چھوٹا ایک لڑکا تھا جو بچپن میں فوت ہو گیا۔ اس سے چھوٹی حضرت صاحب کی وہ ہمشیرہ تھی جو آپ کے ساتھ توام پیدا ہوئی اور جلد فوت ہو گئی اس کا نام جنت تھا سب سے چھوٹے حضرت مسیح موعود تھے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہماری بڑی ہمشیرہ کو ایک دفعہ کسی بزرگ نے خواب میں ایک تعویذ دیا تھا۔ بیدار ہوئیں تو ہاتھ میں بھوج پتر پر لکھی ہوئی سورۃ مریم تھی +

(۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یوں تو الہامات کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا لیکن وہ الہام جس میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کیلئے صریح طور پر مامور کیا گیا مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا جب کہ آپ براہین احمدیہ حصہ سوم تصنیف فرما رہے تھے (دیکھو براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۳۸) لیکن اس وقت آپ نے سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا بلکہ اسکے لئے مزید حکم تک توقف کیا چنانچہ جب فرمان الٰہی نازل ہوا تو آپ نے بیعت کیلئے دسمبر ۱۸۸۸ء میں اعلان فرمایا اور بذریعہ اشتہار لوگوں کو دعوت دی اور شروع ۱۸۸۹ء میں بیعت لینا شروع فرما دی لیکن اسوقت تک بھی آپ کو صرف مجدّد و مامور ہونیکا دعوےٰ تھا اور گو شروع دعوےٰ ماموریت سے ہی آپکے الہامات میں آپکے مسیح موعود ہونے کی طرف صریح اشارات تھے لیکن قدرت الٰہی کہ ایک مدت تک آپنے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا بلکہ صرف یہ فرماتے رہے کہ مجھے اصلاح خلق کے لئے مسیح ناصری کے رنگ میں قائم کیا گیا ہے اور مجھے مسیح سے مماثلت ہے۔ اس کے بعد شروع ۱۸۹۱ء میں آپ نے حضرت مسیح ناصری کی موت کے عقیدہ کا اعلان فرمایا اور یہ دعویٰ فرمایا کہ جس مسیح کا اس امت کیلئے وعدہ تھا وہ میں ہوں۔ آپ کی عام مخالفت کا اصل سلسلہ اسی دعویٰ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کے نبی اور رسول ہونے کے متعلق بھی ابتدائی الہامات میں صریح اشارے پائے جاتے ہیں مگر اس دعوے سے بھی مشیّت ایزدی نے آپکو روکے رکھا حتیٰ کہ بیسویں صدی کا ظہور ہو گیا تب جا کر آپ نے اپنے متعلق نبی اور رسول کے الفاظ صراحتاً استعمال فرمانے شروع کئے۔ اور خاص طور پر مثیل کرشن علیہ السلام ہونیکا دعوےٰ تو آپنے اسکے بھی بہت بعد یعنی ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔ اور یہ سب کچھ خدائی تصرف کے ماتحت ہوا آپکا اس میں ذرہ دخل نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی میں بھی یہی تدریجی ظہور نظر آتا ہے۔ اور اس میں کئی حکمتیں ہیں جنکے بیان کی اسجگہ گنجائش نہیں۔

(۴۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کے دادا یعنے مرزا گل محمدؐ صاحب بڑے پارسا اور متقی اور علم دوست آدمی تھے۔ ان کے زمانہ میں قادیان باعمل علما کا ایک مرکز تھا۔ مگر ان کے زمانہ میں سکھوں کی طرف سے ہماری جدی ریاست

پر حملے شروع ہو گئے تھے اور کئی گاؤں چھن بھی گئے تھے مگر انہوں نے بڑا حصہ جاگیر کا بچائے
رکھا ان کی وفات کے بعد جو غالباً ۱۸۰۰ء میں واقع ہوئی مرزا عطا محمد صاحب خاندان کے رئیس ہوئے
ان کے زمانہ میں رام گڑھی سکھوں نے ساری ریاست چھین لی اور ان کو قادیان میں جو
ان دنوں میں فصیل سے محفوظ تھا محصور ہونا پڑا۔ آخر سکھوں نے دھوکے سے شہر پر
قبضہ پالیا اور ہمارے کتب خانے کو جلا دیا۔ اور مرزا عطا محمد صاحب کو معہ اپنے عزیزوں
کے قادیان سے نکل جانا پڑا۔ چنانچہ مرزا عطا محمد صاحب بیگووال ریاست کپورتھلہ میں چلے
گئے جہاں کے سکھ رئیس نے ان کو بڑی عزت سے جگہ دی اور مہمان رکھا۔ چند سال کے
بعد مرزا عطا محمد صاحب کو دشمنوں نے زہر دلوا دیا اور وہ فوت ہو گئے اس وقت ہمارے دادا صاحب
کی عمر چھوٹی تھی مگر والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ باوجود اس کے وہ اپنے والد صاحب کا
جنازہ قادیان میں لائے تا خاندانی مقبرہ میں دفن کریں۔ یہاں کے سکھوں نے مزاحمت
کی لیکن قادیان کی عام پبلک خصوصاً کمین لوگوں نے دادا صاحب کا ساتھ دیا اور حالت
یہاں تک پہنچی کہ سکھوں کو خوف پیدا ہوا کہ بغاوت نہ ہو جاوے اسلئے انہوں نے اجازت
دیدی۔ اسکے بعد دادا صاحب واپس چلے گئے۔ اس زمانہ میں سکھوں نے ہماری تمام
جائداد اور مکانات پر قبضہ کیا ہوا تھا اور بعض مسجدوں کو بھی دھرم سالہ بنا لیا تھا۔ پھر
راجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں رام گڑھیوں کا زور ٹوٹ گیا اور سارا ملک راجہ رنجیت سنگھ
کے ماتحت آگیا۔ اسوقت دادا صاحب نے راجہ سے اپنی جدی جائداد کا کچھ حصہ واپس حاصل کیا اور قادیان واپس آگئے اسکے بعد دادا صاحب
اور ان کے چھوٹے بھائی مرزا غلام محی الدین صاحب نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ماتحت کئی فوجی
خدمات انجام دیں۔ چنانچہ یہ سب باتیں کتاب پنجاب چیفس مصنفہ سر لیپل گریفن میں مفصل
درج ہیں۔ سکھ حکومت کے اختتام پر پھر ملک میں بدامنی پھیلی اور ہمارے خاندان کو
پھر مصائب کا سامنا ہوا چنانچہ ہمارے دادا صاحب اور ان کے بھائی مرزا غلام محی الدین صاحب
کا قلعہ بسراواں میں قید کئے جانے کا واقعہ غالباً اسی زمانہ کا ہے۔ اسکے بعد انگریز آئے تو انہوں نے
ہماری خاندانی جاگیر ضبط کر لی۔ اور صرف سات سو روپیہ سالانہ کی ایک اعزازی پنشن نقدی
کی صورت میں مقرر کر دی جو ہمارے دادا صاحب کی وفات پر صرف ایک سو اسی رہ گئی اور

پھر طایا صاحب کے بعد بالکل بند ہوگئی۔ علاوہ ازیں ان تغیرات عظیمہ یعنی سکھوں کے آخر عہد کی بدامنی اور پھر سلطنت کی تبدیلی کے نتیجہ میں قادیان اور اس کے گرد ونواح کے متعلق ہمارے حقوق مالکانہ کے بارے میں بھی کئی سوال اور تنازعات پیدا ہوگئے چنانچہ اس زمانہ میں بعض دیہات کے متعلق ہمارے حقوق بالکل تلف ہوگئے اور صرف قادیان اور چند ملحقہ دیہات کے متعلق دادا صاحب نے زر کثیر صرف کر کے کچھ حقوق واپس لئے۔ سنا گیا ہے کہ مقدمات سے پہلے دادا صاحب نے تمام رشتہ داروں سے کہا کہ میں مقدمہ کرنا چاہتا ہوں تم نے ساتھ شامل ہونا ہے تو ہو جاؤ لیکن چونکہ کامیابی کی امید کم تھی اسلئے سب نے انکار کیا اور کہا کہ آپ ہی مقدمہ کریں اور اگر کچھ ملتا ہے تو آپ ہی لیں۔ لیکن جب کچھ حقوق ملگئے تو دادا صاحب کے مختار کی سادگی سے تمام رشتہ داروں کا نام خانہ ملکیت میں درج ہوگیا مگر قبضہ صرف دادا صاحب کا رہا اور باقیوں کو صرف آمد سے کچھ حصہ مل جاتا تھا۔ ہمارے خاندان کا ۱۸۶۵ء کے قریب کا شجرہ درج ذیل ہے:۔

- مرزا ہادی بیگ مورث اعلیٰ
  - مرزا محمد اسلم
    - مرزا محمد قائم
      - مرزا فیض محمد
        - مرزا گل محمد
          - مرزا عطا محمد
            - مرزا غلام مصطفےٰ
            - مرزا غلام مرتضےٰ
              - مرزا غلام قادر
              - حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ
            - مرزا غلام محمد
            - مرزا غلام محی الدین
              - مرزا امام دین
              - مرزا نظام دین
              - مرزا کمال دین
            - مرزا غلام حیدر
              - مرزا غلام حسین عرف حسین بیگ
          - مرزا قاسم بیگ
            - مرزا غلام غوث عرف بولا
    - مرزا امیر محمد
      - مرزا انور محمد
        - مرزا تصدق جیلانی
          - مرزا غلام رسول
            - مسماۃ سندن بیوہ مرزا غلام رسول
          - مرزا غلام صمدانی
            - مسماۃ سکینہ بیوہ مرزا غلام صمدانی
          - مرزا غلام جیلانی

جن اسماء کے گرد چوکو خطوط دکھلائے گئے ہیں وہ ان لوگوں کے نام ہیں جو ۱۸۶۵ء میں

قادیان میں حصہ دار درج تھے۔ قادیان کی کل ملکیت پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی تھی دو حصے اولاد مرزا تصدق جیلانی کو آئے تھے اور دو حصے اولاد مرزا گل محمدؐ صاحب کو اور ایک حصہ خاص مرزا غلام مرتضٰے صاحب کو بحیثیت منصرم کے آیا تھا جو بعد میں صرف انکی اولاد میں تقسیم ہوا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کی وفات کے بعد غیر قابض شرکاء نے مرزا امام الدین وغیرہ کی فتنہ پردازی سے ہمارے طایا مرزا غلام قادر صاحب پر دخلیابی جائداد کا دعوے دائر کر دیا اور بالآخر چیفکورٹ سے طایا صاحب کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اسکے بعد پسران مرزا تصدق جیلانی اور مرزا غلام غوث ولد مرزا قاسم بیگ کا حصہ تو اس سمجھوتے کے مطابق جو پہلے سے ہوچکا تھا مرزا اعظم بیگ لاہوری نے خرید لیا جو مقدمہ کا سارا خرچ اسی غرض سے برداشت کیا تھا اور پسران مرزا غلام محی الدین صاحب آپنے اپنے حصہ پر خود قابض ہو گئے۔ مرزا غلام حسین کی چونکہ نسل نہیں چلی اسلئے ان کا حصہ پسران مرزا غلام مرتضٰے صاحب و پسران مرزا غلام محی الدین کو آگیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت مرزا تصدق جیلانی اور مرزا قاسم بیگ کی تمام شاخ معدوم ہوچکی ہے۔ علی ہذا القیاس مرزا غلام حیدر کی بھی شاخ معدوم ہے ہمارے طایا مرزا غلام قادر صاحب اور مرزا امام الدین اور مرزا کمال الدین بھی لاولد فوت ہوئے۔ ہاں مرزا نظام الدین کا ایک لڑکا مرزا گل محمدؐ موجود ہے مگر وہ احمدی ہو کر حضرت صاحب کی روحانی اولاد میں داخل ہوچکا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ینقطع من آبائك ویبدا منك۔ اور یہ الہام اس وقت کا ہے جب آپکے شجرہ خاندانی کی یہ تمام شاخیں سرسبز تھیں +

(۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپنے پنشن وصول کر لی تو وہ آپکو پھسلا کر اور دھوکہ دیکر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا۔ اور ادھر ادھر پھراتا رہا۔ پھر جب اسنے

سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اسلئے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ تک وہاں ملازمت پر رہے۔ پھر جب تمہاری دادی بیمار ہوئیں تو تمہارے دادا نے آدمی بھیجا کہ ملازمت چھوڑ کر آجاؤ حضرت صاحب فوراً روانہ ہو گئے۔ امرتسر پہنچکر قادیان آنے کے واسطے یکہ کرایہ پر لیا۔ اس موقعہ پر قادیان سے ایک اور آدمی بھی آپ کے لینے کے لئے امرتسر پہنچ گیا۔ اس آدمی نے کہا یکہ جلدی چلاؤ کیونکہ ان کی حالت بہت نازک تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔ بہت ہی نازک حالت تھی جلدی کرو کہیں فوت نہ ہو گئی ہوں۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میں اس وقت سمجھ گیا کہ در اصل والدہ فوت ہو چکی ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتیں تو وہ شخص ایسے الفاظ نہ بولتا۔ چنانچہ قادیان پہنچے تو پتہ لگا کہ واقعی وہ فوت ہو چکی تھیں۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہمیں چھوڑ کر پھر مرزا امام الدین ادھر اودھر پھرتا رہا۔ آخر اسنے چائے کے ایک قافلہ پر ڈاکہ مارا اور پکڑا گیا مگر مقدمہ میں رہا ہو گیا۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے ہی اسے قید سے بچا لیا ورنہ خواہ وہ خود کیسا ہی آدمی تھا ہمارے مخالف یہی کہتے کہ ان کا ایک چچا زاد بھائی جیل خانہ میں رہ چکا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیالکوٹ کی ملازمت ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء کا واقعہ ہے +

(۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ طبابت کا علم ہمارا خاندانی علم ہے اور ہمیشہ سے ہمارا خاندان اس علم میں ماہر رہا ہے۔ دادا صاحب نہائت ماہر اور مشہور حاذق طبیب تھے۔ تایا صاحب نے بھی طب پڑھی تھی۔ حضرت مسیح موعود بھی علم طب میں خاصی دسترس رکھتے تھے اور گھر میں ادویہ کا ایک ذخیرہ رکھا کرتے تھے جس سے بیماروں کو دوا دیتے تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے بھی طب پڑھی تھی۔ اور خاکسار سے حضرت خلیفہ ثانی نے ایکدفعہ بیان کیا تھا کہ مجھے بھی حضرت مسیح موعود نے علم طب کے

پڑھنے کے متعلق تاکید فرمائی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ علم طب
ہمارے خاندان کی خصوصیت رہا ہے۔ ہمارے خاندان میں سے کبھی کسی نے اس علم کو اپنی
روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اور نہ ہی علاج کے بدلے میں کسی سے کبھی کچھ معاوضہ لیا۔

(۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ تمہاری
دادی ایمہ ضلع ہوشیارپور کی رہنے والی تھیں۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم اپنی والدہ
کے ساتھ بچپن میں کئی دفعہ ایمہ گئے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہاں حضرت صاحب
بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے اور چاقو نہیں ملتا تھا تو سرکنڈے سے ذبح کر لیتے تھے۔
والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایمہ سے چند بوڑھی عورتیں آئیں تو انہوں نے باتوں باتوں
میں کہا کہ سندھی ہمارے گاؤں میں چڑیاں پکڑا کرتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں نے
نہ سمجھا کہ سندھی سے کون مراد ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ ان کی مراد حضرت صاحب سے ہے۔
والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ دستور ہے کہ کسی منت ماننے کے نتیجہ میں بعض لوگ خصوصاً عورتیں
اپنے کسی بچے کا عرف سندھی رکھ دیتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے آپکی والدہ اور بعض عورتیں
آپ کو بھی بچپن میں کبھی اس نام سے پکارلیتی تھیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ سندھی غالباً
دسوندھی یا دسیندھی سے بگڑا ہوا ہے جو ایسے بچے کو کہتے ہیں جس پر کسی منت کے نتیجہ میں
دس دفعہ کوئی چیز باندھی جاوے اور بعض دفعہ منت کوئی نہیں ہوتی بلکہ یونہی پیار سے
عورتیں اپنے کسی بچے پر یہ رسم ادا کر کے اسے سندھی پکارنے لگجاتی ہیں۔

(۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے جھنڈا سنگھ ساکن کاہلواں نے کہ میں
بڑے مرزا صاحب کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب نے
کہا کہ جاؤ غلام احمد کو بلا لاؤ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے اس کا منشا ہو
تو کسی اچھے عہدہ پر نوکر کرادوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو
دیکھا کہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اسکے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے تھے میں نے
بڑے مرزا صاحب کا پیغام پہونچا دیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا "میں تو نوکر ہو گیا ہوں"
بڑے مرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا ہاں

ہوگیا ہوں اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا اچھا اگر نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کاہلواں قادیان سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے اور نوکر ہونے سے مراد خدا کی نوکری ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ جھنڈا سنگھ کئی دفعہ یہ روایت بیان کرچکا ہے اور وہ قادیان کی موجودہ ترقی کو دیکھکر حضرت مسیح موعود کا بہت ذکر کیا کرتا ہے اور آپ سے بہت محبت رکھتا ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کو بوجہ خاندان میں سب سے بڑا اور معزز ہونے کے عام طور پر لوگ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے چنانچہ خود حضرت مسیح موعود بھی عموماً ان کے متعلق یہی الفاظ فرماتے تھے +

(۵۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود صدقہ بہت دیا کرتے تھے اور عموماً ایسا خفیہ دیتے تھے کہ ہمیں بھی پتہ نہیں لگتا تھا۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کتنا صدقہ دیا کرتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا بہت دیا کرتے تھے۔ اور آخری ایام میں جتنا روپیہ آتا تھا اس کا دسواں حصہ صدقے کے لئے الگ کر دیتے تھے اور اس میں سے دیتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے بیان فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ دسویں حصہ سے زیادہ نہیں دیتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات اخراجات کی زیادتی ہوتی ہے تو آدمی صدقہ میں کوتاہی کرتا ہے لیکن اگر صدقہ کا روپیہ پہلے سے الگ کر دیا جاوے تو پھر کوتاہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ روپیہ پھر دوسرے مصرف میں نہیں آسکتا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا اسی غرض سے آپ دسواں حصہ تمام آمد کا الگ کر دیتے تھے ورنہ ویسے دینے کو تو اس سے زیادہ بھی دیتے تھے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ کیا آپ صدقہ دینے میں احمدی غیر احمدی کا لحاظ رکھتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا نہیں بلکہ ہر حاجتمند کو دیتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں قادیان میں ایسے احمدی حاجتمند بھی کم ہی ہوتے تھے +

(۵۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود جب کسی سے قرضہ لیتے تھے تو واپس کرتے ہوئے کچھ زیادہ دیدیتے تھے۔ خاکسار نے پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی مثال یاد ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اس وقت مثال تو یاد نہیں

22

مگر آپ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ اور والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت صاحب کوئی نیکی کی بات نہیں بیان فرماتے تھے جب تک کہ خود اسپر عمل نہ ہو۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا حضرت مسیح موعود نے کبھی کسی کو قرض بھی دیا ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا ہاں کئی دفعہ دیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ مولوی صاحب (خلیفہ اول) اور حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے آپ سے قرض لیا۔ مولوی صاحب نے جب قرض کا روپیہ واپس بھیجا تو آپ نے واپس فرما دیا اور کہلا بھیجا کہ کیا آپ ہمارے روپے کو اپنے روپے سے الگ سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے اسی وقت حکیم فضل الدین صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں یہ غلطی کر کے جھاڑ کھا چکا ہوں۔ دیکھنا تم روپیہ واپس نہ بھیجنا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے کسی سے سنا ہے کہ مولوی صاحب نے یہ بھی حکیم صاحب کو کہا تھا کہ اگر ضرور واپس دینا ہوا تو کسی اور طرح دیدینا +

(۵۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ آخری ایام میں حضرت مسیح موعود نے میرے سامنے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ چنانچہ مینے آپ کی وفات کے بعد آپکی طرف سے حج کروا دیا +

(۵۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کھانوں میں سے پرندہ کا گوشت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ شروع شروع میں بٹیر بھی کھاتے تھے لیکن جب طاعون کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے اس کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کیونکہ آپ فرماتے تھے کہ اس میں طاعونی مادہ ہوتا ہے۔ مچھلی کا گوشت بھی حضرت صاحب کو پسند تھا۔ ناشتہ باقاعدہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں عموماً صبح کو دودھ پی لیتے تھے۔ خاکسار نے پوچھا کہ کیا آپ کو دودھ ہضم ہو جاتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہضم تو نہیں ہوتا تھا مگر پی لیتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ پکوڑے بھی حضرت صاحب کو پسند تھے۔ ایک زمانے میں سکنجبین کا شربت بہت استعمال فرمایا تھا مگر پھر چھوڑ دی۔ ایک دفعہ آپ نے ایک لمبے عرصہ تک کوئی پکی ہوئی چیز نہیں کھائی صرف تھوڑے سے دہی کے ساتھ روٹی لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مکی کی روٹی بھی پسند کرتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے روٹی کے

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے جاتے تھے کچھ کھاتے تھے کچھ چھوڑ دیتے تھے۔ کھانے کے بعد آپکے سامنے سے بہت سے ریزے اُٹھتے تھے۔ ایک زمانہ میں آپ نے چائے کا بہت استعمال فرمایا تھا مگر پھر چھوڑ دی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا حضرت صاحب کھانا بہت تھوڑا کھاتے تھے۔ اور کھانے کا وقت بھی کوئی خاص مقرر نہیں تھا۔ صبح کا کھانا بعض اوقات بارہ بارہ ایک ایک بجے بھی کھاتے تھے۔ شام کا کھانا عموماً مغرب کے بعد۔ مگر کبھی کبھی پہلے بھی کھا لیتے تھے۔ غرض کوئی خاص وقت معین نہیں تھا۔ بعض اوقات خود کھانا مانگ لیتے تھے کہ لاؤ کھانا تیار ہے تو دیدو پھر میںنے کام شروع کرنا ہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ کس وقت کام کرتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ بس سارا دن کام میں ہی گذرتا تھا۔ دس بجے ڈاک آتی تھی تو ڈاک کا مطالعہ فرماتے تھے اور اس سے پہلے بعض اوقات تصنیف کا کام شروع نہیں فرماتے تھے تاکہ ڈاک کی وجہ سے درمیان میں سلسلہ منقطع نہ ہو۔ مگر کبھی پہلے بھی شروع کر دیتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود روزانہ اخبار عام لاہور منگاتے اور باقاعدہ پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ آخری ایام میں اور کوئی اخبار خود نہیں منگاتے تھے ہاں کبھی کوئی بھیجدیتا تھا تو وہ بھی پڑھ لیتے تھے۔

(۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ پہلے لنگر کا انتظام ہمارے گھر میں ہوتا تھا اور گھر سے سارا کھانا پک کر جاتا تھا۔ مگر جب آخری سالوں میں زیادہ کام ہوگیا تو میںنے کہکر باہر انتظام کروادیا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت صاحب کسی مہمان کے لئے خاص کھانا پکانے کے لئے بھی فرماتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا ہاں بعض اوقات فرماتے تھے کہ فلاں مہمان آئے ہیں ان کے لئے یہ کھانا تیار کرو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ شروع میں سب لوگ لنگر سے ہی کھانا کھاتے تھے خواہ مہمان ہوں یا یہاں مقیم ہو چکے ہوں۔ مقیم لوگ بعض اوقات اپنے پسند کی کوئی خاص چیز اپنے گھروں میں بھی پکا لیتے تھے مگر حضرت صاحب کی خواہش ہوتی تھی کہ اگر ہو سکے تو ایسی چیزیں بھی ان کے لئے آپ ہی کی طرف سے تیار ہو کر جاویں اور آپ کی خواہش رہتی تھی کہ جو شخص جس قسم کے کھانے کا عادی ہو اسکو اس قسم کا کھانا دیا جا سکے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود

کی زندگی میں لنگر کا انتظام خود آپ کے ہاتھ میں رہتا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اول نے یہ انتظام صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سپرد فرما دیا۔ والدہ صاحب فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں بعض لوگ حضرت صاحب سے کہا کرتے تھے کہ حضور کو انتظام کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے اور حضور کا حرج بھی بہت ہوتا ہے اپنے خدام کو سپرد فرما دیں مگر آپ نے نہیں مانا کیونکہ آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے پاس انتظام جانے سے کسی مہمان کو تکلیف ہو۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ کوشش ان لوگوں کی طرف سے تھی جو آپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ایسا نہیں کہتے تھے بلکہ ان کی نیتوں میں فساد تھا۔ اور جو منافقین مدینہ کی طرح آپ پر اخراجات لنگر خانہ کے متعلق شبہ کرتے تھے قال اللہ تعالیٰ ومنھم من یلمزک فی الصدقات +

(۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ تمہارے طایا کے ہاں ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوئے تھے مگر دونوں بچپن میں فوت ہو گئے۔ لڑکی کا نام عصمت اور لڑکے کا عبد القادر تھا۔ حضرت صاحب کو اپنے بھائی کی اولاد سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی بڑی لڑکی کا نام اسی واسطے عصمت رکھا تھا +

(۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بڑی بیوی سے حضرت مسیح موعود کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ یعنی مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمدؐ۔ حضرت صاحب ابھی گویا بچے ہی تھے کہ مرزا سلطان احمد پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہماری والدہ صاحبہ سے حضرت مسیح موعود کی مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔ عصمت جو سنہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئی اور سنہ ۱۸۹۱ء میں فوت ہو گئی۔ بشیر احمدؐ جو سنہ ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا۔ حضرت خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود احمدؐ جو سنہ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ شوکت جو سنہ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئی اور سنہ ۱۸۹۲ء میں فوت ہو گئی۔ خاکسار مرزا بشیر احمدؐ جو سنہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوا۔ مرزا شریف احمدؐ جو سنہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ مبارکہ بیگم جو سنہ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئیں۔ مبارک احمدؐ جو سنہ ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گیا۔ امۃ النصیر جو سنہ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئی اور سنہ ۱۹۰۳ء میں ہی فوت ہو گئی۔ امۃ الحفیظ بیگم جو سنہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئیں۔ سوائے

امۃ الحفیظ کے جو حضرت صاحب کی وفات کے وقت صرف تین سال کی تھیں باقی سب بچوں کی حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں شادی کردی تھی +

(۵۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب تم بچے تھے اور شائد دوسری جماعت میں ہوگے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود رفع حاجت سے فارغ ہوکر آئے تو تم اسوقت ایک چارپائی پر الٹی سیدھی چھلانگیں مار رہے اور قلعہ بازیاں کھا رہے تھے - آپ نے دیکھکر تبسم فرمایا اور کہا دیکھو یہ کیا کررہا ہے پھر فرمایا اسے ایم اے کرانا - خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ فقرہ روزمرہ کی زبان میں بے ساختہ نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر غور کریں تو اس میں دو تین پیشگوئیاں ہیں +

(۶۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ ہمیشہ رات کو سوتے ہوئے پاجامہ اتار کر تہ بند باندھ لیتے تھے اور عموماً کرتہ بھی اتار کر سوتے تھے - نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود جب رفع حاجت کے بعد طہارت سے فارغ ہوتے تھے تو اپنا ہاتھ مٹی سے ملکر پانی سے دہوتے تھے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض اوقات گھر میں بچوں کو بعض کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے - چنانچہ ایک بری بھلے کی کہانی بھی آپ عموماً سناتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک برا آدمی تھا اور ایک اچھا آدمی تھا - آخر کار برے آدمی کا انجام برا ہوا اور اچھے کا اچھا - والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ایک بینگن کی کہانی بھی آپ سناتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک آقا تھا اس نے اپنے نوکر کے سامنے بینگن کی تعریف کی تو اس نے بھی بہت تعریف کی چند دن کے بعد آقا نے مذمت کی تو نوکر بھی مذمت کرنے لگا - آقا نے پوچھا یہ کیا ہے اس دن تو تو تعریف کرتا تھا آج مذمت کرتا ہے - نوکر نے کہا حضور میں تو حضور کا نوکر ہوں بینگن کا نوکر نہیں ہوں +

(۶۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایکدفعہ ہم تینوں بھائیوں نے ملکر ایک ہوائی بندوق کے منگانے کا ارادہ کیا مگر ہم فیصلہ نہ کرسکتے تھے کہ کونسی منگوائیں آخر ہم نے قرعہ لکھکر حضرت صاحب سے قرعہ اُٹھوایا اور جو بندوق نکلی وہ ہم نے منگالی

۲۴

اور پھر اس سے بہت شکار کیا +

(۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایکدفعہ ہم گھر کے بچے ملکر حضرت مسیح موعود کے سامنے میاں شریف کو چھیڑنے لگ گئے کہ ابا کو تم سے محبت نہیں ہے اور ہم سے ہے میاں شریف بہت چڑتے تھے۔ حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو مگر ہم بچے تھے لگے رہے۔ آخر میاں شریف رونے لگ گئے۔ اور ان کی عادت تھی کہ جب روتے تھے تو ناک سے بہت رطوبت بہتی تھی۔ حضرت صاحب اُٹھے اور چاہا کہ ان کو گلے لگالیں تاکہ ان کا شک دور ہو مگر وہ اِس وجہ سے کہ ناک بہ رہا تھا پرے پرے کھچتے تھے۔ حضرت صاحب سمجھتے تھے کہ شائد اسے تکلیف ہے اسلئے دور ہٹتا ہے چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا کہ حضرت صاحب ان کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور وہ پرے پرے کھچتے تھے۔ اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اصل بات کیا ہے اسلئے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے تھے۔

(۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہم بچے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں یا کسی اور حالت میں ہوں ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے کہ ابّا پیسہ دو اور آپ اپنے رومال سے پیسہ کھول کر دیدیتے تھے۔ اگر ہم کسی وقت کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں زیادہ تنگ نہ کرو۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آپ معمولی نقدی وغیرہ اپنے رومال میں جو بڑے سائز کا ململ کا بنا ہوا ہوتا تھا باندھ لیا کرتے تھے اور رومال کا دوسرا کنارا واسکٹ کے ساتھ سلوا لیتے یا کاج میں بندھوا لیتے تھے۔ اور چابیاں ازار بند کے ساتھ باندھتے تھے جو بوجھ سے بعض اوقات لٹک آتا تھا۔ اور والدہ صاحبہ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود عموماً ریشمی ازار بند استعمال فرماتے تھے کیونکہ آپ کو پیشاب جلدی جلدی آتا تھا اسلئے ریشمی ازار بند رکھتے تھے تاکہ کھلنے میں آسانی ہو۔ اور گرہ بھی پڑ جاوے تو کھولنے میں دقت نہ ہو۔ سوتی ازار بند میں آپ سے بعض وقت گرہ پڑ جاتی تھی تو آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی +

(۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایکدفعہ تمہارے

دادا کی زندگی میں حضرت صاحب کو سل ہوگئی۔ اور چھ ماہ تک بیمار رہے اور بڑی نازک حالت ہوگئی حتیٰ کہ زندگی سے ناامیدی ہوگئی چنانچہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے چچا آپ کے پاس آکر بیٹھے اور کہنے لگے کہ دنیا میں یہی حال ہے سبھی نے مرنا ہے کوئی آگے گذر جاتا ہے کوئی پیچھے جاتا ہے اسلئے اسپر ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمہارے دادا خود حضرت صاحب کا علاج کرتے تھے اور برابر چھ ماہ تک انہوں نے آپ کو بکرے کے پائے کا شوربا کھلایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس جگہ چچا سے مراد مرزا غلام محی الدین صاحب ہیں۔

(۶۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے ہماری پھوپھی یعنے مرزا امام الدین کی ہمشیرہ نے جو ہماری طائی کی چھوٹی بہن ہیں اور مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کی بیوہ ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے والد اور طایا کو سکھوں نے بسراواں کے قلعہ میں بند کر دیا تھا اور قتل کا ارادہ رکھتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ غالباً سکھوں کے آخری عہد کی بات ہے جب کہ راجہ رنجیت سنگھ کے بعد ملک میں پھر بدامنی پھیل گئی تھی۔ اس وقت سنا ہی کہ ہمارے دادا اور ان کے بھائی مرزا غلام محی الدین کو سکھوں نے قلعہ میں بند کر دیا تھا۔ اور سننے میں آیا ہے کہ مرزا غلام حیدر ان کے چھوٹے بھائی کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے لاہور سے کمک لا کر ان کو چھڑایا تھا خاکسار عرض کرتا ہے بسراواں قادیان سے قریباً ڈھائی میل مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے اس زمانہ میں وہاں ایک خام قلعہ ہوتا تھا جو اب مسمار ہو چکا ہے مگر اس کے آثار باقی ہیں +

(۶۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میں چھوٹی لڑکی تھی تو میر صاحب کی تبدیلی ایک دفعہ یہاں قادیان بھی ہوئی تھی اور ہم یہاں چھ سات ماہ ٹھہرے تھے۔ پھر یہاں سے دوسری جگہ میر صاحب کی تبدیلی ہوئی تو وہ تمہارے طایا سے بات کر کے ہم کو تمہارے طایا کے مکان میں چھوڑ گئے تھے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آکر لیگئے۔ اس وقت تمہارے طایا قادیان سے باہر رہتے تھے اور آٹھ روز کے بعد یہاں آیا کرتے تھے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ خاکسار نے پوچھا کہ حضرت صاحب کو بھی ان دنوں میں آپ نے کبھی دیکھا تھا یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب

25

رہتے تو اسی مکان میں تھے مگر میںنے آپ کو نہیں دیکھا اور والدہ صاحبہ نے مجھے وہ کمرہ دکھایا
جس میں ان دنوں میں حضرت صاحب رہتے تھے۔ آجکل وہ کمرہ مرزا سلطان احمد صاحب
کے قبضہ میں ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب ابتدا سے ہی گوشہ نشین تھے۔
اسلئے والدہ صاحبہ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا
کہ یہ کب کی بات ہے والدہ صاحبہ نے فرمایا مجھے تاریخ تو یاد نہیں مگر یہ یاد ہے کہ جب ہم
یہاں قادیان آئے تھے تو ان دنوں میں تمہارے دادا کی وفات کی ایک سالہ رسم ادا
ہوئی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس حساب سے وہ زمانہ ۱۸۷۶ء کا بنتا ہے۔ اسوقت
والدہ صاحبہ کی عمر نو دس سال کی ہوگی اور حضرت صاحب کی عمر غالبًا چالیس سال سے اوپر تھی۔

(۶۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ میری شادی
سے پہلے حضرت صاحب کو معلوم ہوا تھا کہ آپ کی دوسری شادی دلّی میں ہوگی۔ چنانچہ
آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے پاس اس کا ذکر کیا تو چونکہ اس وقت اس کے پاس
تمام اہلحدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی اور میر صاحب بھی اہلحدیث تھے اور اس سے
بہت میل ملاقات رکھتے تھے اسلئے اسنے حضرت صاحب کے پاس میر صاحب کا نام
لیا۔ آپ نے میر صاحب کو لکھا۔ شروع میں میر صاحب نے اس تجویز کو بوجہ تفاوت عمر
ناپسند کیا مگر آخر رضامند ہو گئے۔ اور پھر حضرت صاحب مجھے بیاہنے دلّی گئے۔ آپکے ساتھ
شیخ حامد علی اور لالہ ملاوامل بھی تھے۔ نکاح مولوی نذیر حسین نے پڑھا تھا۔ یہ ۲۷ محرم ۱۳۰۲ھ
بروز پیر کی بات ہے اس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ حضرت صاحب نے نکاح کے بعد
مولوی نذیر حسین کو پانچ روپے اور ایک مصلیٰ نذر دیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا
ہے کہ اس وقت حضرت مسیح موعود کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ والدہ صاحبہ نے
فرمایا کہ تمہارے تایا میرے نکاح سے ڈیرہ دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ خاکسار عرض
کرتا ہے کہ تایا صاحب ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے تھے جو کہ تصنیف براہین کا آخری
زمانہ تھا۔ اور والدہ صاحبہ کی شادی نومبر ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی اور مجھے والدہ صاحبہ
سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے شادی کا دن اتوار مقرر ہوا تھا مگر حضرت صاحب نے کہکر

پیر کروا دیا تھا +

(۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیان کیا قاضی امیر حسین صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود کا زمانہ عجیب تھا قادیان میں دو دن گرمی نہیں پڑتی تھی کہ تیسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ جب گرمی پڑتی اور ہم حضرت صاحب سے کہتے کہ حضور بہت گرمی ہے تو دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ نیز مولوی سید سرور شاہ صاحب نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں فصلوں کے متعلق بھی کبھی شکائت نہیں ہوئی۔ خاکسار نے گھر آ کر والدہ صاحبہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت صاحب جب فرماتے تھے کہ آج بہت گرمی ہے تو اسی دن یا دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ اور آپکے بعد تو مہینوں آگ برستی ہے اور بارش نہیں ہوتی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں قادیان میں کبھی نماز استسقا نہیں پڑھی گئی اور آپ کے بعد کئی دفعہ پڑھی گئی ہے +

(۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ ایک عام عادت تھی کہ صبح کے وقت باہر سیر کو تشریف لیجایا کرتے تھے اور خدام آپکے ساتھ ہوتے تھے اور ایک ایک میل دو دو میل چلے جاتے تھے۔ اور آپکی عادت تھی کہ بہت تیز چلتے تھے مگر بایں ہمہ آپ کی رفتار میں پورا پورا وقار رہتا تھا۔ حضور سیر پر جاتے ہوئے حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اول) کو بھی ساتھ جانے کے لئے بلا لیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب بہت آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے اسلئے تھوڑی دور چلکر حضرت صاحب سے پیچھے رہجاتے تھے۔ جب حضور کو پتہ لگتا تھا تو مولوی صاحب کے انتظار کے لئے تھوڑی دیر سڑک پر ٹھہر جاتے تھے مگر مولوی صاحب پھر تھوڑی دور چلکر آپ سے پیچھے رہجاتے تھے اور دو چار آدمی مولوی صاحب کے ساتھ ساتھ ہو جاتے تھے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ حضرت صاحب سیر جاتے وقت نواب محمد علی خان صاحب کو بھی ساتھ لیجایا کرتے تھے اور کئی دفعہ آپ اپنے گھر سے باہر نکل کر چوک میں اپنے خدام کے ساتھ نواب صاحب کا انتظار کیا کرتے تھے اور بعض اوقات نواب صاحب کو آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو آپ کئی کئی منٹ ان کے دروازہ کے سامنے چوک میں کھڑے رہتے تھے اور پھر ان کو ساتھ لیکر جاتے تھے اور سیر میں حضور کی اپنے

خدام کے ساتھ گفتگو ہوا کرتی تھی اور حضور تقریر فرماتے جاتے تھے اور اخبار والے اپنے طور پر نوٹ کرتے جاتے تھے۔

حضرت مسیح موعود عموماً سیر کیلئے بسراواں کے رستہ یا بوٹر کے راستہ پر جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات اپنے باغ کی طرف بھی چلے جاتے تھے اور شہتوت بیدانہ وغیرہ توڑوا کر خدام کے سامنے رکھوا دیتے تھے۔ اور خود بھی کھاتے تھے۔ سیر میں جب ایسا ہوتا کہ کسی شخص کا قدم بے احتیاطی سے حضور کے عصا پر پڑ جاتا اور وہ آپ کے ہاتھ سے گر جاتا تو حضور کبھی منہ موڑ کر نہیں دیکھتے تھے کہ کس سے گرا ہے اور بعض اوقات جب جلسوں وغیرہ کے موقعہ پر سیر میں کثرت کے ساتھ لوگ حضور کے ساتھ ہو جاتے تھے تو بعض خدام خود بخود ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حضور کے تین طرف ایک چکر سا بنا لیتے تھے تاکہ حضور کو تکلیف نہ ہو۔ مگر آخری جلسہ میں جو حضور کی زندگی میں ہوا جب حضور بوٹر (شمال) کی طرف سیر کیلئے نکلے تو اس کثرت کے ساتھ لوگ حضور کے ساتھ ہو گئے کہ چلنا مشکل ہو گیا لہٰذا حضور تھوڑی دور جا کر واپس آ گئے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ حضور ایک دفعہ بسراواں (مشرق) کے رستہ پر سیر کر کے واپس تشریف لا رہے تھے کہ رستہ میں قادیان سے جاتے ہوئے مرزا نظام الدین ملے جو حضور کے چچا زاد بھائی تھے مگر سخت مخالف تھے۔ وہ اسوقت گھوڑے پر سوار تھے حضور کو آتا دیکھکر وہ گھوڑے سے اتر آئے اور راستہ سے ایک طرف ہٹکر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ پاس سے گذرے تو انہوں نے ادب کے ساتھ جھک کر سلام کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضور کو جب کوئی شخص ہاتھ اُٹھا کر پاس سے گذرتا ہوا سلام کرتا تھا تو حضور بھی اس کے جواب میں ہاتھ اُٹھاتے تھے۔

(۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درمیانہ قد تھا۔ رنگ گندمی تھا چہرہ بھاری تھا۔ بال سیدھے اور ملائم تھے۔ ہاتھ پاؤں بھرے بھرے تھے۔ آخری عمر میں بدن کچھ بھاری ہو گیا تھا۔ آپ کے رنگ ڈھنگ اور خط و خال میں ایک خداداد رعب تھا مگر آپ سے ملنے والوں کے دل آپکے متعلق محبت سے بھر جاتے تھے اور کوئی مخفی طاقت لوگوں کو آپکی طرف کھینچتی تھی۔ سینکڑوں لوگ مخالفت کے

جذبات لیکر آئے اور آپ کا چہرہ دیکھتے ہی رام ہو گئے۔ اور کوئی دلیل نہیں پوچھی۔ رعب کا یہ حال تھا کہ کئی شقی بد ارادوں کے ساتھ آپ کے سامنے آتے تھے مگر آپ کے سامنے اگر دم مارنے کی طاقت نہ ملتی تھی ÷

(۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مردان کا کوئی آدمی میاں محمد یوسف صاحب مردانی کے ساتھ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اول کے علاج کے واسطے یہاں قادیان آیا۔ یہ شخص سلسلہ کا سخت دشمن تھا اور بصد مشکل قادیان آنے پر رضامند ہوا تھا مگر اسنے میاں محمد یوسف صاحب سے یہ شرط کر لی تھی کہ قادیان میں مجھے احمدیوں کے محلہ سے باہر کوئی مکان لے دینا اور میں کبھی اس محلہ میں داخل نہیں ہونگا۔ خیر وہ آیا اور احمدی محلہ سے باہر ٹھیرا اور حضرت مولوی صاحب کا علاج ہوتا رہا۔ جب کچھ دنوں کے بعد اسے کچھ افاقہ ہوا تو وہ واپس جانے لگا۔ میاں محمد یوسف صاحب نے اس سے کہا کہ تم قادیان آئے اور اب جاتے ہو ہماری مسجد تو دیکھتے جاؤ۔ اسنے انکار کیا۔ میاں صاحب نے اصرار سے اسے منایا تو اس نے اس شرط پر مانا کہ ایسے وقت میں مجھے وہاں لیجاؤ کہ وہاں کوئی احمدی نہ ہو اور نہ مرزا صاحب ہوں۔ چنانچہ میاں محمد یوسف صاحب ایسا وقت دیکھکر اسے مسجد مبارک میں لائے مگر قدرت خدا کہ ادھر اسنے مسجد میں قدم رکھا اور ادھر حضرت مسیح موعود کے مکان کی کھڑکی کھلی اور حضور کسی کام کے لئے مسجد میں تشریف لے آئے۔ اس شخص کی نظر حضور کی طرف اٹھی اور وہ بیتاب ہو کر حضور کے سامنے آگرا اور اسی وقت بیعت کر لی ÷

(۷۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخر الدین صاحب ملتانی نے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ایک دفعہ میرے والد یہاں آئے اور وہ سخت مخالف اور بدگو تھے اور یہاں آکر بھی بڑی تیزی کی باتیں کرتے رہے اور وہ جب ملتان میں تھے تو کہتے تھے کہ میں اگر کبھی مرزا سے ملا تو (نعوذ باللہ) اسکے منہ پر بھی لعنتیں ڈالوں گا یعنے سامنے بھی یہی کہونگا جو یہاں کہتا ہوں۔ خیر میں انہیں حضرت صاحب کے پاس لے گیا حضور جب باہر تشریف لائے تو وہ ادب سے کھڑے ہو گئے اور خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ اسوقت

مجلس میں اور لوگ بھی تھے۔ حضور نے بیٹھے بیٹھے تقریر فرمانی شروع کی اور کئی دفعہ کہا کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے پاس آئیں اور ہماری باتیں سنیں اور ہم سے سوال کریں اور ہم ان کے واسطے خرچ کرنے کو بھی تیار ہیں لیکن لوگ اول تو آتے نہیں اور اگر آتے ہیں تو خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور پھر پیچھے جاکر باتیں کرتے ہیں غرض حضور نے کھول کھول کر تقریر کی اور تبلیغ فرمائی اور انہیں بات کرنے پر کئی دفعہ ابھارا۔ میرا والد بڑا چرب زبان ہے مگر ان کے منہ پر گویا مہر لگ گئی اور وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکے۔ وہاں سے اُٹھکر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ وہاں بولے کیوں نہیں انہوں نے کچھ کہکر ٹال دیا۔ میاں فخر الدین صاحب کہتے تھے کہ حضرت صاحب نے اس تقریر میں میرے والد کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ بلکہ عام تقریر فرمائی تھی۔

(۷۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا حضرت امیر المومنین خلیفہ ثانی علیہما السلام نے۔ ایک دفعہ ایک ہندو جو گجرات کا رہنے والا تھا قادیان کسی برات کے ساتھ آیا۔ یہ شخص علم توجہ کا بڑا ماہر تھا چنانچہ اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم لوگ قادیان آئے ہوئے ہیں چلو مرزا صاحب سے ملنے چلیں اور اس کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈالکر آپ سے بھری مجلس میں کوئی بیہودہ حرکات کرائے جب وہ مسجد میں حضور سے ملا تو اسنے اپنے علم سے آپ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ یکلخت کانپ اُٹھا مگر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنا کام پھر شروع کر دیا اور حضرت صاحب اپنی گفتگو میں لگے رہے۔ مگر پھر اسکے بدن پر ایک سخت لرزہ آیا اور اس کی زبان سے بھی کچھ خوف کی آواز نکلی مگر وہ پھر سنبھل گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اسنے ایک چیخ ماری اور بے تحاشا مسجد سے بھاگ نکلا اور بغیر جوتا پہنے نیچے بھاگتا ہوا اتر گیا۔ اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ اسکے پیچھے بھاگے اور اسکو پکڑ کر سنبھالا۔ جب اسکے ہوش ٹھکانے ہوئے تو اسنے بیان کیا کہ میں علم توجہ کا بڑا ماہر ہوں میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مرزا صاحب پر اپنی توجہ ڈالوں اور مجلس میں ان سے کوئی لغو حرکات کرادوں لیکن جب مینے توجہ ڈالی تو مینے دیکھا کہ میرے سامنے مگر ایک فاصلہ پر ایک شیر بیٹھا ہے۔ میں اسے دیکھکر کانپ گیا۔ لیکن مینے جی میں ہی اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ میرا وہم ہے۔ چنانچہ مینے پھر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی تو مینے دیکھا کہ پھر وہی شیر میرے سامنے ہے۔

اور میرے قریب آگیا ہے۔ اسپر پھر میرے بدن پر سخت لرزہ آیا مگر میں پھر سنبھل گیا اور مینے جی میں اپنے آپ کو بہت ملامت کی کہ یونہی میرے دل میں وہم سے خوف پیدا ہو گیا ہے چنانچہ مینے اپنا دل مضبوط کر کے اور اپنی طاقت کو جمع کر کے پھر مرزا صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈالا اور پورا زور لگایا اسپر ناگہان مینے دیکھا کہ وہی شیر میرے اوپر کود کر حملہ آور ہوا ہے اس وقت مینے بے خود ہو کر چیخ ماری اور وہاں سے بھاگ اُٹھا۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان فرماتے تھے کہ وہ شخص پھر حضرت صاحب کا بہت معتقد ہو گیا تھا اور ہمیشہ جب تک زندہ رہا آپ سے خط و کتابت رکھتا تھا +

(۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ منشی محمد اوڑا صاحب مرحوم کپور تھلوی حضرت مسیح موعود کے ذکر پر کہا کرتے تھے کہ ہم تو آپ کے منہ کے بھوکے تھے۔ بیمار بھی ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ دیکھنے سے اچھے ہو جاتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ منشی صاحب مرحوم پرانے مخلصوں میں سے تھے اور عشاق مسیح موعود میں ان کا نمبر صف اول میں شمار ہونا چاہئیے +

(۷۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اول نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کسی سفر میں تھے۔ سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ یہ دیکھکر مولوی عبد الکریم صاحب جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر اودھر پھرتے ہیں آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جاوے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مینے کہا میں تو نہیں کہتا آپ کہکر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبد الکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا جاؤ جی میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبد الکریم صاحب سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ مینے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے؟ +

(۷۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ جن دنوں میں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار تھا ایک دفعہ حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اول کو اس کے دیکھنے کے لئے گھر میں بلایا - اس وقت آپ صحن میں ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور صحن میں کوئی فرش وغیرہ نہیں تھا - مولوی صاحب آتے ہی آپکی چارپائی کے پاس زمین پر بیٹھ گئے - حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھیں - مولوی صاحب نے عرض کیا حضور میں بیٹھا ہوں اور کچھ اونچے ہو گئے اور ہاتھ چارپائی پر رکھ لیا - مگر حضرت صاحب نے دوبارہ کہا تو مولوی صاحب اُٹھکر چارپائی کے ایک کنارہ پر پائنتی کے اوپر بیٹھ گئے - خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب میں اطاعت اور ادب کمال درجے کے تھے +

(۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا حضرت خلیفہ ثانی علیہ السلام نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جماعت احمدیہ کپورتھلہ اور غیر احمدیوں کا وہاں کی مسجد کے متعلق ایک مقدمہ ہو گیا جس جج کے پاس یہ مقدمہ گیا وہ خود غیر احمدی تھا اور مخالف تھا - اسنے اس مقدمہ میں خلاف پہلو اختیار کرنا شروع کیا - اس حالت میں جماعت کپورتھلہ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود کو خطوط لکھے اور دعا کیلئے درخواست کی - حضرت صاحب نے ان کو جواب لکھا کہ اگر میں سچا ہوں تو مسجد تمکو ملجائیگی - مگر جج نے بدستور مخالفانہ روش قائم رکھی - آخر اس نے احمدیوں کے خلاف فیصلہ لکھا جس دن اس نے فیصلہ سنانا تھا اس دن وہ صبح کے وقت کپڑے پہن کر اپنی کوٹھی کے برامدہ میں نکلا اور اپنے نوکر کو کہا کہ بوٹ پہنائے اور آپ ایک کرسی پر بیٹھ گیا - نوکر نے بوٹ پہنا کر فیتہ باندھنا شروع کیا کہ یکلخت اسے کھٹ کی سی آواز آئی اسنے اوپر نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ اس کا آقا بے سہارا ہو کر کرسی پر اوندھا پڑا تھا - اس نے ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا مرا ہوا ہے گویا یکلخت دل کی حرکت بند ہو کر اس کی جان نکل گئی - اس کا قائم مقام ایک ہندو مقرر ہوا جس نے اس کے لکھے ہوئے فیصلہ کو کاٹ کر احمدیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا - خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے ذکر کیا کہ میں ایکدفعہ کپورتھلہ گیا تھا تو وہاں دیکھا کہ وہاں کی جماعت نے حضرت مسیح موعود کی یہ عبارت کہ اگر میں

سچا ہوں تو مسجد تم کو ملجائے گی۔ خوبصورت موتی لکھوا کر اسی مسجد میں نصب کرائی ہوئی ہے۔
خاکسار عرض کرتا ہے کہ کپور تھلہ کی جماعت بہت پرانی جماعت ہے اور حضرت مسیح موعود
کے دیرینہ مخلصین میں سے ہے۔ مینے سنا ہوا ہے ان کے پاس حضرت مسیح موعود کی ایک
تحریر ہے جس میں لکھا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ جس طرح کپور تھلہ کی جماعت نے دنیا میں
میرا ساتھ دیا ہے اسی طرح جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگی ۔

(۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ
میرا دادا جسے لوگ عام طور پر خلیفہ کہتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سخت مخالف
تھا اور آپ کے حق میں بہت بدزبانی کیا کرتا تھا اور والد صاحب کو بہت تنگ کیا کرتا تھا
والد صاحب نے اس سے تنگ آکر حضرت مسیح موعود کو دعا کیلئے خط لکھا۔ حضرت مسیح موعود
کا جواب گیا کہ ہم نے دعا کی ہے والد صاحب نے یہ خط تمام محلہ والوں کو دکھا دیا اور کہا کہ
حضرت صاحب نے دعا کی ہے اب دیکھ لینا خلیفہ گالیاں نہیں دیگا۔ دوسرے تیسرے
دن جمعہ تھا۔ ہمارا دادا حسب دستور غیر احمدیوں کے ساتھ جمعہ پڑھنے گیا مگر وہاں سے واپس
آکر غیر معمولی طور پر حضرت مسیح موعود کے متعلق خاموش رہا حالانکہ اس کی عادت تھی کہ
جمعہ کی نماز پڑھکر گھر آنے کے بعد خصوصاً بہت گالیاں دیا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا
کہ تم آج مرزا صاحب کے متعلق خاموش کیوں ہو؟ اس نے کہا کسی کے متعلق بدزبانی کرنے کا
کیا حاصل ہے۔ اور مولوی نے بھی آج جمعہ میں وعظ کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ کیسا ہی برا ہو
ہمیں بدزبانی نہیں کرنی چاہیئے۔ لوگوں نے کہا اچھا یہ بات ہے؟ ہمیشہ تو تم گالیاں دیتے تھے
اور آج تمہارا یہ خیال ہو گیا ہے! بلکہ اصل میں بات یہ ہے کہ بابو (میرے والد کو لوگ بابو کہا
کرتے تھے) کل ہی ایک خط دکھا رہا تھا کہ قادیان سے آیا ہے اور کہتا تھا کہ اب خلیفہ گالی
نہیں دیگا۔ مولوی رحیم بخش صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد باوجود کئی دفعہ مخالفوں کے
بھڑکانے کے میرے دادا نے کبھی حضرت مسیح موعود کے متعلق بدزبانی نہیں کی اور کبھی میرے
والد صاحب کو احمدیت کی وجہ سے تنگ نہیں کیا ۔

29
(۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرا رمضان آیا تو آپ نے روزے رکھنے شروع کئے مگر آٹھ نو روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ ہوا اسلئے باقی چھوڑ دیئے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کی بعد جو رمضان آیا تو اس میں آپ نے دس گیارہ روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ کی وجہ سے روزی ترک کرنے پڑے اور آپنے فدیہ ادا کر دیا۔ اسکے بعد جو رمضان آیا تو آپ کا تیرھواں روزہ تھا کہ مغرب کے قریب آپ کو دورہ پڑا اور آپنے روزہ توڑ دیا اور باقی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اسکے بعد جتنے رمضان آئے آپ نے سب روزے رکھے مگر پھر وفات سے دو تین سال قبل نہیں رکھ سکے اور فدیہ ادا فرماتے رہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ جب آپنے ابتداء دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑے تو کیا پھر بعد میں ان کو قضاء کیا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں صرف فدیہ ادا کر دیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب شروع شروع میں حضرت مسیح موعود کو دوران سر اور برد اطراف کے دورے پڑنے شروع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی اسلئے جب آپ روزے چھوڑتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر دوسرے رمضان تک ان کے پورا کرنے کی طاقت نہ پاتے تھے مگر جب اگلا رمضان آتا تو پھر شوق عبادت میں روزے رکھنے شروع فرما دیتے تھے لیکن پھر دورہ پڑتا تھا تو ترک کر دیتے تھے۔ اور بقیہ کا فدیہ ادا کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۸۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ اوائل میں غرارے استعمال فرمایا کرتے تھے پھر میں نے کہکر وہ ترک کروا دیئے اسکے بعد آپ معمولی پاجامے استعمال کرنے لگ گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غرارہ بہت کھلے پائنچے کے پائجامے کو کہتے ہیں۔

(۸۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود عام طور پر سفید ململ کی پگڑی استعمال فرماتے تھے جو عموماً دس گز لمبی ہوتی تھی۔ پگڑی کے نیچے کلاہ کی جگہ نرم قسم کی رومی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ اور گھر میں بعض اوقات پگڑی اتار کر سر پر صرف ٹوپی ہی رہنے دیتے تھے۔ بدن پر گرمیوں میں عموماً ململ کا کرتہ استعمال فرماتے تھے

اس کے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنتے تھے۔ پاجامہ بھی آپ کا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ
عموماً جراب بھی پہنے رہتے تھے بلکہ سردیوں میں دو دو جوڑے اوپر تلے پہن لیتے تھے۔
پاؤں میں آپ ہمیشہ دیسی جوتا پہنتے تھے۔ نیز بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے
کہ جب سے حضرت مسیح موعود کو دورے پڑنے شروع ہوئے اس وقت سے آپنے سردی
گرمی میں گرم کپڑے کا استعمال شروع فرما دیا تھا۔ ان کپڑوں میں آپ کو گرمی بھی لگتی
تھی اور بعض اوقات تکلیف بھی ہوتی تھی مگر جب ایک دفعہ شروع کر دیئے تو پھر
آخر تک یہی استعمال فرماتے رہے۔ اور جب سے شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی ثم لاہوری
احمدی ہوئے آپ کے لئے کپڑوں کے جوڑے بنوا کر باقاعدہ لاتے تھے اور حضرت
صاحب کی عادت تھی کہ جیسا کپڑا کوئی لے آئے پہن لیتے تھے۔ ایکدفعہ کوئی شخص آپکے لئے
گرگابی لے آیا۔ آپ نے پہن لی مگر اسکے الٹے سیدھے پاؤں کا آپکو پتہ نہیں لگتا تھا۔
کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے اور پھر تکلیف ہوتی تھی۔ بعض دفعہ آپ کا اُلٹا پاؤں پڑ جاتا
تو تنگ ہو کر فرماتے ان کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ مینے آپکی سہولت
کے واسطے الٹے سیدھے پاؤں کی شناخت کیلئے نشان لگا دیئے تھے مگر باوجود اس کے
آپ اُلٹا سیدھا پہن لیتے تھے اسلئے آپ نے اسے اتار دیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت
صاحب نے بعض اوقات انگریزی طرز کی قمیص کے کفوں کے متعلق بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے
تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف آپ کے لئے انگریزی طرز کی گرم قمیص
بنوا کر لایا کرتے تھے۔ آپ انہیں استعمال تو فرماتے تھے مگر انگریزی طرز کی کفوں کو پسند
نہیں فرماتے تھے کیونکہ اول تو کفوں کے بٹن لگانے سے آپ گھبراتے تھے دوسرے بٹنوں
کے کھولنے اور بند کرنے کا التزام آپ کے لئے مشکل تھا۔ بعض اوقات فرماتے تھے کہ یہ کیا
کان سے لٹکے رہتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لباس کے متعلق حضرت مسیح موعود کا عام
اصول یہ تھا کہ جس قسم کا کپڑا ملجاتا تھا پہن لیتے تھے۔ مگر عموماً انگریزی طرق لباس کو پسند
نہیں فرماتے تھے کیونکہ اول تو اسے اپنے لئے سادگی کے خلاف سمجھتے تھے دوسرے آپ ایسے
لباس سے جو اعضاء کو جکڑا ہوا رکھے بہت گھبراتے تھے۔ گھر میں آپ کے لئے صرف ململ کے

کرتے اور پگڑیاں تیار ہوتی تھیں باقی سب کپڑے عموماً ہدیۃً آپ کو آجاتے تھے۔
شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری اس خدمت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ خاکسار عرض
کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود بعض اوقات کمر پر پٹکا بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور جب کبھی
گھر سے باہر تشریف لیجاتے تھے تو کوٹ ضرور پہن کر آتے تھے اور ہاتھ میں عصا رکھنا بھی
آپ کی سنت ہے۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت صاحب کے واسطے ہر سال
نصف تھان کے کرتے تیار کیا کرتی تھی لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی تھی میںنے پورے
تھان کے کرتے تیار کئے۔ حضرت صاحب نے مجھے کہا بھی کہ اتنے کرتے کیا کرنے ہیں مگر
میںنے تیار کرلئے ان میں سے اب تک بہت سے کرتے بے پہنے میرے پاس رکھے ہیں +

(۸۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح
موعود جمعہ کے دن خوشبو لگاتے اور کپڑے بدلتے تھے +

(۸۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود
جب کبھی مغرب کی نماز گھر میں پڑھاتے تھے تو اکثر سورہ یوسف کی وہ آیات پڑھتے تھے جس
میں یہ الفاظ آتے ہیں انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت
مسیح موعود کی آواز میں بہت سوز اور درد تھا۔ اور آپ کی قرأت لہردار ہوتی تھی +

(۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ میںنے کبھی حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کو اعتکاف بیٹھتے نہیں دیکھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ
صاحب سنوری نے بھی مجھ سے یہی بیان کیا ہے +

(۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے سید فضل شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ
حضرت مسیح موعود یہاں مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ بھائی
عبداللہ صاحب سنوری بھی پاس تھے اور بعض اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت
صاحب سب کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ مگر جب بھائی عبداللہ صاحب بولتے تھے تو حضرت
صاحب دوسروں کی طرف سے توجہ ہٹا کر ان کی طرف توجہ کر لیتے تھے۔ مجھے اس کا ملال
ہوا اور میںنے ان پر رشک کیا۔ حضرت صاحب میرے اس خیال کو سمجھ گئے اور میری طرف

مخاطب ہو کر فرمانے لگے شاہ صاحب آپ جانتے ہیں یہ کون ہیں؟ مینے عرض کیا ہاں حضرت
میں بھائی عبداللہ صاحب کو جانتا ہوں۔ آپنے فرمایا ہمارا یہ مذہب ہے کہ "قدیمان خود را
بیفزائے قدر" یہ آپ سے بھی قدیم ہیں۔ سید فضل شاہ صاحب کہتے تھے کہ اس دن سے
مینے سمجھ لیا کہ ہمارا ان سے مقابلہ نہیں یہ ہم سے آگے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جبوقت
سید فضل شاہ صاحب نے یہ روایت بیان کی اس وقت میاں عبداللہ صاحب سنوری
بھی پاس بیٹھے تھے اور مینے دیکھا کہ ان کی آنکھیں پرنم تھیں +

(۸۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت
صاحب نے ۱۸۸۴ء میں ارادہ فرمایا تھا کہ قادیان سے باہر جاکر کہیں چلہ کشی فرمائینگے
اور ہندوستان کی سیر بھی کرینگے چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ سوجان پور ضلع گورداسپور
میں جاکر خلوت میں رہیں۔ اور اسکے متعلق حضور نے ایک اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ
بھی مجھے روانہ فرمایا۔ مینے عرض کیا کہ مجھے بھی اس سفر اور ہندوستان کے سفر میں حضور
ساتھ رکھیں حضور نے منظور فرمالیا۔ مگر پھر حضور کو سفر سوجان پور کے متعلق الہام ہوا کہ
تمہاری عقدہ کشائی ہوشیارپور میں ہوگی چنانچہ آپ نے سوجان پور جانے کا ارادہ ترک کردیا
اور ہوشیارپور جانے کا ارادہ کرلیا۔ جب آپ ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوشیارپور جانے
لگے تو مجھے خط لکھکر حضور نے قادیان بلالیا اور شیخ مہر علی رئیس ہوشیارپور کو خط لکھا کہ
میں دو ماہ کے واسطے ہوشیارپور آنا چاہتا ہوں کسی ایسے مکان کا انتظام کردیں جو شہر
کے ایک کنارہ پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو شیخ مہر علی نے اپنا ایک مکان جو طویلہ کے
نام سے مشہور تھا خالی کروادیا۔ حضور بہلی میں بیٹھکر دریا بیاس کے رستہ تشریف لے گئے
میں اور شیخ حامد علی اور فتح خان ساتھ تھے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ فتح خاں
رسول پور متصل ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور کا رہنے والا تھا اور حضور کا بڑا معتقد تھا مگر
بعد میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے اثر کے نیچے مرتد ہوگیا۔ حضور جب دریا پر پہنچے تو چونکہ
کشتی تک پہنچنے کے رستہ میں کچھ پانی تھا اسلئے ملاح نے حضور کو اٹھاکر کشتی میں بٹھلایا
جس پر حضور نے اسے ایک روپیہ انعام دیا۔ دریا میں جب کشتی چل رہی تھی حضور نے

61

مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میاں عبد اللہ کامل کی صحبت اس سفر دریا کی طرح ہے جسمیں پار ہونے کی بھی امید ہے اور غرق ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ میںنے حضور کی یہ بات سرسری طور پر سنی مگر جب فتح خان مرتد ہوا تو مجھے حضرت کی یہ بات یاد آئی۔ خیر ہم راستہ میں فتح خان کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے۔ وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خان کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعود نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کیلئے بلائیں۔ ان چالیس دن کے گذرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور سوال وجواب کرنے والے سوال جواب کریں۔ اور حضرت صاحب نے ہمکو بھی حکم دیدیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اوپر پہنچا دیا جاوے مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھالوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لیجایا کریں نماز میں اوپر الگ پڑھا کرونگا تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لیجایا کرتے تھے اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے۔ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں کھانا چھوڑنے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دیدیتا تھا۔ ایکدفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبد اللہ ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کی

فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اگر ان کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں۔ چنانچہ میاں عبد اللہ صاحب کہتے ہیں کہ پسر موعود کے متعلق الہامات بھی اسی چلہ میں ہوئے تھے اور بعد چلہ کے ہوشیار پور سے ہی آپ نے اس پیشگوئی کا اعلان فرمایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے ملاحظہ ہو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) جب چالیس دن گذر گئے تو پھر آپ حسب اعلان بیس دن اور وہاں ٹھیرے ان دنوں میں کئی لوگوں نے دعوتیں کیں اور کئی لوگ مذہبی تبادلہ خیالات کے لئے آئے اور باہر سے حضور کے پرانے ملنے والے لوگ بھی مہمان آئے۔ انہی دنوں میں مرلی دھر سے آپکا مباحثہ ہوا جو سرمہ چشم آریہ میں درج ہے۔ جب دو مہینے کی مدت پوری ہو گئی تو حضرت صاحب واپس اسی رستہ سے قادیان روانہ ہوئے۔ ہوشیار پور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے جہاں کچھ باغیچہ سا لگا ہوا تھا۔ وہاں پہنچکر حضور تھوڑی دیر کے لئے بہلی سے اُتر آئے اور فرمایا یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں۔ اسکے بعد حضور قبر کی طرف تشریف لیگئے میں بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا اور شیخ حامد علی اور فتح خان بہلی کے پاس رہے آپ مقبرہ پر پہنچکر اس کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور تھوڑی دیر تک دعا فرماتے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "جب مینے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ قبر سے نکلکر دو زانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کر لیتا۔ ان کی آنکھیں موٹی موٹی ہیں اور رنگ سانولا ہے"، پھر کہا کہ دیکھو اگر یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے ان کے حالات پوچھیں۔ چنانچہ حضور نے مجاور سے دریافت کیا۔ اسنے کہا مینے ان کو خود تو نہیں دیکھا کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گذر گیا ہے۔ ہاں اپنے باپ یا دادا سے سنا ہے کہ یہ اس علاقہ کے بڑے بزرگ تھے اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔ حضور نے پوچھا ان کا حلیہ کیا تھا؟ وہ کہنے لگا کہ سنا ہے سانولہ رنگ تھا اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ پھر ہم وہاں سے روانہ ہو کر قادیان پہنچ گئے خاکسار نے میاں عبد اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب اس خلوت کے زمانہ میں

کیا کرتے تھے اور کس طرح عبادت کرتے تھے ؟ میاں عبداللہ صاحب نے جواب دیا کہ یہ ہم کو معلوم نہیں کیونکہ آپ اوپر بالاخانہ میں رہتے تھے اور ہمکو اوپر جانے کا حکم نہیں تھا۔ کھانے وغیرہ کیلئے جب ہم اوپر جاتے تھے تو اجازت لیکر جاتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دن جب میں کھانا رکھنے اوپر گیا تو حضور نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ بورک من فیہا و من حولہا اور حضور نے تشریح فرمائی کہ من فیہا سے میں مراد ہوں اور من حولہا سے تم لوگ مراد ہو۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں تو سارا دن گھر میں رہتا تھا صرف جمعہ کے دن حضور کے ساتھ ہی باہر جاتا تھا اور شیخ حامد علی بھی اکثر گھر میں رہتا تھا لیکن فتح خان اکثر سارا دن ہی باہر رہتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اغلب ہے کہ اس الہام کے وقت بھی وہ باہر ہی ہو۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ فتح خان ان دونوں میں اتنا معتقد تھا کہ ہمارے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ حضرت صاحب کو تو میں نبی سمجھتا ہوں اور میں اس کی اس بات پر پرانے معروف عقیدہ کی بنا پر گھبراتا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک دفعہ میں کھانا چھوڑنے گیا تو حضور نے فرمایا مجھے خدا اس طرح مخاطب کرتا ہے اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کرتا ہے کہ اگر میں ان میں سے کچھ تھوڑا سا بھی ظاہر کروں تو یہ جتنے معتقد نظر آتے ہیں سب پھر جاویں ۔

(۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایکدفعہ حضرت مسیح موعود بیت الفکر میں (مسجد مبارک کے ساتھ والا حجرہ جو حضرت کے مکان کا حصہ ہے) لیٹے ہوئے تھے اور میں پاؤں دبا رہا تھا کہ حجرہ کی کھڑکی پر لالہ شرمپت یا شاید ملاوامل نے دستک دی۔ میں اُٹھکر کھڑکی کھولنے لگا مگر حضرت صاحب نے بڑی جلدی اُٹھکر تیزی سے جاکر مجھ سے پہلے زنجیر کھول دی اور پھر اپنی جگہ جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے ۔

(۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ بشیر اول کی پیدائش کے وقت میں قادیان میں تھا۔ قریبًا آدھی رات کو وقت حضرت مسیح موعود مسجد میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ اس وقت ہمارے گھر میں

درد زہ کی بہت تکلیف ہے۔ آپ یہاں یٰسین پڑھیں اور میں اندر جاکر پڑھتا ہوں اور فرمایا
کہ یٰسین کا پڑھنا بیمار کی تکلیف کو کم کرتا ہے چنانچہ نزع کی حالت میں بھی اسی لئے یٰسین
پڑھی جاتی ہے کہ مرنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ اور یٰسین کے ختم ہونے سے پہلے تکلیف دور ہوجاتی
ہے۔ اسکے بعد حضور اندر تشریف لیگئے اور میں یٰسین پڑھنے لگ گیا تھوڑی دیر کے بعد جب
مینے ابھی یٰسین ختم نہیں کی تھی آپ مسکراتے ہوئے پھر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا ہمارے
گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اسکے بعد حضرت صاحب اندر تشریف لیگئے اور میں خوشی کے جوش
میں مسجد کے اوپر چڑھکر بلند آواز سے مبارک باد مبارک باد کہنے لگ گیا +

(۸۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میری
شادی ہوئی اور میں ایک مہینہ قادیان ٹھیر کر پھر واپس دہلی گئی تو ان ایام میں حضرت مسیح
موعود نے مجھے ایک خط لکھا کہ مینے خواب میں تمہارے تین جوان لڑکے دیکھے ہیں۔ والدہ
صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے دو یاد تھے مگر حضرت صاحب فرماتے تھے کہ نہیں مینے تین دیکھے
تھے اور تین ہی لکھے تھے +

(۹۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح
موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی کیسا اخفا ہوتا ہے۔ پسر
موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا مگر ہمارے موجودہ
سارے لڑکے ہی کسی نہ کسی طرح تین کو چار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں
کہ میاں (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو تو حضرت صاحب نے اس طرح تین کو چار کرنیوالا قرار دیا
کہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کو بھی شمار کر لیا۔ اور بشیر اول متوفی کو بھی۔ . . . .
. . . . تمہیں (یعنے
خاکسار راقم الحروف کو) اس طرح پر کہ صرف زندہ لڑکے شمار کرلئے اور بشیر اول متوفی کو چھوڑدیا۔
شریف احمد کو اس طرح پر قرار دیا کہ اپنی پہلی بیوی کے لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد
کو چھوڑ دیئے اور میرے سارے لڑکے زندہ اور متوفی شمار کر لئے۔ اور مبارک کو اس
طرح پر کہ میرے صرف زندہ لڑکے شمار کر لئے اور بشیر اول متوفی کو چھوڑ دیا +

(۹۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات کے قریب بڑی کثرت سے اپنی وفات کے متعلق منذر الہامات اور خوابیں شروع ہو گئی تھیں۔ جب آپ لاہور تشریف لیگئے تو وہاں زیادہ کثرت سے ایسے الہام ہونے شروع ہوئے۔ اس وجہ سے اور کچھ ویسے بھی مینے گھبرا کر ایک دن حضرت صاحب سے کہا کہ چلو اب قادیان واپس چلیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب تو جب ہمیں خدا لیجائے گا تب ہی جائینگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بھی حضرت صاحب کی صداقت کی ایک دلیل ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ کو اس کثرت سے اپنی وفات کے متعلق الہامات ہوتے تھے اور وفات کے قریب تو کثرت کا یہ حال تھا کہ گویا موت بالکل سر پر کھڑی ہے آپ اپنے کام میں اسی تندہی سے لگے رہے بلکہ زیادہ ذوق شوق اور محنت سے کام شروع کر دیا چنانچہ جس وقت آپ کی وفات ہوئی ان دنوں میں بھی آپ رسالہ پیغام صلح کی تصنیف میں مصروف تھے اور تقاریر کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا کوئی اور ہوتا تو قرب موت کی خبر سے اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے۔ اور کوئی مفتری ہوتا تو یہ وقت اس کے راز کے طشت از بام ہونے کا وقت تھا +

(۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو عصر کی نماز کے بعد یعنی اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پیشتر حضور نے خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر جہاں نماز ہوا کرتی تھی ایک بڑی پر جوش تقریر فرمائی جس کی وجہ یہ تھی کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی کی طرف سے ایک شخص مباحثہ کا چیلنج لیکر آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے مباحثہ کی شرائط کیلئے مولوی محمد احسن صاحب کو مقرر فرمایا اور پھر اس شخص کی موجودگی میں ایک نہائت زبردست تقریر فرمائی۔ اور جس طرح جوش کے وقت آپکا چہرہ سرخ ہو جایا کرتا تھا اسی طرح اس وقت بھی یہی حال تھا۔ اس تقریر کے بعض فقرے اب تک میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ فرمایا تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ نیز فرمایا اب ہم تو اپنا کام ختم کر چکے ہیں +

(۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حاجی عبد المجید صاحب لدھیانوی نے کہ

ایک دفعہ حضور لدھیانہ میں تھے۔ میرے مکان میں ایک نیم کا درخت تھا۔ چونکہ برسات کا موسم تھا اسکے پتے بڑے خوشنما طور پر سبز تھے۔ حضور نے مجھے فرمایا حاجی صاحب اس درخت کی پتوں کی طرف دیکھئے کیسے خوشنما ہیں۔ حاجی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے اس وقت دیکھا کہ آپکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں +

(۹۴) بسم اللہ الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حاجی عبدالمجید صاحب نے کہ ایک دفعہ جب ازالہ اوہام شائع ہوئی ہے حضرت صاحب لدھیانہ میں باہر چہل قدمی کیلئے تشریف لے گئے میں اور حافظ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں حافظ حامد علی نے مجھ سے کہا کہ آج رات یا شائد کہا ان دنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالمجید صاحب نے یہ روائت بیان کی میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پرانا ہے۔ حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا اور مجھے الہام اس طرح پر یاد ہے۔ سلطنت برطانیہ تا ہفت سال۔ بعد ازاں باشد خلاف و اختلال۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرا مصرع تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ یہی تھا۔ اور ہفت کا لفظ بھی یاد ہے۔ جب یہ الہام ہمیں حضرت صاحب نے سنایا تو اس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی مخالف نہیں تھا۔ شیخ حامد علی نے اسے بھی جا سنایا۔ پھر جب وہ مخالف ہوا تو اس نے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے اپنے رسالہ میں شائع کیا کہ مرزا صاحب نے یہ الہام شائع کیا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب اور حاجی عبدالمجید صاحب کی روائت میں جو اختلاف ہے وہ اگر کسی صاحب کے ضعفِ حافظہ پر مبنی نہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الہام حضور کو دو وقتوں میں دو مختلف قراتوں پر ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس الہام کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ بعضوں نے تاریخ الہام سے میعاد شمار کی ہے بعضوں نے کہا ہے کہ ملکہ وکٹوریا کی وفات کے بعد سے اسکی میعاد شمار ہوتی ہے کیونکہ ملکہ کیلئے حضرت نے بہت دعائیں کی تھیں۔ بعض اور معنے کرتے ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ میرے نزدیک

آغاز صدی بیسویں سے اس کی میعاد شروع ہوتی ہے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور واقعات کے ظہور کے بعد ہی مینے اس کے یہ معنے سمجھے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میری نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت صاحب کی وفات سے اس کی میعاد شمار کی جاوے کیونکہ حضرت صاحب نے اپنی ذات کو گورنمنٹ برطانیہ کیلئے بطور حرز کے بیان کیا ہے پس حرز کی موجودگی میں میعاد کا شمار کرنا میرے خیال میں درست نہیں۔ اس طرح جنگ عظیم کی ابتداء اور ہفت یا ہشت سالہ میعاد کا اختتام آپس میں مل جاتے ہیں واللہ اعلم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ہم لوگوں پر بڑے احسانات ہیں ہمیں دعا کرنی چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

(۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ میں بیعت کا اعلان کیا تو بیعت لینے سے پہلے آپ شیخ مہر علی رئیس ہوشیارپور کے بلانے پر اس کے لڑکے کی شادی پر ہوشیارپور تشریف لے گئے۔ میں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں یکہ پر حضور نے ہمکو اپنے اس چلہ کا حال سنایا جس میں آپ نے برابر چھ ماہ تک روزے رکھے تھے۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ مینے ایک چھینکا رکھا ہوا تھا اسے میں اپنے چوبارے سے نیچے لٹکا دیتا تھا تو اس میں میری روٹی رکھدی جاتی تھی پھر اسے میں کھینچ لیتا تھا۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ شیخ مہر علی نے یہ انتظام کیا تھا کہ دعوت میں کھانے کے وقت روساء کے واسطے الگ کمرہ تھا اور ان کے ساتھیوں اور خدام کے واسطے الگ تھا مگر حضرت صاحب کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے ساتھ والوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر بھی آپ ہم تینوں کو اپنے داخل ہونے سے پہلے کمرہ میں داخل کرتے تھے اور پھر خود داخل ہوتے تھے اور اپنے دایئں بایئں ہمکو بٹھاتے تھے۔ انہی دنوں میں ہوشیارپور میں مولوی محمود شاہ چھچھ ہزاروی کا وعظ تھا جو نہائت مشہور اور نامور اور مقبول واعظ تھا حضرت صاحب نے میرے ہاتھ بیعت کا اشتہار دیکر انہیں کہلا بھیجا کہ آپ اپنے لیکچر کے وقت کسی مناسب موقع پر میرا یہ اشتہار بیعت پڑھکر سنادیں اور میں خود بھی آپکی

لیکچر میں آؤنگا۔ اسنے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت صاحب اس کے وعظ میں تشریف لیگئے لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور حضور کا اشتہار نہ سنایا بلکہ جب وقت لوگ منتشر ہونے لگے اس وقت سنایا مگر اکثر لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ حضرت صاحب کو اس پر بہت رنج ہوا۔ فرمایا ہم اسکے وعدہ کے خیال سے ہی اسکے لیکچر میں آئے تھے کہ ہماری تبلیغ ہوگی ورنہ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ اسنے وعدہ خلافی کی ہے۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ پھر تھوڑے عرصہ کے اندر ہی وہ مولوی چوری کے الزام کے نیچے آکر سخت ذلیل ہوا۔

(۹۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت صاحب نے پہلے دن لدھیانہ میں بیعت لی تو اس وقت آپ ایک کمرہ میں بیٹھ گئے تھے اور دروازہ پر شیخ حامد علی کو مقرر کر دیا تھا۔ اور شیخ حامد علی کو کہدیا تھا کہ جسے میں کہتا جاؤں اسے کمرہ کے اندر بلاتے جاؤ چنانچہ آپ نے پہلے حضرت خلیفہ اول کو بلوایا ان کے بعد میر عباس علی کو پھر میاں محمد حسین مراد آبادی خوشنویس کو اور چوتھے نمبر پر مجھکو اور پھر ایک یا دو اور لوگوں کو نام لیکر اندر بلایا پھر اس کے بعد شیخ حامد علی کو کہدیا کہ خود ایک ایک آدمی کو اندر داخل کرتے جاؤ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اوائل میں حضور ایک ایک کی الگ الگ بیعت لیتے تھے لیکن پھر بعد میں اکٹھی لینے لگ گئے۔ اور میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا کہ پہلے دن جب آپنے بیعت لی تو وہ تاریخ ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ ہجری مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء تھی اور اس وقت بیعت کے الفاظ یہ تھے "آج میں احمدؐ کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں مَیں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہوں گا اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کے لذات پر مقدم رکھونگا اور ۱۲ رجنوری کے دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہونگا اور اب بھی اپنے گذشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنبی فانہ لا یغفر

25

الذنوب الا انت"۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر مصافحہ کے طریق پر بیعت کنندگان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے تھے لیکن بعض لوگوں سے آپنے پنجہ کے اوپر کلائی پر سے بھی ہاتھ پکڑ کر بیعت لی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے کہ میری بیعت آپ نے اسی طرح لی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ بیعت اولیٰ کے دن مولوی عبد الکریم صاحب بھی وہیں موجود تھے مگر انہوں نے اس دن بیعت نہیں کی +

(۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ لدھیانہ میں پہلی دفعہ بیعت لیکر یعنے ابتداء ۱۸۸۹ء میں حضرت صاحب علیگڑھ تشریف لیگئے ہیں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ حضرت صاحب سید تفضل حسین صاحب تحصیل دار کے مکان پر ٹھہرے جو ان دنوں دفتر ضلع میں سپرنٹنڈنٹ تھے وہاں ایک تحصیل دار نے جو سید صاحب کا واقف تھا حضرت صاحب کی دعوت کی اور شہر کے دوسرے معززین کو بھی مدعو کیا۔ حضور تشریف لے گئے اور ہم تینوں کو حسب عادت اپنے دائیں بائیں بٹھایا۔ تحصیلدار صاحب نے کھانے کے لئے چوکیوں یعنے چھوٹے چھوٹے تخت پوشوں کا انتظام کیا تھا جن پر کھانا رکھا گیا اور لوگ ان کے اردگرد بیٹھ گئے۔ چوکیوں پر کنچ کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے۔ جب کھانا شروع ہوا تو میر عباس علی نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت صاحب نے ان سے دریافت کیا میر صاحب آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا یہ نیچریوں کے طریق کا کھانا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں یہ خلاف شرع نہیں ہے۔ میر صاحب نے کہا میرا تو دل نہیں چاہتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا میر صاحب! ہم جو کھاتے ہیں۔ میر صاحب نے کہا حضرت آپ کھائیں میں تو نہیں کھاتا۔ غرض میر عباس علی نے کھانا نہیں کھایا۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ جب عباس علی مرتد ہوا تو مجھے یہ بات یاد آئی کہ وہ تو دراصل اسی وقت سے کٹ چکا تھا۔ نیز میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا کہ علیگڑھ میں لوگوں نے حضرت صاحب سے عرض کرکے حضور کے ایک لیکچر کا انتظام کیا تھا اور حضور نے منظور کر لیا تھا جب اشتہار

ہو گیا اور سب تیاری ہو گئی اور لیکچر کا وقت قریب آیا تو حضرت صاحب نے سید تفضل حسین صاحب سے فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ میں لیکچر نہ دوں اس لئے میں اب لیکچر نہیں دونگا۔ انہوں نے کہا حضور اب تو سب کچھ ہو چکا ہے لوگوں میں بڑی ہتک ہوگی۔ حضرت صاحب نے فرمایا خواہ کچھ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق کریں گے۔ پھر اور لوگوں نے حضرت صاحب سے بڑے اصرار سے عرض کیا مگر حضرت صاحب نے نہ مانا اور فرمایا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے حکم کو چھوڑ دوں اسکے حکم کے مقابل میں میں کسی ذلت کی پروا نہیں کرتا۔ غرض حضرت صاحب نے لیکچر نہیں دیا اور قریباً سات دن وہاں ٹھہر کر واپس لدھیانہ تشریف لے آئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب نے جب پہلے پہل یہ روایت بیان کی تو یہ بیان کیا کہ یہ سفر حضرت صاحب نے ۱۸۸۴ء میں کیا تھا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ سفر میاں (یعنے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کی پیدائش بلکہ ابتدائی بیعت کے بعد ہوا تھا۔ جب میںنے والدہ صاحبہ کی یہ روائت میاں عبداللہ صاحب کے پاس بیان کی تو انہوں نے اپنے خیال کی صحت پر اصرار کیا لیکن آخر ان کو یاد آگیا کہ یہی درست ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ علیگڈھ کے سفر سے حضرت صاحب کا وہ ارادہ پورا ہوا جو حضور نے سفر ہندوستان کے متعلق کیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسی سفر میں مولوی محمد اسماعیل علیگڈھی نے حضور کی مخالفت کی اور آخر آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی مگر جلد ہی اس جہان سے گذر گیا +

(۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ غالباً یہ ۱۸۸۴ء کی بات ہے کہ ایک دفعہ ماہ جیٹھ یعنی مئی جون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں نماز فجر پڑھکر اس کے ساتھ والے غسل خانہ میں جو تازہ پلستر ہونے کی وجہ سے ٹھنڈا تھا ایک چارپائی پر جو وہاں بچھی رہتی تھی جا لیٹے۔ چارپائی پر بستر اور تکیہ وغیرہ کوئی نہ تھا۔ حضرت کا سر قبلہ کی طرف اور منہ شمال کی طرف تھا۔ ایک کہنی آپنے سر کے نیچے بطور تکیہ کے رکھ لی اور دوسری اسی صورت میں سر کے اوپر ڈھانک لی۔ میں پاؤں

36

دبانے بیٹھ گیا۔ وہ رمضان کا مہینہ تھا اور ستائیس تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا اسلئے میں
دل میں بہت مسرور تھا کہ میرے لئے ایسے مبارک موقعے جمع ہیں۔ یعنے حضرت صاحب جیسے
مبارک انسان کی خدمت کر رہا ہوں وقت فجر کا ہے جو مبارک وقت ہے مہینہ رمضان کا ہے
جو مبارک مہینہ ہے تاریخ ستائیس اور جمعہ کا دن ہے اور گذشتہ شب شب قدر تھی کیونکہ مینے
حضرت صاحب سے سُنا ہوا تھا کہ جب رمضان کی ستائیس تاریخ اور جمعہ مِلجاویں تو وہ رات یقیناً
شب قدر ہوتی ہے۔ میں انہی باتوں کا خیال کرکے دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ حضرت صاحب
کا بدن یکلخت کانپا اور اسکے بعد حضور نے آہستہ سے اپنے اوپر کی کہنی ذرا ہٹا کر میری طرف
دیکھا اس وقت مینے دیکھا کہ حضرت صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اس کو بعد آپ
پھر اُسی طرح لیٹ گئے۔ میں دباتے دباتے حضرت صاحب کی پنڈلی پر آیا تو مینے دیکھا کہ حضور
کے پاؤں پر ٹخنے کے نیچے ایک اٹن یعنے سخت سی جگہ تھی اسپر سرخی کا ایک قطرہ پڑا تھا جو
ابھی تازہ گرے ہونے کی وجہ سے بستہ تھا۔ مینے اسے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی لگا کر
دیکھا کہ کیا ہے۔ اسپر وہ قطرہ ٹخنے پر بھی پھیل گیا اور میری انگلی پر بھی لگ گیا۔ پھر میں نے
اسے سونگھا کہ شاید اس میں کچھ خوشبو ہو مگر خوشبو نہیں تھی۔ میں نے اسے اسلئے سونگھا تھا کہ
اسی وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ یہ کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بات ہے اسلئے اس میں
کوئی خوشبو ہوگی۔ پھر میں دباتا دباتا پسلیوں کے پاس پہنچا وہاں میں نے اسی سرخی کا ایک اور
بڑا قطرہ دیکھا۔ اسکو بھی میں نے ٹٹولا تو وہ بھی گیلا تھا۔ اس وقت پھر مجھے حیرانی سی ہوئی
کہ یہ سرخی کہاں سے آگئی ہے۔ پھر میں چارپائی سے آہستہ سے اٹھا کہ حضرت صاحب جاگ
نہ اُٹھیں اور پھر اس کا نشان تلاش کرنا چاہا کہ یہ سرخی کہاں سے گری ہے۔ بہت چھوٹا سا
حجرہ تھا چھت میں اردگرد مینے اس کی خوب تلاش کی، مگر خارج میں مجھے اس کا کہیں پتہ نہیں
چلا کہ کہاں سے گری ہے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ کہیں چھت پر کسی چھپ کلی کی دم کٹی ہو تو
اس کا خون گرا ہو اسلئے مینے غور کے ساتھ چھت پر بھی نظر ڈالی مگر اس کا کوئی نشان نہیں
پایا۔ پھر آخر میں تھک کر بیٹھ گیا اور بدستور دبانے لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب
اُٹھکر بیٹھ گئے اور پھر حجرہ میں سے نکلکر مسجد میں جاکر بیٹھ گئے۔ میں وہاں پیچھے بیٹھ کر آپ کے

مونڈھے و بائے لگ گیا۔ اس وقت مینے عرض کیا کہ حضور یہ آپ پر سرخی کہاں سے گری ہے؟ حضور نے بہت بے توجہی سے فرمایا کہ آموں کا رسا ہوگا اور مجھے ٹال دیا۔ مینے دوبارہ عرض کیا کہ حضور یہ آموں کا رسا نہیں یہ تو سرخی ہے۔ اس پر آپ نے سر مبارک کو تھوڑی سی حرکت دیکر فرمایا "کتھے ہے"؟ یعنے کہاں ہے؟ مینے کرتہ پر وہ نشان دکھا کر کہا کہ یہ ہے اس پر حضور نے کرتے کو سامنے کی طرف کھینچکر اور اپنے سر کو ادھر پھیر کر اس قطرہ کو دیکھا۔ پھر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ رویت باری اور امور کشوف کے خارج میں وجود پانے کے متعلق پہلے بزرگوں کے دو ایک واقعات مجھے سنائے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی ہستی وراء الوراء ہے اسکو یہ آنکھیں دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں البتہ اسکے بعض صفات جمالی یا جلالی متمثل ہوکر بزرگوں کو دکھائی دے جاتے ہیں۔ شاہ عبد القادر صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے کئی دفعہ خدا تعالیٰ کی زیارت اپنے والد کی شکل میں ہوئی ہے نیز شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور خدا تعالےٰ نے مجھے ایک ہلدی کی گٹھی دی کہ یہ میری معرفت ہے اسے سنبھال کر رکھنا جب وہ بیدار ہوئے تو ہلدی کی گٹھی ان کی مٹھی میں موجود تھی۔ اور ایک بزرگ جن کا حضور نے نام نہیں بتایا تہجد کے وقت اپنے حجرہ کے اندر بیٹھے مصلیٰ پر کچھ پڑھ رہے تھے کہ انہوں نے کشف میں دیکھا کہ کوئی شخص باہر سے آیا ہے اور ان کے نیچے کا مصلیٰ نکال کر لے گیا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ فی الواقع مصلیٰ ان کے نیچے نہیں تھا۔ جب دن نکلنے پر حجرہ سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مصلیٰ صحن میں پڑا ہے۔ یہ واقعات سنا کر حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ کشف کی باتیں تھیں مگر خدا تعالےٰ نے ان بزرگوں کی کرامت ظاہر کرنے کے لئے خارج میں بھی ان کا وجود ظاہر کر دیا۔ اب ہمارا قصہ سنو۔ جس وقت تم حجرہ میں ہمارے پاؤں دبا رہے تھے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وسیع اور مصفیٰ مکان ہے اس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک شخص حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ احکم الحاکمین یعنے رب العٰلمین ہیں اور میں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے حاکم کا کوئی سررشتہ دار ہوتا ہے۔ میں نے کچھ احکام قضا و قدر کے متعلق لکھے ہیں اور ان پر دستخط کرانے کی غرض سے ان کے پاس

لے چلا ہوں۔ جب میں پاس گیا تو انہوں نے مجھے نہائت شفقت سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھالیا۔ اسوقت میری ایسی حالت ہوگئی کہ جیسے ایک بیٹا اپنے باپ سے بچھڑا ہوا سالہا سال کے بعد ملتا ہے اور قدرتًا اس کا دل بھر آتا ہے یا شائد فرمایا اسکو رقت آجاتی ہے اور میرے دل میں اس وقت یہ بھی خیال آیا کہ احکم الحاکمین یا فرمایا رب العالمین ہیں اور کس محبت اور شفقت سے انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھالیا ہے۔ اسکے بعد مینے وہ احکام جو لکھے تھے دستخط کرانے کی غرض سے پیش کئے۔ انہوں نے قلم سرخی کی دوات میں جو پاس پڑی تھی ڈبویا اور میری طرف جھاڑ کر دستخط کر دیئے۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے قلم کے جھاڑنے اور دستخط کرنے کی حرکتوں کو خود اپنے ہاتھ کی حرکت سے بتایا تھا کہ یوں کیا تھا۔ پھر حضرت صاحب نے فرمایا یہ وہ سرخی ہے جو اس قلم سے نکلی ہے۔ پھر فرمایا دیکھو کوئی قطرہ تمہارے اوپر بھی گرا۔ مینے اپنے کرتے کو ادھر ادھر سے دیکھکر عرض کیا کہ حضور میرے پر تو کوئی نہیں گرا۔ فرمایا کہ تم اپنی ٹوپی پر دیکھو۔ ان دنوں میں ململ کی سفید ٹوپی میرے سر پہ ہوتی تھی مینے وہ ٹوپی اتار کر دیکھی تو ایک قطرہ اس پر بھی تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور مینے عرض کیا حضور میری ٹوپی پر بھی ایک قطرہ ہے۔ پھر میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ یہ کرتہ بڑا مبارک ہے اس کو تبرکًا لے لینا چاہئے۔ پہلے مینے اس خیال سے کہ کہیں حضور جلدی انکار نہ کر دیں حضور سے مسئلہ پوچھا کہ حضور کسی بزرگ کا کوئی تبرک کپڑے وغیرہ کا لیکر رکھنا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہ نے رکھے تھے۔ پھر مینے عرض کیا کہ حضور خدا کے واسطے میرا ایک سوال ہے۔ فرمایا کہو کیا ہے؟ عرض کیا کہ حضور یہ کرتہ تبرکًا مجھے دیدیں۔ فرمایا نہیں یہ تو ہم نہیں دیتے۔ مینے عرض کیا حضور نے ابھی تو فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہ نے رکھے۔ اسپر فرمایا کہ یہ کرتہ میں اسواسطے نہیں دیتا کہ میرے اور تیرے مرنے کے بعد اس سے شرک پھیلیگا اس کی لوگ پوجا کرینگے اسکو لوگ زیارت بنالیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے شرک نہ پھیلا۔ فرمایا میاں عبد اللہ در اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبرکات جن صحابہ کے پاس تھے

وہ مرتے ہوئے وصیتیں کر گئے کہ ان تبرکات کو ہمارے کفن کے ساتھ دفن کر دینا چنانچہ
ایسا ہی کیا گیا۔ جو تبرک جس صحابہ کے پاس تھا وہ ان کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ میں نے
عرض کیا کہ حضور میں بھی مرتا ہوا وصیت کر جاؤنگا کہ یہ کرتہ میرے کفن کے ساتھ دفن کر دیا جاوے
فرمایا ہاں اگر یہ عہد کرتے ہو تو لے لو۔ چونکہ وہ جمعہ کا دن تھا تھوڑی دیر کے بعد حضور نے غسل کر کے
کپڑے بدلے اور مینے یہ کرتہ سنبھال لیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ابھی آپنے
یہ کرتہ پہنا ہی ہوا تھا کہ دو تین مہمان جوارد گرد سے آئے ہوئے تھے ان سے میں نے اس نشان
کا ذکر کیا۔ وہ پھر حضرت صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میاں عبداللہ نے ہم سے
ایسا بیان کیا ہے حضور نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ حضور یہ کرتہ ہم کو دیدیں
ہم سب تقسیم کر لینگے کیونکہ ہم سب کا اس میں حق ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہاں لے لینا
اور ان سے کوئی شرط اور عہد وغیرہ نہیں لیا۔ مجھے اس وقت بہت فکر ہوا کہ یہ نشان میرے
ہاتھ سے گیا۔ اور میرے دل میں بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی اسلئے مینے حضرت صاحب سے عرض
کیا کہ حضور اس کرتہ پر آپکا کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ میری ملک ہو چکا ہے۔ میرا اختیار ہے میں انکو
دوں یا نہ دوں کیونکہ میں حضور سے اس کو لے چکا ہوں۔ اس وقت حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ
ہاں یہ تو میاں عبداللہ ہم سے لے چکے ہیں اب ان کا اختیار ہے یہ تمہیں دیں یا نہ دیں۔ پھر انہوں نے
مجھ سے بڑے اصرار سے مانگا مگر مینے انکار کر دیا۔ میاں عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج تک اس
کرتہ پر سرخی کے ویسے ہی داغ موجود ہیں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور اس کرتہ کے کپڑے کو پنجابی
میں نینو کہتے ہیں۔ یہ کرتہ حضور نے سات دن سے پہنا ہوا تھا۔ میں یہ کرتہ پہلے لوگوں کو نہیں
دکھایا کرتا تھا کیونکہ حضور کے یہ الفاظ کہ یہ کرتہ زیارت نہ بنا لیا جاوے مجھے یاد رہتے تھے۔
لیکن لوگ بہت خواہش کیا کرتے تھے اور لوگ اس کے دیکھنے کے لئے مجھے بہت تنگ کرنے لگ
مینے حضرت خلیفہ ثانی سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے حضرت صاحب کے الفاظ کی وجہ سے اس کرتہ
کے دکھلانے سے کراہت آتی ہے مگر لوگ تنگ کرتے ہیں کیا کیا جاوے؟ حضرت میاں صاحب
نے فرمایا اسے بہت دکھایا کرو اور کثرت کے ساتھ دکھاؤ تا کہ اس کی رویت کے گواہ بہت پیدا
ہو جاویں اور ہر شخص ہماری جماعت میں سے یہ کہے کہ میں نے بھی دیکھا ہے مینے بھی دیکھا ہے

38

بیٹے بھی دیکھا ہے یا شائد میںنے کی جگہ ہمنے کے الفاظ کہے۔ اسکے بعد میں دکھانے لگ گیا۔ مگر اب بھی صرف اُسکو دکھاتا ہوں جو خواہش کرتا ہے۔ اور از خود دکھانے سے مجھے کراہت ہے کیونکہ حضرت صاحب کے الفاظ میرے دل پر نقش ہیں۔ اور ہر سفر میں میں اسے پاس رکھتا ہوں اس خیال سے کہ کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جان نکلجاوے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میںنے یہ کرتہ دیکھا ہے سرخی کا رنگ ہلکا ہے یعنے گلابی سا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ ابتدا سے ہی ایسا چلا آیا ہے +

(۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ جب میں ۱۸۸۲ء میں پہلے پہل قادیان آیا تو اس وقت میری عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی اور میری ایک شادی ہو چکی تھی اور دوسری کا خیال تھا جس کے متعلق میںنے بعض خوابیں بھی دیکھی تھی میں نے ایک دن حضرت صاحب کے ساتھ ذکر کیا کہ مجھے ایسی ایسی خوابیں آئی ہیں حضرت صاحب نے فرمایا یہ تمہاری دوسری شادی کے متعلق ہیں اور فرمایا مجھے بھی اپنی دوسری شادی کے متعلق الہام ہوئے ہیں۔ دیکھیئے تمہاری شادی پہلے ہوتی ہے کہ ہماری۔ میںنے ادب کے طور پر عرض کیا کہ حضور ہی کی پہلے ہوگی۔ پھر اسکے بعد مجھے اپنے ایک رشتہ کے ماموں محمد اسماعیل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کا خیال ہو گیا چنانچہ میںنے قادیان آکر حضرت صاحب کے ساتھ اسکا ذکر کیا۔ اس سے پہلے میرے ساتھ اسماعیل مذکور بھی ایکدفعہ قادیان ہو گیا تھا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا تم نے اس وقت کیوں نہ مجھ سے ذکر کیا جب اسماعیل یہاں آیا تھا ہم اسے یہیں تحریک کرتے۔ پھر آپنے میرے ماموں محمد یوسف صاحب مرحوم کو جو حضرت صاحب کے بڑے معتقد تھے اور جن کے ذریعہ مجھے حضرت صاحب کی طرف رہنمائی ہوئی تھی خط لکھا اور اس میں اسماعیل کے نام بھی ایک خط ڈالا اور لکھا کہ اسماعیل کے نام کا خط اسکے پاس لے جائیں اور اسے تحریک کریں۔ اور اس خط میں میرے والد اور دادا اور خسر کی طرف بھی حضور نے خطوط ڈالکر بھیجے اور ان سب خطوط کو اہم بنانے کے لئے ان پر الیس اللہ بکاف عبدہٗ والی مہر لگائی اور میرے والد اور دادا اور خسر کے خط میں لکھا کہ میاں عبد اللہ دینی غرض سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں ان کو نہ روکیں اور ان پر راضی رہیں۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے ایسا اسلئے لکھا تھا کہ میںنے حضور کو کہا تھا کہ میں اپنے والد اور دادا سے اس امر کے متعلق کھلکر ذکر

نہیں کیا مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں اس میں روک نہ ہوں کیونکہ اس زمانہ میں نکاح ثانی کو بُرا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت صاحب نے ادھر یہ خطوط لکھے اور ادھر میرے واسطے دعا شروع فرمائی۔ ابھی میرے ماموں محمدؐ یوسف صاحب کا جواب نہیں آیا تھا اور حضرت صاحب میری تحریک پر اس امر کے واسطے دعا میں مصروف تھے کہ عین دعا کرتے کرتے حضرت صاحب کو الہام ہوا "ناکامی" پھر دعا کی تو الہام ہوا "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" پھر اسکے بعد ایک اور الہام ہوا "فصبر جمیل" حضرت صاحب نے مجھے یہ الہام بتادیئے۔ ان دنوں میں میر عباس علی بھی یہاں آئے ہوئے تھے ان سے حضرت صاحب نے ان الہامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ معلوم نہیں میاں عبداللہ صاحب کا ہمارے ساتھ کیسا تعلق ہے کہ ادھر دعا کرتا ہوں اور ادھر اللہ تعالیٰ کیطرف سے جواب ملجاتا ہے۔ چند دنوں کے بعد میاں محمد یوسف صاحب کا جواب آگیا کہ میاں عبداللہ کے والد اور دادا اور خسر تو راضی ہو گئے ہیں مگر اسماعیل انکار کرتا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اب ہم اسماعیل کو خود کہینگے۔ مینے عرض کیا کہ حضور ادھر اللہ تعالیٰ کیطرف سے ناکامی کا الہام ہوا ہے ادھر اسمٰعیل انکاری ہے اب اس معاملہ میں کیا کامیابی کی صورت ہو سکتی ہے؟ فرمایا نہیں قرآن شریف میں ہے کل یوم ھو فی شان یعنی ہر دن اللہ تعالیٰ الگ شان میں ہوتا ہے پس کوشش نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے الہامات کا یہ منشا ہو کہ جس طریق پر کوشش کیگئی ہے اس میں ناکامی ہے اور کسی اور طریق پر کامیابی مقدر ہو۔ چنانچہ اسکے بعد بدستور میرا اس کی طرف خیال رہا اور میں حضور سے دعائیں بھی کراتا رہا۔ اسماعیل ان دنوں میں سرہند کے پاس پٹواری تھا اور سرہند میں حشمت علیخان صاحب تحصیلدار تھے۔ جو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے قریبی تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب سے وعدہ لیا ہوا تھا کہ کبھی حضور سرہند تشریف لے چلینگے۔ چنانچہ جب آپ انبالہ جانے لگے تو مجھے کہا کہ حشمت علی خاں صاحب کو لکھدو کہ ہم انبالہ جاتے ہوئے سرہند آئیں گے۔ اور مجھے حضرت صاحب نے فرمایا کہ سرہند میں مجدّد صاحب کے روضہ پر بھی ہو آئینگے اور اسماعیل سے بھی تمہارے متعلق بات کرنے کا موقعہ ملجائیگا۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور تحصیل میں حشمت علی خانصاحب کے پاس ٹھیرے۔ رات کو جب نماز اور کھانے سے فراغت ہو چکی تو حضور چارپائی پر لیٹ گئے اور حشمت علیخان صاحب سے فرمایا تحصیلدار صاحب اب آپ آرام کریں۔ ہمنے میاں اسماعیل سے کچھ علیحدگی میں بات

کرنی ہے اس پر وہ اور ان کے ساتھی اُٹھ گئے اور میں بھی اُٹھ آیا۔ اسوقت اسماعیل حضرت صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا۔ پھر حضرت صاحب نے اسماعیل کو میرے متعلق کہا مگر اسنے انکار کیا اور کئی عذر کردیئے کہ دو بیویوں میں جھگڑے ہوا کرتے ہیں نیز یہ کہ عبداللہ کی تنخواہ بہت قلیل ہے (اسوقت میری تنخواہ ساڑھے چار روپے ماہوار تھی) گذارہ کس طرح ہوگا اور میاں عبداللہ کے خُسر میرے قریبی ہیں ان کو ملال ہوگا وغیرہ۔ حضرت صاحب نے فرمایا ان سب باتوں کا میں ذمہ لیتا ہوں مگر اسنے پھر بھی نہیں مانا اور عذر کیا کہ میری بیوی نہیں مانیگی حضرت صاحب فرماتے تھے کہ مینے خدا اور اسکے رسول کا حکم پیش کیا اور اپنی طرف سے بھی کہا مگر اسنے انکار کیا گویا اس کا خدا اس کا رسول اور اس کا پیر سب اسکی بیوی ہے کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں تو جو وہ کہیگی وہی کرونگا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ابھی مینے اسمٰعیل سے بات شروع نہیں کی تھی کہ مجھے کشف ہوا تھا کہ اسنے میرے بائیں ہاتھ پر دست پھر دیا ہے نیز مینے کشف میں دیکھا تھا کہ اسکی شہادت کی انگلی کٹی ہوئی ہے اسپر میں سمجھ گیا تھا کہ یہ اس معاملہ میں مجھے نہائت گندے جواب دیگا۔ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ اس کا جواب سنکر مجھے اس سے ایسی نفرت ہوئی کہ دل چاہتا تھا کہ یہ ابھی اُٹھ جاوے اور پھر کبھی تا زیست میرے سامنے نہ آوے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں اسکے بعد اسماعیل نے اپنی لڑکی کی دوسری جگہ شادی کردی جس پر مجھ کو سخت صدمہ پہنچا۔ میری اس حالت کی میرے والد صاحب نے حضرت صاحب کو بذریعہ خط اطلاع دی تو آپ نے مجھے خط لکھا کہ تم کچھ عرصہ کے واسطے تبدیل خیالات کے لئے یہاں میرے پاس آجاؤ - مگر اس شادی کے بعد اسماعیل پر بڑی مصیبت آئی۔ اسکے دو جوان لڑکے اور بیوی فوت ہوگئے۔ پھر جب میری دوسری شادی ماسٹر قادر بخش صاحب کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی تو اسمٰعیل بہت پچھتایا اور اسنے مجھے کہا کہ حضرت سے مجھے معافی لے دو۔ مینے حضرت صاحب کو لکھا حضور نے اس کی بیعت قبول فرمالی مگر اسکے بعد بھی اسمٰعیل کو حضرت صاحب کی ملاقات نصیب نہیں ہوئی۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ میرے متعلق جو حضرت صاحب نے اپنے نشانات کے ذکر میں لکھا ہے کہ مجھے دکھایا گیا تھا کہ میاں عبداللہ کو ایک معاملہ میں ناکامی ہوگی سو ایسا ہی ہوا وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضور نے اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی نشان نمبر ۵۵

میں میاں عبد اللہ صاحب کی اس ناکامی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میرے ماموں اسماعیل کی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو گیا تو مینے ایک اور جگہ تجویز کی اور سب باتوں کا تصفیہ کر کے حضرت صاحب کو خط لکھا کہ مینے ایک جگہ شادی کی تجویز کرلی ہے اور سب باتوں کا فیصلہ ہو چکا ہے اور تاریخ نکاح بھی مقرر ہو چکی ہے اب حضور سے تبرکاً مشورہ پوچھتا ہوں۔ حضرت صاحب نے جواب دیا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے اور تاکید فرمائی کہ ضرور پہلے لڑکی کو دیکھ لو۔ خط ختم کرنے کے بعد پھر لکھا کہ میری اس بات کو خوب یاد رکھنا۔ چنانچہ میں ارشاد کے مطابق لڑکی کو دیکھنے کے لئے اس کے گاؤں گیا تو دیکھتے ہی میرے دل میں اتنی کراہت پیدا ہوئی کہ قریب تھا کہ قے ہو جاتی حالانکہ لڑکی شکل کی خراب نہیں تھی۔ اسکے بعد لدھیانہ کی ایک معلمہ کے ساتھ تجویز ہوئی مگر حضرت صاحب نے اسے بھی پسند نہیں فرمایا۔ اسکے بعد مینے ماسٹر قادر بخش صاحب کی ہمشیرہ کا ذکر کیا تو فرمایا یہ بہت اچھا موقعہ ہے یہاں کرلو۔ چنانچہ حضور نے میری گذارش پر خود ماسٹر قادر بخش صاحب سے میرے متعلق کہا انہوں نے بلا عذر قبول کرلیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میری صرف ساڑھے چار روپے تنخواہ ہے اور بیوی بچے بھی ہیں۔ قبول کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ حضور میرا باپ بڑا مخالف ہے مگر وہ بغیر میری مرضی کے کچھ نہیں کر سکتا۔ بس یا تو میں اُسے راضی کرلونگا اور یا جب وہ مر جائیگا تو شادی کر دونگا۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور پھر مجھے باغ کیطرف لیگئے اور رستہ میں مجھے ان کا جواب سنایا اور باپ کے مرنے کے الفاظ سنا کر ہنسے۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد ماسٹر قادر بخش صاحب کو اپنے باپ کی طرف سے بہت تکلیفیں دیکھنی پڑیں مگر انہوں نے اپنی ہمشیرہ کی شادی دوسری جگہ نہیں ہونے دی اور آخر میرے ساتھ اپنی بہن کی خفیہ شادی کر دی۔ نکاح کے وقت مینے ان کو کہا کہ جو تحریر یا شرائط وغیرہ مجھ سے لکھانی ہوں لکھا لو انہوں نے کہا شرائط کیسی میری تحریر اور میری شرائط سب حضرت صاحب ہیں۔ پھر مہر کے متعلق مینے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ سو پینتیس روپے مہر ہوگا۔ مینے کہا نہیں بلکہ ایک سو روپیہ ہونا چاہئے مگر انہوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا اسپر مینے ان کو کہا کہ مجھے خواب آیا تھا

کہ میرا دوسرا نکاح ہوا ہے اور مہر ایک سو روپیہ رکھا گیا ہے اسپر انہوں نے مان لیا۔ پھر ختنانہ بھی خفیہ ہوا۔ لیکن آخر ماسٹر قادر بخش صاحب کا والد بھی راضی ہو گیا۔ نیز میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ جب حضرت صاحب سرہند تشریف لیگئے تھے تو اسی سفر میں تھوڑی دیر کیلئے سنور بھی گئے تھے +

(۱۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول بیان کیا کرتے تھے کہ جب میں پہلی دفعہ قادیان آیا تو یہاں چھوٹی مسجد کے پاس جو چوک ہے اس میں یکہ پر سے اترا۔ اور پھر مینے یکہ والے سے یا شائد فرمایا کسی سے پوچھا کہ مرزا صاحب کہاں ہیں۔؟ اس وقت مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین اپنے صحن میں چارپایوں پر مجلس لگائے بیٹھے تھے اسنے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ ہیں۔ مینے ادھر دیکھا تو میرا دل بیٹھ گیا اور مینے یکہ والے سے کہا ابھی نہ جاؤ ذرا ٹھہر جاؤ شائد مجھے ابھی واپس جانا پڑے۔ پھر میں آگے بڑھکر اس مجلس میں گیا لیکن میرے دل پر ایسا اثر تھا کہ میں جاکر بغیر سلام کئے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ مرزا امام الدین یا شاید فرمایا مرزا نظام الدین نے میرا نام پوچھا مینے بتایا تو انہوں نے کہا کہ آپ شائد مرزا صاحب کو ملنے آئے ہیں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے تب میری جان میں جان آئی کہ یہاں کوئی اور مرزا بھی ہے۔ پھر میرے ساتھ انہوں نے ایک آدمی کر دیا جو مجھے چھوٹی مسجد میں چھوڑ گیا۔ اس وقت حضرت صاحب مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے آپ کو اطلاع کرائی گئی تو فرمایا۔ میں ظہر کی نماز کے وقت باہر آؤنگا۔ پھر حضور تشریف لائے تو میں ملا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب براہین احمدیہ کے زمانہ میں یہاں آئے تھے۔ اور مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب نے کہیں لکھا ہے کہ میں دعا کیا کرتا تھا کہ خدا مجھے موسیٰ کی طرح ہارون عطا کرے پھر جب مولوی صاحب آئے تو مینے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ھٰذا دعائی +

(۱۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا کرتے تھے حضرت خلیفہ اول کہ جب میں جموں کی ملازمت سے فارغ ہو کر بھیرہ آیا تو مینے بھیرہ میں ایک بڑا مکان تعمیر کرانا شروع کیا اور اس کے واسطے کچھ سامان عمارت خریدنے کے لئے لاہور آیا۔ لاہور آکر مجھے خیال آیا کہ چلو

قادیان بھی ایک دن ہوتے آویں۔ خیر میں یہاں آیا حضرت صاحب سے ملا تو حضور نے فرمایا مولوی صاحب اب تو آپ ملازمت سے فارغ ہیں امید ہے کچھ دن یہاں ٹھیرینگے۔ مینے عرض کیا ہاں حضور ٹھیرونگا۔ پھر چند دن کے بعد فرمانے لگے مولوی صاحب آپکو اکیلے تکلیف ہوتی ہوگی اپنے گھر والوں کو بھی یہاں بلالیں۔ مینے گھر والوں کو بھیرہ خط لکھدیا کہ عمارت بند کرا دو اور یہاں چلے آؤ۔ پھر ایک موقعہ پر حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب اب آپ اپنے پچھلے وطن بھیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں دل میں بہت ڈرا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں وہاں کبھی نہ جاؤں مگر یہ کس طرح ہوگا کہ میرے دل میں بھی بھیرہ کا خیال نہ آوے مگر مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا کا ایسا فضل ہوا کہ آجتک میری دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ بھیرہ بھی میرا وطن ہوتا تھا۔

(۱۰۱/۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہماری جتنی عربی تحریریں ہیں یہ سب ایک رنگ کی الہامی ہیں کیونکہ سب خدا کی خاص تائید سے لکھی گئی ہیں۔ فرماتے تھے بعض اوقات میں کئی الفاظ اور فقرے لکھ جاتا ہوں مگر مجھے ان کے معنے نہیں آتے پھر لکھنے کے بعد لغت دیکھتا ہوں تو پتہ لگتا ہے۔ نیز مولوی صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب عربی کتابوں کی کاپیاں اور پروف حضرت خلیفہ اول اور مولوی محمد احسن صاحب کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی جگہ اصلاح ہوسکے تو کردیں۔ حضرت خلیفہ اول تو پڑھکر اسی طرح واپس فرمادیتے تھے لیکن مولوی محمد احسن صاحب بڑی محنت کرکے اس میں بعض جگہ اصلاح کے طریق پر لفظ بدل دیتے تھے۔ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے ایک وقت فرمایا کہ مولوی محمد احسن صاحب اپنی طرف سے تو اصلاح کرتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا لکھا ہوا لفظ زیادہ برمحل اور فصیح ہوتا ہے اور مولوی صاحب کا لفظ کمزور ہوتا ہے لیکن میں کہیں کہیں انکا لکھا ہوا لفظ بھی رہنے دیتا ہوں تا ان کی دل شکنی نہ ہو کہ ان کے لکھے ہوئے سب الفاظ کاٹ دیئے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا قاعدہ تھا کہ عربی کتب کی کاپیاں اور پروف سلسلہ کے علماء کے پاس یہ کہکر بھجوا دیتے تھے

کہ دیکھو کوئی اصلاح ہو سکے تو کر دو۔ اور اس کارروائی سے مطلب آپکا یہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس طریق سے حضور کی تصانیف پڑھ لیں اور حضور کی تعلیم اور سلسلہ سے واقف رہیں۔ خاکسار کا اپنا خیال ہے کسی روایت پر مبنی نہیں۔

(۱۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود نے جن دنوں میں ایا ارض مد قد دفاک مد مرّ والا قصیدہ اعجاز احمدی لکھا تو اسے دوبارہ پڑھنے پر باہر آکر حضرت خلیفہ اول سے دریافت فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کیا اَیَا بھی ندا کیلئے آتا ہے؟ عرض کیا گیا ہاں حضور بہت مشہور ہے۔ فرمایا شعر میں لکھا گیا ہو ہمیں خیال نہیں تھا۔ نیز حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ کئی دفعہ حضور فرماتے تھے کہ بعض الفاظ خود بخود ہمارے قلم سے لکھے جاتے ہیں اور ہمیں ان کے معنی معلوم نہیں ہوتے حافظ صاحب کہتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت صاحب سے ایسا محاورہ لکھا جاتا تھا کہ جس کا عام لغت میں بھی استعمال نہ ملتا تھا لیکن پھر بہت تلاش سے پتہ چل جاتا تھا۔

(۱۰۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علیخان صاحب نے کہ جب کرم دین کے مقدمہ کیلئے حضرت صاحب گورداسپور میں تھے تو وہاں آپ کے پاس الہ آباد کے تین غیر احمدی مہمان آئے جن میں سے ایک کا نام مولوی الٰہی بخش تھا۔ ان کی حضرت صاحب سے گفتگو ہوتی رہی، آخر وہ قائل ہو گئے۔ ایک دفعہ جب حضرت صاحب مکان کے صحن میں ٹہل رہے تھے اور مولوی الٰہی بخش صاحب بھی ساتھ ساتھ پھرتے تھے مولوی الٰہی بخش صاحب نے حضرت صاحب سے کہا کہ اگر میں نے بیعت کر لی تو میرے ساتھ اور بہت سے لوگ بیعت کرینگے۔ حضرت صاحب چلتے چلتے ٹھہر گئے اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا مجھے کیا پروا ہے یہ خدا کا کام ہے وہ خود لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر میرے پاؤں پر گرائیگا۔ اور گرا رہا ہے۔ خان صاحب کہتے تھے کہ مولوی الٰہی بخش صاحب نے یہ الفاظ ایسے طریق پر کہے تھے جس میں کچھ احسان پایا جاتا تھا۔ خان صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرے دن جب مولوی صاحب اور ان کے ساتھی واپس جانے لگے تو حضرت صاحب سے ملنے آئے۔ میں بھی وہیں تھا۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہئے مولوی صاحب اب کوئی اعتراض تو باقی نہیں رہا۔ مولوی صاحب نے

کہا نہیں میری تسلی ہوگئی ہے۔ مینے کہا تو پھر بیعت ؟۔ حضرت صاحب نے فرمایا خان صاحب یہ کہنا آپکا حق نہیں ہے۔ ہمارا کام پہنچا دینا ہے آگے ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ خیر وہ واپس چلے گئے۔ تیسرے چوتھے دن حضرت صاحب قادیان آئے اور میں بھی آیا تو حضور نے مجھے بلاکر مسکراتے ہوئے اپنے رومال سے ایک پوسٹ کارڈ کھولا اور میری طرف پھینکا اور فرمایا تحصیلدار صاحب! آپ جلدی کرتے تھے لیجئے ان کا خط آگیا ہے۔ مینے خط دیکھا تو مولوی الٰہی بخش صاحب کا تھا اور پنسل سے لکھا ہوا تھا جو انہوں نے رستہ میں لکھنؤ سے بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ مینے ریل میں بیٹھے ہوئے خیال کیا کہ اب جبکہ مجھ پر حق کھل گیا ہے تو اگر میں رستہ میں ہی مرجاؤں تو خدا کو کیا جواب دونگا اسلئے میں حضور کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہوں میری بیعت قبول فرمائی جاوے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب آدمی الگ ہوتا ہے تو پھر اسے سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے اور گذشتہ باتوں پر غور کرکے وہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے +

(۱۰۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین کے ساتھ مقدمہ تھا اور مجسٹریٹ نے تاریخ ڈالی ہوئی تھی اور حضرت صاحب قادیان آئے ہوئے تھے حضور نے تاریخ سے دو روز پہلے مجھے گورداسپور بھیجا۔ کہ میں جاکر وہاں بعض حوالے نکالکر تیار کر رکھوں کیونکہ اگلی پیشی میں حوالے پیش ہونے تھے۔ میرے ساتھ شیخ حامد علی اور عبدالرحیم نائی باورچی کو بھی حضور نے گورداسپور بھیجدیا جب ہم گورداسپور مکان پر آئے تو نیچے سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم کو آواز دی کہ وہ نیچے آویں اور دروازہ کھولیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس وقت مکان میں اوپر ٹھیرے ہوئے تھے۔ ہمارے آواز دینے پر ڈاکٹر صاحب نے بے تاب ہوکر رونا اور چلاّنا شروع کردیا ہمنے کئی آوازیں دیں مگر وہ اسیطرح روتے رہے آخر تھوڑی دیر کے بعد وہ آنسو پونچھتے ہوئے نیچے آئے ہم نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس محمد حسین منشی آیا تھا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ محمد حسین مذکور گورداسپور میں کسی کچہری میں محرر یا پیشکار تھا اور سلسلہ کا سخت مخالف تھا۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے ملنے والوں میں سے تھا۔ خیر ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا کہ محمد حسین منشی آیا اور اسنے مجھے کہا کہ آجکل یہاں آریوں کا جلسہ ہوا ہے۔ بعض آریے

اپنے دوستوں کو بھی جلسہ میں لے گئے تھے چنانچہ اسی طرح میں بھی وہاں چلا گیا۔ جلسہ کی عام کارروائی کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ اب جلسہ کی کارروائی ہو چکی ہے اب لوگ چلے جاویں کچھ ہم نے پرائیویٹ باتیں کرنی ہیں چنانچہ سب غیر لوگ اُٹھ گئے۔ میں بھی جانے لگا مگر میرے آریہ دوست نے کہا کہ اکٹھے چلیں گے آپ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاویں۔ یا باہر انتظار کریں چنانچہ میں وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا پھر ان آریوں میں سے ایک شخص اُٹھا اور مجسٹریٹ کو مرزا صاحب کا نام لیکر کہنے لگا کہ یہ شخص ہمارا سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے۔ اب وہ آپکے ہاتھ میں شکار ہے اور ساری قوم کی نظر آپکی طرف ہے اگر آپنے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہونگے اور اسی قسم کی جوش دلانے کی باتیں کیں۔ اس پر مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ میرا تو پہلے سے خیال ہے کہ ہو سکے تو نہ صرف مرزا کو بلکہ اس مقدمہ میں جتنے بھی اس کے ساتھی اور گواہ ہیں سب کو جہنم میں پہنچا دوں مگر کیا کیا جاوے کہ مقدمہ ایسا ہوشیاری سے چلایا جا رہا ہے کہ کوئی ہاتھ ڈالنے کی جگہ نہیں ملتی لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو اس پہلی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی عمل میں لے آؤنگا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ محمد حسین مجھ سے کہتا تھا کہ آپ یہ نہیں سمجھے ہونگے کہ عدالتی کارروائی سے کیا مراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مجسٹریٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ شروع یا دوران مقدمہ میں جب چاہے ملزم کو بغیر ضمانت قبول کئے گرفتار کر کے حوالات میں دیدے۔ محمد حسین نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے سلسلہ کا سخت مخالف ہوں مگر مجھ میں یہ بات ہے کہ میں کسی معزز خاندان کو ذلیل و برباد ہوتے خصوصاً ہندؤں کے ہاتھ سے ذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتا اور میں جانتا ہوں کہ مرزا صاحب کا خاندان ضلع میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ پس مینے آپ کو یہ خبر پہونچا دی ہے کہ آپ اس کا کوئی انتظام کرلیں۔ اور میرے خیال میں دو تجویزیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ چیف کورٹ لاہور میں یہاں سے مقدمہ تبدیل کرانے کی کوشش کیجاوے اور دوسرے یہ کہ خواہ کسی طرح ہو مگر مرزا صاحب اس آئندہ پیشی میں حاضر عدالت نہ ہوں اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کردیں۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو ہم سب بھی سخت خوف زدہ ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ اسیوقت

قادیان کو ئی آدمی روانہ کردیا جاوے جو حضرت صاحب کو یہ واقعات سنادے۔ رات ہو چکی تھی ہم نے یکہ تلاش کیا اور کوئی یکے موجود تھے مگر مخالفت کا اتنا جوش تھا کہ کوئی یکہ نہ ملتا تھا ہمنے چار گنے کرایہ دینا کیا مگر کوئی یکہ والا راضی نہ ہوا آخر ہمنے شیخ حامد علی اور عبد الرحیم باورچی اور ایک تیسرے شخص کو قادیان پیدل روانہ کیا۔ وہ صبح کی نماز کے وقت قادیان پہونچے اور حضرت صاحب سے مختصراً عرض کیا۔ حضور نے بے پروائی سے فرمایا خیر ہم بٹالہ چلتے ہیں خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لاہور سے واپس آتے ہوئے وہاں ہمکو ملیں گے ان سے ذکر کرینگے اور وہاں پتہ لگ جائیگا کہ تبدیل مقدمہ کے متعلق ان کی کوشش کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور بٹالہ آگئے۔ گاڑی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب بھی مل گئے انہوں نے خبر دی کہ تبدیل مقدمہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر حضرت صاحب گورداسپور چلے آئے اور راستہ میں خواجہ صاحب اور مولوی صاحب سے اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جب آپ گورداسپور مکان پر پہونچے تو حسب عادت الگ کمرے میں چارپائی پر جا لیٹے مگر اس وقت ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ حضور نے تھوڑی دیر کے بعد مجھے بلایا۔ میں گیا۔ اسوقت حضرت صاحب نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پنجے ملاکر اپنے سر کے نیچے دیئے ہوئے تھے اور چت لیٹے ہوئے تھے۔ میرے جانے پر ایک پہلو پر ہوکر کہنی کے بل اپنی ہتھیلی پر سر کا سہارا دیکر لیٹ گئے۔ اور مجھ سے فرمایا میں نے آپ کو اسلئے بلایا ہے کہ وہ سارا واقعہ سنوں کیونکہ اسوقت کمرے میں کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ صرف دروازے پر میاں شادی خان کھڑے تھے۔ میں نے سارا قصہ سنایا کہ کس طرح ہمنے یہاں آکر ڈاکٹر اسماعیل خان صاحب کو روتے ہوئے پایا پھر کس طرح ڈاکٹر صاحب نے منشی محمد حسین کے آنے کا واقعہ سنایا اور پھر محمد حسین نے کیا واقعہ سنایا۔ حضور خاموشی سے سنتے رہے جب میں شکار کے لفظ پر پہنچا تو یکلخت حضرت صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپکی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا میں اس کا شکار ہوں! میں شکار نہیں ہوں میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا شیر۔ وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ ایسا کر کے تو دیکھے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آپکی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ کمرے کے باہر کے بھی سب لوگ چونک اٹھے اور حیرت کے ساتھ ادھر متوجہ ہو گئے مگر کمرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔

حضور نے کئی دفعہ خدا کے شیر کے الفاظ دہرائے اور اسوقت آپکی آنکھیں جو ہمیشہ جھکی ہوئی اور نیم بند رہتی تھی واقعی شیر کی آنکھوں کی طرح کھلکر شعلہ کی طرح چمکتی تھیں اور چہرہ اتنا سرخ تھا کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ذلت سے بچاؤنگا اور عزت کے ساتھ بری کرونگا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر تقریر فرمانے لگ گئے اور قریبًا نصف گھنٹہ تک جوش کیساتھ بولتے رہے لیکن پھر یکلخت بولتے بولتے آپ کو اُبکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی جس میں کچھ خون جما ہوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا حضرت نے قے سے سر اُٹھا کر رومال سے اپنا منہ پونچھا اور آنکھیں بھی پونچھیں جو قے کیوجہ سے پانی لے آئی تھیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ قے میں کیا نکلا ہے کیونکہ آپنے یکلخت جھک کر قے کی اور پھر سر اُٹھا لیا۔ مگر میں اسکے دیکھنے کے لئے جھکا تو حضور نے فرمایا کیا ہے؟ مینے عرض کیا حضور قے میں خون نکلا ہے۔ تب حضور نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے سب لوگ کمرے میں آگئے اور ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ ڈاکٹر انگریز تھا۔ وہ آیا اور قے دیکھکر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا رہا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے۔ پھر اسنے کہا کہ یہ آرام کیوں نہیں کرتے ؟ خواجہ صاحب نے کہا آرام کس طرح کریں مجسٹریٹ صاحب قریب قریب کی پیشیاں ڈال کر تنگ کرتے ہیں حالانکہ معمولی مقدمہ ہے جو یونہی طے ہو سکتا ہے اسنے کہا اس وقت آرام ضروری ہے، میں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہوں۔ کتنے عرصہ کیلئے سرٹیفکیٹ چاہیئے؟ پھر خود ہی کہنے لگا میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہیئے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ فی الحال ایک مہینہ کافی ہوگا۔ اس نے فوراً ایک مہینہ کیلئے سرٹیفکیٹ لکھدیا اور لکھا کہ اس عرصہ میں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے واپسی کا حکم دیا۔ مگر ہم سب ڈرتے تھے کہ اب کہیں کوئی نیا مقدمہ نہ شروع ہو جاوے۔ کیونکہ دوسرے دن پیشی تھی اور حضور گورداسپور سے اُٹھ کر بغیر عدالت کی اجازت کے واپس جا رہے تھے مگر حضرت صاحب کے چہرہ پر بالکل اطمینان تھا چنانچہ ہم سب قادیان چلے آئے۔ بعد میں ہمنے سنا کہ مجسٹریٹ نے سرٹیفکیٹ پر بڑی جرح کی

اور بہت تلملایا اور ڈاکٹر کو شہادت کیلئے بلایا مگر اس انگریز ڈاکٹر نے کہا کہ میرا سرٹیفکیٹ بالکل درست ہے اور میں اپنے فن کا ماہر ہوں اسپر میرے فن کی رو سے کوئی اعتراض نہیں کرسکتا اور میرا سرٹیفکیٹ تمام اعلیٰ عدالتوں تک چلتا ہے۔ مجسٹریٹ بڑبڑاتا رہا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ پھر اسی وقفہ میں اس کا گورداسپور سے تبادلہ ہوگیا۔ اور نیز کسی ظاہر آنا معلوم وجہ سے اسکا تنزل بھی ہوگیا یعنی وہ ای اے سی سے منصف کردیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غالباً اس مجسٹریٹ کا نام چندولال تھا اور وہ تاریخ جسپر اس موقعہ پر حضرت صاحب نے پیش ہونا تھا غالباً ۱۶ر فروری ۱۹۰۴ء تھی +

(۱۰۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایک دفعہ ہمنے حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ حضور حدیث میں آتا ہے کہ سب نبیوں نے بکریاں چرائی ہیں کبھی حضور نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں ایکدفعہ باہر کھیتوں میں گیا وہاں ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا اسنے کہا کہ میں ذرا ایک کام جاتا ہوں آپ میری بکریوں کا خیال رکھیں مگر وہ ایسا گیا کہ بس شام کو واپس آیا اور اس کے آنے تک ہمیں اسکی بکریاں چرانی پڑیں +

(۱۰۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے کہ جب فتح اسلام توضیح مرام شائع ہوئیں تو ابھی میرے پاس نہ پہونچی تھیں اور ایک مخالف شخص کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو اب میں مولوی صاحب کو یعنی مجھے مرزا سے علیحدہ کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب! کیا نبی کریم صلعم کے بعد بھی کوئی نبی ہوسکتا ہے؟ مینے کہا نہیں۔ اسنے کہا اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر؟ مینے کہا تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ کیا وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو بہرحال اس کی بات کو قبول کرینگے۔ میرا یہ جواب سنکر وہ بولا واہ مولوی صاحب آپ قابو نہ ہی آئے۔ یہ قصہ سنا کر حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہی میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب شریعت نبی ہونیکا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہمنے

آپ کو واقعی صادق اور منجانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائینگے وہی حق ہوگا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہونگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ واقعی جب ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا یقینی دلائل کے ساتھ ثابت ہوجائے تو پھر اسکے کسی دعوے میں چون وچرا کرنا باری تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ٹھیرتا ہے +

(۱۰۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پسر موعود کی پیشگوئی کے بعد حضرت صاحب ہم سے کبھی کبھی کہا کرتے تھے کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو جلد وہ موعود لڑکا عطا کرے۔ ان دنوں میں حضرت کے گھر امیدواری تھی۔ ایک دن بارش ہوئی تو میں نے مسجد مبارک کے اوپر صحن میں جا کر بڑی دعا کی کیونکہ مینے حضرت صاحب سے سُنا ہوا تھا کہ اگر بارش میں دعا کی جاوے تو زیادہ قبول ہوتی ہے۔ پھر مجھے دعا کرتے کرتے خیال آیا کہ باہر جنگل میں جاکر دعا کروں کیونکہ مینے حضرت صاحب سے یہ بھی سنا ہوا تھا کہ باہر جنگل کی دعا بھی زیادہ مقبول ہوتی ہے اور مینے غنیمت سمجھا کہ یہ دو قبولیت کے موقعے میرے لئے میسر ہیں۔ چنانچہ میں قادیان سے مشرق کی طرف چلا گیا اور باہر جنگل میں بارش کے اندر بڑی دیر تک سجدہ میں دعا کرتا رہا۔ گویا وہ قریباً سارا دن میرا بارش میں ہی کٹا۔ اسی دن شام یا دوسرے دن صبح کو حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ " ان کو کہدو انہوں نے رنج بہت اُٹھایا ہے ثواب بہت ہوگا" مینے عرض کیا حضور یہ الہام تو میرے متعلق معلوم ہوتا ہے حضور نے فرمایا کس طرح؟ مینے اپنی دعا کا سارا قصہ سنایا۔ حضور خوش ہوئے اور فرمایا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے پھر مینے اس خوشی میں ایک آنہ کے پتاشے بانٹے۔ مگر اس وقت میں اس کے اصل معنے نہیں سمجھا۔ پھر جب عصمت پیدا ہوئی تو میں سمجھا کہ دراصل اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ گو دعا قبول نہیں ہوگی مگر مجھے ثواب پہنچ جائے گا +

(۱۰۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب ابھی حضور نے سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا تھا مینے ایک دفعہ حضرت سے عرض کیا کہ حضور میری بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا پیر کا کام بھنگی کا سا کام ہے اسے

اپنے ہاتھ سے مرید کے گند نکال نکال کر دھونے پڑتے ہیں اور مجھے اس کام سے کراہت آتی ہے۔ مینے عرض کیا حضور تو پھر کوئی تعلق تو ہونا چاہیئے میں آتا ہوں اور اوپر اوپر چلا جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا اچھا تم ہمارے شاگرد بنجاؤ اور ہم سے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لیا کرو۔ پھر عید کے دن حضور نے فرمایا جاؤ ایک آنہ کے بتاشے لے آؤ تا باقاعدہ شاگرد بنجاؤ۔ مینے بتاشے لاکر سامنے رکھدیئے جو حضور نے تقسیم فرمادیئے اور کچھ مجھے بھی دیدیئے۔ پھر حضور مجھے ایک ہفتہ کے بعد ایک آیت کی سادہ معنے پڑھا دیا کرتے تھے اور کبھی کسی آیت کی تھوڑی سی تفسیر بھی فرمادیتے تھے۔ ایک دن فرمایا میاں عبد اللہ میں تم کو قرآن شریف کے حقائق و معارف اسلیئے نہیں بتاتا کہ میں تم میں ان کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ اس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر مجھے اس وقت وہ بتائے جاتے تو میں مجنون ہو جاتا۔ مگر میں اس سادہ ترجمہ کا ہی جو مینے آپ سے نصف پارہ کے قریب پڑھا ہوگا ابتک اپنے اندر فہم قرآن کے متعلق ایک خاص اثر دیکھتا ہوں۔ نیز میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مینے ایک دفعہ حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور میں جب قادیان آتا ہوں تو اور تو کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوتی مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہاں وقتاً فوقتاً یکلخت مجھ پر بعض آیات قرآنی کے معنے کھولے جاتے ہیں اور میں اس طرح محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرے دل پر معانی کی ایک پوٹلی بندھی ہوئی گرادی جاتی ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمیں قرآن شریف کے معارف دیکر ہی مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی خدمت ہمارا فرض مقرر کیگئی ہے پس ہماری صحبت کا بھی یہی فائدہ ہونا چاہیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے حاجی عبد المجید صاحب لدھیانوی نے بھی بیان کیا کہ ہمارے پہلے پیر منشی احمد جان صاحب مرحوم نے بھی حضرت صاحب سے بیعت کی درخواست کی تھی مگر حضور نے فرمایا لست بمامور یعنی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے بھی جب حضور سے بیعت کی درخواست کی تھی تو حضور نے یہی جواب دیا تھا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ملا پھر بعد میں جب حکم ہوا تو حضور نے بیعت کا سلسلہ شروع فرمایا +

45

(۱۰۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایکدفعہ حضرت صاحب بڑی مسجد میں ٹہل رہے تھے۔ میں ایک کونہ میں قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گیا۔ اس وقت اور کوئی شخص مسجد میں نہیں تھا۔ حضور نے ٹہلتے ٹہلتے ایک دفعہ ٹھہر کر میریطرف دیکھا اور مینے بھی اُسی وقت آپکی طرف دیکھا تھا۔ جب میری اور حضور کی نظر ملی تو خبر نہیں اسوقت حضور کی نظر میں کیا تھا کہ میرا دل میرے سینہ کے اندر پگھل گیا اور مینے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور بڑی دیر تک دعا کرتا رہا اور حضور ٹہلتے رہے پھر آخر حضور نے ہی مجھ سے فرمایا میاں عبداللہ دعا بہت ہو چکی اب بند کرو۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے مینے اس دن سمجھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض وقت کامل کی ایک نظر انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے اسکا کیا مطلب ہے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ جب حضور کی محبت اور شفقت یاد آتی ہے تو میری جان گداز ہو جاتی ہے +

(۱۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ میں شروع میں حقہ بہت پیا کرتا تھا۔ شیخ حامد علی بھی پیتا تھا۔ کسی دن شیخ حامد علی نے حضرت صاحب سے ذکر کر دیا کہ یہ حقہ بہت پیتا ہے۔ اسکے بعد میں جو صبح کے وقت حضرت صاحب کے پاس گیا اور حضور کے پاؤں دبانے بیٹھا تو آپ نے شیخ حامد علی سے کہا کہ کوئی حقہ اچھی طرح تازہ کر کے لاؤ۔ جب شیخ حامد علی حقہ لایا تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ پیو۔ میں شرمایا مگر حضرت صاحب نے فرمایا جب تم پیتے ہو تو شرم کی کیا بات ہے۔ پیو کوئی حرج نہیں مینے بڑی مشکل سے رُک رُک کر ایک گھونٹ پیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ میاں عبداللہ مجھے اس سے طبعی نفرت ہے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے بس مینے اسی وقت سے حقہ ترک کر دیا اور اس ارشاد کے ساتھ ہی میرے دل میں اس کی نفرت پیدا ہو گئی۔ پھر ایک دفعہ میری مسوڑوں میں تکلیف ہوئی تو مینے حضور سے عرض کیا کہ جب میں حقہ پیتا تھا تو یہ درد ہٹ جاتا تھا حضور نے جواب دیا کہ بیماری کے لئے حقہ پینا معذوری میں داخل ہے اور جائز ہے جب تک معذوری باقی ہے۔ چنانچہ مینے تھوڑی دیر تک بطور دوا استعمال کر کے پھر چھوڑ دیا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور کے گھر میں حقہ استعمال ہوتا تھا۔ ایکدفعہ حضور نے

مجھے گھر میں ایک توڑا ہوا حقہ کیلی پر لٹکا ہوا دکھایا اور مسکرا کر فرمایا ہم نے اسے توڑ کر پھانسی دیا ہوا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گھر میں کوئی عورت شائد حقہ استعمال کرتی ہوگی +

(۱۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قادیان کے شمالی جانب سیر کیلئے تشریف لیگئے۔ میں اور شیخ حامد علی ساتھ تھے۔ رستہ کے اوپر ایک کھیت کے کنارے ایک چھوٹی سی بیری تھی اور اسے بیر لگے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمدہ پکا ہوا لال بیر رستہ میں گرا ہوا تھا۔ مینے چلتے چلتے اسے اُٹھالیا اور کھانے لگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہ کھاؤ اور وہیں رکھدو آخر یہ کسی کی ملکیت ہے۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس دن سے آجتک مینے کسی بیری کے بیر بغیر اجازت مالک اراضی کے نہیں کھائے کیونکہ جب میں کسی بیری کی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے یہ بات یاد آجاتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس ملک میں بیریاں عموماً خود رو ہوتی ہیں اور ان کے پھل کے متعلق کوئی پروا نہیں کیجاتی +

(۱۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول کے پاس کسی کا خط آیا کہ کیا نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث بھی ملتی ہے؟ حضرت مولوی صاحب نے یہ خط حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ اس بارہ میں جو حدیثیں ملتی ہیں وہ جرح سے خالی نہیں حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ تلاش کریں ضرور ملجائے گی کیونکہ باوجود اس کے کہ شروع عمر میں بھی ہمارے اردگرد سب حنفی تھے مجھے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کبھی پسند نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ طبیعت کا میلان ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی طرف رہا ہے اور ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جس بات کیطرف ہماری طبیعت کا میلان ہو وہ تلاش کرنے سے ضرور حدیث میں نکل آتی ہے خواہ ہم کو پہلے اُس کا علم نہ ہو پس آپ تلاش کریں ضرور ملجائے گی۔ مولوی سرور شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسپر حضرت مولوی صاحب گئے اور کوئی آدھا گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ خوش خوش ایک کتاب ہاتھ میں لئے آئے اور حضرت صاحب کو اطلاع دی کہ حضور حدیث ملگئی ہے اور حدیث بھی ایسی کہ جو علی شرط الشیخین ہے جس پر کوئی جرح

46

نہیں۔ پھر کہا کہ یہ حضور ہی کے ارشاد کی برکت ہے۔

(۱۱۲۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو براہین احمدیہ کی تالیف اور اسکے متعلق مواد جمع کرنے کا کام پہلے سے ہو رہا تھا مگر براہین احمدیہ کی اصل تصنیف اور اسکی اشاعت کی تجویز ۱۸۷۹ء سے شروع ہوئی اور آخری حصہ یعنی حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور گوشہ نشینی میں درویشانہ حالت تھی۔ گو براہین سے قبل بعض اخباروں میں مضامین شائع کرنے کا سلسلہ آپ نے شروع فرما دیا تھا اور اس قسم کے اشتہارات سے آپ کا نام ایک گونہ پبلک میں بھی آ گیا تھا مگر بہت کم۔ ہاں اپنے ملنے والوں میں آپ کی تبلیغ و تعلیم کا دائرہ عالم شباب سے ہی شروع نظر آتا ہے چنانچہ ۱۸۶۴ء و ۶۵ء میں جب آپ ابھی بالکل نوجوان تھے۔ آپ نے اپنی تبلیغی کام کے متعلق ایک رویا دیکھا تھا پھر انہی دنوں میں جب کہ آپ سیالکوٹ ملازم ہوئے تو اُس وقت کے متعلق بھی یقینی شہادت موجود ہے کہ آپ نے تبلیغ و تعلیم کا کام شروع فرما دیا تھا اور غیر مذاہب والوں سے آپ کے زبانی مباحثے ہوتے رہتے تھے مگر یہ سب محض پرائیویٹ حیثیت رکھتے ہیں۔ پبلک میں آپ نے تصنیف براہین سے صرف کچھ قبل یعنی ۱۸۷۷ء و ۷۸ء میں آنا شروع کیا اور مضامین شائع کرنے شروع فرمائے اور تبلیغی خطوط کا دائرہ بھی وسیع کیا۔ مگر دراصل مستقل طور پر براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی سب سے پہلے آپ کو ملک کے سامنے کھڑا کیا اور اس طرح علم دوست اور مذہبی امور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا انٹروڈکشن ہوا اور لوگوں کی نظریں اس دیہات کے رہنے والے گمنام شخص کیطرف حیرت کے ساتھ اُٹھنی شروع ہوئیں جس نے اس تحدی اور اتنے بڑے انعام کے وعدہ کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے متعلق ایک عظیم الشان کتاب لکھنے کا اعلان کیا۔ اب گویا آفتاب ہدایت جو لاریب اس سے قبل طلوع کر چکا تھا اُفق سے بلند ہونے لگا۔ اسکے بعد براہین احمدیہ کی اشاعت نے ملک کے مذہبی حلقہ میں ایک غیر معمولی توجہ پیدا کر دیا۔ مسلمانوں نے عام طور پر مصنف براہین کا ایک مجدّد ذی شان کے طور پر خیر مقدم کیا اور مخالفین اسلام کے کیمپ میں بھی اس گولہ باری سے ایک ہلچل مچ گئی۔ خود مصنف کیلئے بھی تصنیف براہین کا زمانہ ایک حالت میں نہیں گذرا بلکہ وہ جو شروع تصنیف میں

ایک عام خادم اسلام کے طور پر اُٹھا تھا دوران تصنیف میں تجلی الٰہی کے خاص جلوے موسیٰ عمران کی طرح اسے کہیں سے کہیں لیگئے اور اختتام تصنیف براہین سے قبل ہی وہ ایک پرائیویٹ سپاہی کی طرح نہیں بلکہ شہنشاہ عالم کیطرف سے ایک مامور جرنیل کے طور پر میدان کارزار میں ھل من مبارز پکار رہا تھا۔ خلاصہ یہ کہ براہین احمدیہ کی تصنیف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملک کے علم دوست اور مذہبی امور میں دلچسپی رکھنے والے طبقہ میں ایک بہت نمایاں حیثیت دیدی تھی اور خاص معتقدین کا ایک گروہ بھی قائم ہو گیا تھا اور قادیان کا گمنام گاؤں جو ریل اور سڑک سے دور پردہ پوشیدگی کے نیچے مستور تھا اب گاہے گاہے بیرونی مہمانوں کا منظر بننے لگا تھا۔ اور مخالفین اسلام بھی اپنے منہ کی پھونکوں سے اس نور کو بجھانے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ براہین کی اشاعت کے بعد حضرت مسیح موعود نے بیس ہزار اردو اور انگریزی اشتہاروں کے ذریعہ دنیا کے تمام ممالک میں اپنی ماموریت کا اعلان فرمایا۔ اسکے بعد جب شروع ۱۸۸۶ء میں حضرت مسیح موعود نے خدائی حکم کے ماتحت ہوشیار پور جاکر وہاں چالیس دن خلوت کی اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے آپ کو ایک عظیم الشان بیٹے کی بشارت دی جس نے اپنے مسیحی نفس سے مصلح عالم بنکر دنیا کے چاروں کونوں میں شہرت پانی تھی۔ یہ الہام اس قدر جلال اور شان وشوکت کے ساتھ ہوا کہ جب حضور نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا تو اس کی وجہ سے ملک میں ایک شور برپا ہو گیا اور لوگ نہایت شوق کے ساتھ اس پسر موعود کی راہ دیکھنے لگے۔ اور سب نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس پسر موعود کے متعلق امیدیں جمالیں۔ بعض نے اس پسر موعود کو مہدی معہود سمجھا جس کا اسلام میں وعدہ دیا گیا تھا اور جس نے دنیا میں مبعوث ہو کر اسلام کے دشمنوں کو نابود اور مسلمانوں کو ہر میدان میں غالب کرنا تھا۔ بعض نے اور اسی قسم کی امیدیں قائم کیں اور بعض تماشائی کے طور پر پیشگوئی کے جلال اور شان وشوکت کو دیکھکر ہی حیرت میں پڑ گئے تھے اور بغیر کوئی امید قائم کئے اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ غیر مذاہب والوں کو بھی اس خبر نے چونکا دیا تھا۔ غرض اس وحی الٰہی کی اشاعت رجوع عام کا باعث ہوئی۔ ان دنوں حضور کے ہاں بچہ پیدا ہونیوالا تھا۔

مگر اللہ نے بھی ایمان کے رستہ میں ابتلا رکھے ہوتے ہیں سو قدرت خدا کہ چند ماہ کے بعد یعنی
مئی ۱۸۸۶ء میں بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی اسپر خوش اعتقادوں میں مایوسی اور بداعتقادوں
اور دشمنوں میں ہنسی اور استہزاء کی ایک ایسی لہر اُٹھی کہ جس نے ملک میں ایک زلزلہ پیدا
کر دیا۔ اس وقت تک بیعت کا سلسلہ تو تھا ہی نہیں کہ مریدین الگ نظر آتے بس عام لوگوں
میں چہ میگوئی ہو رہی تھی کہ یہ کیا ہوا۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ حضور نے بذریعہ اشتہار اور
خطوط اعلان فرمایا کہ وحی الٰہی میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اس وقت جو بچہ کی امیدواری ہے تو یہی
وہ پسر موعود ہوگا اور اس طرح لوگوں کی تسلی کی کوشش کی چنانچہ اسپر اکثر لوگ سنبھل گئے
اور پیشگوئی کے ظہور کے منتظر رہے۔ کچھ عرصہ بعد یعنی اگست ۱۸۸۷ء میں حضرت کے ہاں ایک لڑکا
پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔ اس لڑکے کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی گئی اور کئی لوگ
جو متزلزل ہو گئے تھے پھر سنبھل گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے اور خود حضرت
صاحب کو بھی یہی خیال تھا۔ گو آپنے اسکے متعلق کبھی قطعی یقین ظاہر نہیں کیا مگر یہ ضرور
فرماتے رہے کہ قرائن سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ لڑکا ہے واللہ اعلم۔ غرض بشیر اول
کی پیدائش رجوع عام کا باعث ہوئی مگر قدرت خدا کہ ایک سال کے بعد یہ لڑکا اچانک فوت
ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا ملک میں ایک طوفانِ عظیم برپا ہوا اور سخت زلزلہ آیا حتیٰ کہ میاں عبداللہ
صاحب سنوری کا خیال ہے کہ ایسا زلزلہ عامۃ الناس کیلئے نہ اس سے قبل کبھی آیا تھا نہ اسکے
بعد آیا گویا وہ دعویٰ مسیحیت پر جو زلزلہ آیا تھا اسے بھی عامۃ الناس کے لئے اس سے کم قرار دیتے
ہیں۔ مگر بہر حال یہ یقینی بات ہے کہ اس واقعہ پر ملک میں ایک سخت شور اُٹھا اور کئی خوش اعتقادوں
کو ایسا دھکا لگا کہ وہ پھر نہ سنبھل سکے مگر تعجب ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس واقعہ کے
بعد بھی خوش اعتقاد رہا۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لئے اشتہاروں اور خطوط
کی بھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ مینے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا کہ یہی وہ لڑکا ہے ہاں
یہ مینے کہا تھا کہ چونکہ خاص اس لڑکے کے متعلق بھی مجھے بہت سے الہام ہوئے ہیں جنمیں
اس کی بڑی ذاتی فضیلت بتائی گئی تھی اسلئے میرا یہ خیال تھا کہ شاید یہی وہ موعود لڑکا
ہو مگر خدا کی وحی میں جو اس معاملہ میں اصل اتباع کے قابل ہے ہرگز کوئی تعیین نہیں

کی گئی تھی غرض لوگوں کو بہت سنبھالا گیا چنانچہ بعض لوگ سنبھل گئے لیکن اکثروں پر مایوسی کا عالم تھا اور مخالفین میں پرلے درجہ کے استہزاء کا جوش تھا۔ اسکے بعد پھر عامۃ الناس میں پسر موعود کی آمد آمد کا اس شد و مد سے انتظار نہیں ہوا جو اس سے قبل تھا۔ اسکے بعد یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو حضور نے خدا کے اس حکم کے مطابق جو اس سے قریباً دس ماہ پہلے ہو چکا تھا سلسلہ بیعت کا اعلان فرمایا اور سب سے پہلے شروع ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ میں بیعت لی۔ مگر اس وقت تک بھی مسلمانوں کا عام طور پر حضرت مسیح موعود کی ذات کے متعلق خیال عموماً بہت اچھا تھا اور اکثر لوگ آپ کو ایک بے نظیر خادم اسلام سمجھتے تھے۔ صرف اتنا اثر ہوا تھا کہ لوگوں میں جو پسر موعود کی پیشگوئی پر ایک عام رجوع ہوا تھا اس کا جوش ان دو لگاتار مایوسیوں نے مدہم کر دیا تھا اور عامۃ الناس پیچھے ہٹ گئے تھے ہاں کہیں کہیں عملی مخالفت کی لہر بھی پیدا ہونے لگی تھی۔ اسکے بعد آخر ۱۸۹۰ء میں حضرت مسیح موعود نے خدا سے حکم پاکر رسالہ فتح اسلام تصنیف فرمایا جو ابتداء ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا اس میں آپ نے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسپر ملک میں ایک زلزلہ عظیم آیا جو پہلے سب زلزلوں سے بڑا تھا بلکہ ایک لحاظ سے پچھلے اور پہلے سب زلزلوں سے بڑا تھا ملک کے ایک کونہ سے لیکر دوسرے کونے تک جوش و مخالفت کا ایک خطرناک طوفان برپا ہوا اور علماء کی طرف سے حضرت صاحب پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور آپ کو واجب القتل قرار دیا گیا اور چاروں طرف گویا ایک آگ لگ گئی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جو ابتک بچا ہوا تھا اسی زلزلہ کا شکار ہوا اور یہ سب سے پہلا شخص تھا جو کفر کا استفتاء لیکر ملک میں ادھر اودھر بھاگا۔ بعض بیعت کنندے بھی متزلزل ہو گئے۔ اس کے بعد چوتھا زلزلہ آتھم کی پیشگوئی کی پندرہ ماہی میعاد گذرنے پر آیا۔ یہ دھکا بھی اسوقت کے لحاظ سے نہائیت کڑا دھکا تھا مگر جماعت حضرت صاحب کی تربیت کے نیچے ایک حد تک مستحکم اور سنت اللہ سے واقف ہو چکی تھی اسلیئے برداشت کر گئی لیکن مخالفوں میں سخت مخالفت و استہزاء کی لہر اُٹھی۔ اس کے بعد زلزلہ کے خفیف دھکے آتے رہے مگر وہ قابل ذکر نہیں لیکن سب کے آخر میں جماعت پر پانچواں زلزلہ آیا یہ حضرت مسیح موعود کی

وفات کا زلزلہ تھا۔ اس دھکے نے بھی اس وقت سلسلہ کی عمارت کو بنیاد تک ہلا دیا تھا۔ اور یہ وہ زلزلہ عظیم تھا جسے زلزلۃ الساعۃ کہنا چاہئیے۔ اور اسکو زیادہ خطرناک اسباب نے کردیا تھا کہ اس سے پہلے زلزلے خواہ کیسے بھی سخت تھے مگر حضرت مسیح موعود کا مقناطیسی وجود لوگوں کے اندر موجود تھا اور انکا ہاتھ گرتے ہوئے کو سنبھالنے کیلئے فوراً آگے بڑھتا تھا۔ مگر اب وہ بات نہ تھی۔ یہ وہ پانچ زلزلے تھے جو حضرت مسیح موعود کے متعلق آپکی جماعت پر آئے۔ ان کے بعد حضرت خلیفہ اول کی وفات پر بھی سخت زلزلہ آیا مگر وہ اور نوعیت کا تھا اور نیز وہ خاص جماعت احمدیہ کے متعلق تھا یعنی یہ دھکا حضرت مسیح موعود کے متعلق نہیں تھا یعنی ایسا واقعہ نہیں تھا جو آپکے صدق دعویٰ کے متعلق کمزور دلوں میں عام طور پر کوئی اشتباہ پیدا کرسکے اور بھی آئندہ سنت اللہ کے موافق اور حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیوں کے مطابق مصائب کی آندھیاں آئینگی مگر یہ پانچ زلزلے اپنی نوعیت میں اور ہی رنگ رکھتے ہیں۔ اور یہ عبارت لکھتے لکھتے خاکسار کو خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود کو جو پانچ زلزلوں کی خبر دیگئی تھی اور آخری زلزلہ کو زلزلۃ الساعۃ کہا گیا تھا وہ گو دنیا کے واسطے الگ بھی مقدر ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ ان پانچ زلزلوں پر بھی آپ کی اس پیشگوئی کے الفاظ صادق آتے ہیں ❊

(۱۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کوئی مہمان یہاں حضرت صاحب کے پاس آیا۔ اسے اس وقت روزہ تھا اور دن کا زیادہ حصہ گذر چکا تھا بلکہ شائد عصر کے بعد کا وقت تھا حضرت صاحب نے اسے فرمایا آپ روزہ کھولدیں اسنے عرض کیا کہ اب تھوڑا سا دن رہگیا ہے اب کیا کھولنا ہے۔ حضور نے فرمایا آپ سینہ زوری سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سینہ زوری سے نہیں بلکہ فرمانبرداری سے راضی ہوتا ہے۔ جب اسنے فرما دیا ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے تو نہیں رکھنا چاہئیے۔ اس پر اسنے روزہ کھولدیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے زمانہ میں حکیم فضل الدین صاحب بھیروی اعتکاف بیٹھے مگر اعتکاف کے دنوں میں ہی ان کو کسی مقدمہ میں پیشی کے واسطے باہر جانا پڑ گیا چنانچہ وہ اعتکاف توڑ کر عصر کے قریب یہاں سے

جانے لگے تو حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو مقدمہ میں جانا تھا تو اعتکاف بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی +

(۱۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہماری تائی صاحبہ نے کہ میرے تایا (یعنی خاکسار کے دادا صاحب) کبھی کبھی مرزا غلام احمد یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیتی یا مسیتڑ کہا کرتے تھے۔ تائی صاحبہ نے کہا کہ میرے تایا کو کیا علم تھا کہ کسی دن انکی خوش قسمتی کیا کیا پھل لائے گی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مسیتی پنجابی میں اسے کہتے ہیں جو ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ سنا ہے کہ بعض دوسرے لوگ بھی حضرت صاحب کے متعلق یہ لفظ بعض اوقات استعمال کر دیتے تھے +

(۱۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب گورداسپور میں کرم دین کے ساتھ حضرت صاحب کا مقدمہ تھا تو ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ حضرت صاحب کو امرتسر میں سولی پر لٹکایا جائیگا تاکہ قادیان والوں کو آسانی ہو۔ میں نے یہ خواب حضرت صاحب سے بیان کیا تو حضرت صاحب خوش ہوئے اور کہا کہ یہ مبشر خواب ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ حضرت صاحب سولی پر چڑھنے کی یہ تعبیر کیا کرتے تھے کہ عزت افزائی ہوگی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مقدمہ میں پھر اپیل ہو کر امرتسر میں ہی آپکی بریت کا فیصلہ ہوا۔ نیز بیان کیا حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جن دنوں میں یہ مقدمہ تھا ایک دفعہ حضرت صاحب نے گھر میں ذکر کیا کہ مجسٹریٹ کی نیت بہت خراب معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ مجسٹریٹ کی بیوی نے خواب دیکھا ہے کہ اگر اس کا خاوند کوئی ایسی ویسی بات کریگا تو اس کی گھر پر وبال آئیگا چنانچہ اس نے اپنے خاوند کو یہ خواب سنا دیا ہے اور کہا ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ جب مجسٹریٹ کا ایک لڑکا مر گیا تو اس کی بیوی نے اسے کہا کہ کیا تو نے گھر کو اجاڑ کر چھوڑنا ہے؟ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ جس دن اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا جانا تھا اس دن کئی لوگ اپنی جیبوں میں روپیہ بھر کر لیگئے تھے کہ اگر مجسٹریٹ جرمانہ کرے تو ادا کر دیں۔ اور نواب محمد علیخان صاحب بھی لاہور سے کئی ہزار روپیہ ساتھ لائے تھے۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت صاحب بیان کرتے تھے کہ اس مقدمہ کے دنوں میں جہاں عدالت کے باہر درختوں کے

نیچے حضرت صاحب بیٹھا کرتے تھے اسکے سامنے سے ہر روز ڈپٹی کمشنر گذرا کرتا تھا کیونکہ یہی اسکا رستہ تھا۔ ایک دفعہ اسنے اپنے اردلی سے پوچھا کہ کیا یہ مقدمہ ابتک جاری ہے اسنے کہا ہاں۔ ڈپٹی کمشنر نے ہنس کر کہا اگر میرے پاس ہوتا تو میں ایک دن میں فیصلہ کر دیتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر انگریز تھا +

(۱۱۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ میں اور چند اور آدمی جن میں غالباً مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب بھی تھے حضرت صاحب سے ملنے کیلئے اندر آپ کے مکان میں گئے۔ اس وقت آپ نے ہمکو خربوزے کھانے کیلئے دیئے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو خربوزہ مجھے آپنے دیا وہ موٹا تھا چنانچہ آپ نے دیتے ہوئے فرمایا اسے کھا کر دیکھیں یہ کیسا ہے؟ پھر خود ہی مسکرا کر فرمایا موٹا آدمی منافق ہوتا ہے۔ یہ پھیکا ہی ہوگا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں چنانچہ وہ پھیکا نکلا۔ مولوی صاحب نے یہ روایت بیان کرکر ہنستے ہوئے کہا کہ اُسوقت میں دبلا ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر موٹا آدمی منافق ہوتا ہے بلکہ حضرت صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آرام طلبی کے نتیجہ میں موٹا ہو گیا ہو وہ منافق ہوتا ہے +

(۱۱۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چودہری غلام محمدؐ صاحب بی اے نے کہ جب میں ۱۹۰۵ء میں قادیان آیا تو حضرت صاحب نے سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھکر کچھ گراں گذرا کہ مسیح موعود کو رنگدار پگڑی سے کیا کام۔ پھر مینے مقدمہ ابن خلدون میں پڑھا کہ آنحضرت صلعم جب سبز لباس میں ہوتے تھے تو آپ کو وحی زیادہ ہوتی تھی +

(۱۱۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے ماسٹر محمدؐ دین صاحب بی۔ اے نے کہ جب ہم حضرت مسیح موعود کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہم خاص طور پر محسوس کرتے تھے کہ ہماری اندرونی بیماریاں دھل رہی ہیں اور روحانیت ترقی کر رہی ہے لیکن جب آپ سے الگ ہوتے تھے تو پھر یہ بات نہ رہتی تھی۔ نیز بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب ہم حضرت صاحب کی مجلس میں ہوتے تھے تو خواہ اس سے پہلے کیسا ہی حال ہو اس وقت طبیعت بہت ہی خوش رہتی تھی +

(۱۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۷۹ء میں براہین کے متعلق اعلان شائع فرمایا تو اس وقت آپ براہین احمدیہ تصنیف فرما چکے تھے اور کتاب کا حجم قریباً دو ڈھائی ہزار صفحہ تک پہونچ گیا تھا اور اس میں آپ نے اسلام کی صداقت میں تین سو ایسے زبردست دلائل تحریر کئے تھے کہ جنکے متعلق آپکا دعویٰ تھا کہ ان سے صداقت اسلام آفتاب کی طرح ظاہر ہو جائے گی اور آپکا ارادہ تھا کہ جب اسکے شائع ہونے کا انتظام ہو تو کتاب کو ساتھ ساتھ اور زیادہ مکمل فرماتے جاویں اور اسکے شروع میں ایک مقدمہ لگائیں اور بعض اور تمہیدی باتیں لکھیں اور ساتھ ساتھ ضروری حواشی بھی زائد کرتے جاویں۔ چنانچہ اب جو براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع شدہ موجود ہیں ان کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دوران اشاعت کے زمانہ کے ہیں اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ بہت ہی تھوڑا آیا ہے یعنی صرف چند صفحات سے زیادہ نہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تین سو دلائل جو آپ نے لکھے تھے ان میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی ہے اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ ان چار حصوں کے طبع ہونے کے بعد اگلے حصص کی اشاعت خدائی تصرف کے ماتحت رک گئی اور سنا جاتا ہے کہ بعد میں اس ابتدائی تصنیف کے مسودے بھی کسی وجہ سے جلکر تلف ہو گئے حضرت مسیح موعود نے براہین حصہ چہارم کے آخر میں جو اشتہار "ہم اور ہماری کتاب" کے عنوان کے نیچے دیا ہے اس میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ ابتدا میں جب براہین احمدیہ تصنیف کیگئی تو اور صورت تھی مگر بعد میں یعنی دوران اشاعت میں جب حواشی وغیرہ لکھے جا رہے تھے اور کتاب طبع ہو کر شائع ہو رہی تھی صورت بدل گئی یعنی جناب باریتعالیٰ کی طرف سے آپ کو خلعت ماموریت عطا ہوا اور ایک اَور عالم سے آپ کو اطلاع دیگئی اسپر آپ نے اپنے پہلے ارادوں کو ترک کر دیا اور سمجھ لیا کہ اب معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہیگا آپ سے خدمت دین کا کام لیگا۔ چنانچہ یہ جو اسکے بعد اسی کے قریب کتابیں اور سینکڑوں اشتہارات اور تقریریں آپ کی طرف سے خدمت دین کے رستہ میں شائع ہوئیں اور اب آپکی وفات کے بعد بھی جو خدمت دین آپ کی متبعین کی طرف سے ہو رہی ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ اور

میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کی جتنی صداقت ان تین سو دلائل سے ثابت ہوتی جو آپ نے براہین احمدیہ میں تحریر فرمائے تھے اس سے کہیں بڑھکر محض آپکے وجود سے ہوئی جس کا ظہور بعد میں مہدویت اور مسیحیت کے رنگ میں ہوا۔ گویا قطع نظر ان عظیم الشان تحریرات کے جو بعد میں خداوند تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے شائع کروائیں محض آپکا وجود باجود ہی ان تین سو دلائل سے بڑھکر صداقت اسلام پر روشنی ڈالنے والا ہے کیونکہ یہ تین سو دلائل تو بہرحال زیادہ تر عام عالمانہ رنگ میں لکھے گئے ہونگے لیکن آپ کا وجود جو شان نبوت میں ظاہر ہوا اپنے اندر اور ہی جذب اور طاقت رکھتا ہے +

(۱۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ لالہ ملاوا مل نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے ایک صندوقچی کھولکر دکھائی تھی جس میں ان کی ایک کتاب کا مسودہ رکھا ہوا تھا اور آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ بس میری جائیداد اور مال سب یہی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ براہین احمدیہ کے مسودہ کا ذکر ہے +

(۱۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ پیر سراج الحق صاحب کو روزہ تھا مگر ان کو یاد نہ رہا اور انہوں نے کسی شخص سے پینے کے واسطے پانی منگایا۔ مگر کسی نے کہا آپ کو روزہ نہیں؟ پیر صاحب کو یاد آگیا کہ میرا روزہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسوقت وہاں موجود تھے پیر صاحب سے فرمانے لگے کہ روزہ میں جب انسان بھول کر کوئی چیز کھا پی لیتا ہے تو یہ خدا کی طرف سے اسکی مہمانی ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے جو پانی کے متعلق سوال کیا اور سوال کرنا ناپسندیدہ ہوتا ہے تو اس سوال کی وجہ سے آپ اس نعمت سے محروم ہو گئے +

(۱۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ میں جب پہلی دفعہ قادیان آیا تو حضرت صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے والد صاحب کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا حضور آپ نے کس کا نام لے دیا میرا والد تو بہت بڑا آدمی ہے شراب پیتا ہے اور بُری بُری عادتیں ہیں حضرت صاحب نے فرمایا توبہ کرو اپنے والد کے متعلق ایسا

نہیں کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ بعض اوقات ایک آدمی برے اعمال کرتے کرتے دوزخ کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے لیکن پھر وہ وہاں سے واپس ہوتا ہے اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میرے والد صاحب کی حالت میں تغیر آیا اور پھر آخر ان کا انجام نہائت اچھا ہوا اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ ان کی عشق کی سی حالت ہو گئی تھی۔

(۱۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حقیقی ہمشیرہ مراد بی بی مرزا محمد بیگ ہوشیارپوری کے ساتھ بیاہی گئی تھی مگر مرزا محمد بیگ جلد فوت ہو گیا اور ہماری پھوپھی کو باقی ایام زندگی بیوگی کی حالت میں گذارنے پڑے۔ ہماری پھوپھی صاحبِ رویا و کشف تھیں۔ مرزا محمد بیگ مذکور کے چھوٹے بھائی مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچیرے بھائیوں یعنی مرزا نظام الدین وغیرہ کی حقیقی بہن عمرالنساء بیاہی گئی تھی۔ اس کے بطن سے محمدی بیگم پیدا ہوئی۔ مرزا نظام الدین و مرزا امام دین وغیرہ پرلے درجہ کے بے دین اور دہریہ طبع لوگ تھے اور مرزا احمد بیگ مذکور ان کے سخت زیر اثر تھا اور انہیں کے رنگ میں رنگین رہتا تھا۔ یہ لوگ ایک عرصہ سے حضرت مسیح موعود سے نشان آسمانی کے طالب تھے کیونکہ طریقہ اسلام سے انحراف اور عناد رکھتے تھے اور والد محمدی بیگم یعنے مرزا احمد بیگ ان کے اشارہ پر چلتا تھا۔ اب واقعہ یوں ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا ایک اور چچازاد بھائی مرزا غلام حسین تھا جو عرصہ سے مفقود الخبر ہو چکا تھا اور اس کی جائداد اس کی بیوی امام بی بی کے نام ہو چکی تھی۔ یہ امام بی بی مرزا احمد بیگ مذکور کی بہن تھی۔ اب مرزا احمد بیگ کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مسماۃ امام بی بی اپنی جائداد اسکے لڑکے مرزا محمد بیگ برادر کلاں محمدی بیگم کے نام ہبہ کردے لیکن قانوناً امام بی بی اس جائداد کا ہبہ بنام محمد بیگ مذکور بلا رضامندی حضرت مسیح موعود نہ کر سکتی تھی اسلئے مرزا احمد بیگ بتمام عجز و انکساری حضرت مسیح موعود کی طرف ملتجی ہوا کہ آپ ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں۔ چنانچہ حضرت صاحب قریباً تیار ہو گئے لیکن پھر اس خیال سے رک گئے کہ دریں بارہ مسنون استخارہ کر لینا ضروری ہے چنانچہ آپ نے

مرزا احمد بیگ کو یہی جواب دیا کہ میں استخارہ کرنیکے بعد دستخط کرنے ہونگے تو کردونگا چنانچہ اسکے بعد مرزا احمد بیگ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کے دکھانے کا وقت آن پہونچا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کردیا۔ چنانچہ استخارہ کے جواب میں خداوند تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود سے یہ فرمایا کہ: "اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہدے کہ تمام سلوک اور مروّت تم سے اسی شرط سے کیا جائیگا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤگے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئینگے" اس وحی الہامی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نوٹ دیا کہ "تین سال تک فوت ہونا روز نکاح کے حساب سے ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ اور حادثہ اس سے پہلے نہ آوے۔ بلکہ مکاشفات کے رو سے مکتوب الیہ (یعنی مرزا احمد بیگ) کا زمانہ حوادث جن کا انجام معلوم نہیں نزدیک پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم منہ"

جب استخارہ کے جواب میں یہ وحی ہوئی تو حضرت مسیح موعود نے اسے شائع نہیں فرمایا بلکہ صرف ایک پرائیویٹ خط کے ذریعہ سے والد محمدی بیگم کو اس سے اطلاع دیدی کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ وہ اسکی اشاعت سے رنجیدہ ہوگا لہذا آپ نے اشاعت کیلئے مصلحتاً دوسرے وقت کی انتظار کی۔ لیکن جلد ہی خود لڑکی کے ماموں مرزا نظام الدین نے شدت غضب میں آکر اس مضمون کو آپ ہی شائع کر دیا اور علاوہ زبانی اشاعت کے اخباروں میں بھی اس خط کی خوب اشاعت کی۔ تب پھر حضرت مسیح موعود کو بھی اظہار کا عمدہ موقعہ ملگیا۔

(۱۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے آباء میں سے وہ بزرگ جو ابتداءً ہندوستان میں آکر آباد ہوئے ان کا نام مرزا ہادی بیگ تھا۔ ان کے ہندوستان میں آکر آباد ہونیکا زمانہ ۱۵۳۰ء کے قریب کا معلوم ہوتا ہے یعنی ایسا پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ

ھو

شجرہ نسب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
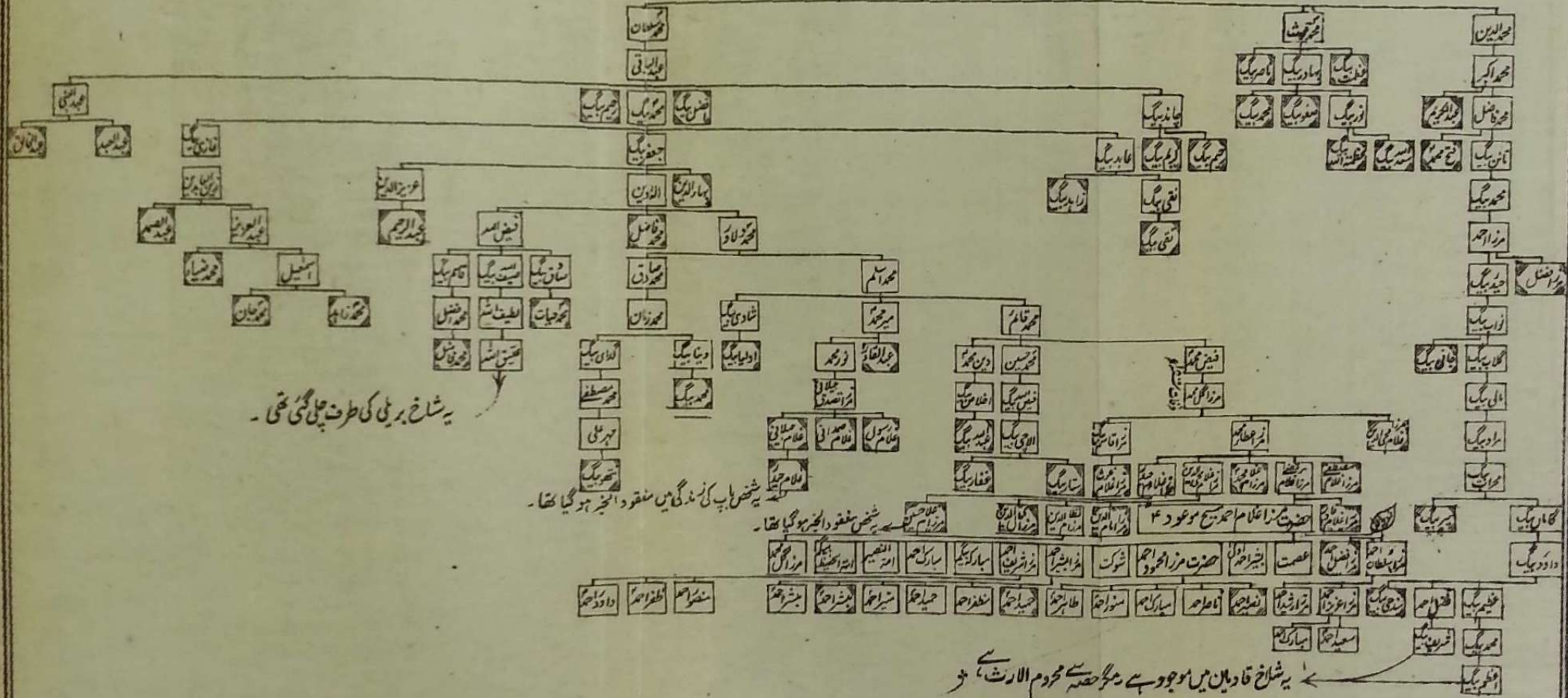
بابر بادشاہ کے ساتھ آئے تھے یا کچھ عرصہ بعد۔ مرزا ہادی بیگ صاحب حاجی برلاس کی اولاد میں سے تھے جو تیمور کے چچا تھے۔ مرزا ہادی بیگ سے لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک کا شجرہ نسب ساتھ ملحق ہے* جن خانوں کے کونوں میں آڑے خطوط دکھائے گئے ہیں ان میں ایسے لوگوں کے نام درج ہیں جن کی نسل آگے نہیں چلی۔

(۱۲۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ نے کئی جگہ اپنے قلم سے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات لکھے ہیں مگر سب سے مفصل وہ بیان ہے جو کتاب البریہ میں درج ہے۔ یہ بیان ایسا تو نہیں ہے کہ اس میں سب ضروری باتیں آگئی ہوں اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حالات جو حضرت مسیح موعود نے خود دوسری جگہ تحریر فرمائے ہیں وہ سب اس میں آگئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بیان سب سے زیادہ مفصل ہے اور حضرت صاحب نے ایک خاص تحریک کی بنا پر تحریر فرمایا تھا اسلئے اسکے خاص خاص حصے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں حضرت صاحب فرماتے ہیں:۔

"اب میرے سوانح اس طرح ہیں۔ کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضےٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے[1]۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ

[1] حاشیہ۔ عرصہ سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے ان ہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے جنمیں سے میری نسبت ایک یہ الہام ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس یعنے اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اسکو لے آتا۔ اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے اِنّ الذین کفروا ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ۔ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اس کی کوشش کا شکر گذار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اولین فارسی تھے۔ والحق ما اظہرہ اللہ۔ منہ۔

٭ نوٹ ملاحظہ ہو ورق مشمولہ۔

قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل وعیال میں سے تھے۔ اور وہ ایک معزز رئیس
کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اس وقت ایک جنگل پڑا
ہوا تھا۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشۂ شمال مشرق واقع ہے۔ فروکش ہو گئے
جس کو انہوں نے آباد کر کے اسکا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی
کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا۔ اور قاضی ماجھی کی جگہ
پر قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بنگیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ
تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے۔ ان دنوں میں سب کا سب
ماجھ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھ تھا۔ کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی
تھیں۔ اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات
جاگیر داری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اسلئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔
مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے مگر
کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ اُس ملک میں بھی وہ معزز امرا اور خاندان والیان ملک میں
سے تھے۔ اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس
ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے۔ چنانچہ اس
نواح میں ایک مستقل ریاست ان کی ہو گئی +

سکھوں کی ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور
رئیس اس نواح کے تھے۔ جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے۔ اور بہت سے گاؤں
سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور
فیاضی کی یہ حالت تھی۔ کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروّت کے طور پر
بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدئے تھے۔ جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس
طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو
آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ انکے دسترخوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب
علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے

اوران کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں جنکی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے ۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمائت دین اور ہمدردی مسلمانان کی صفت میں نہائت مشہور تھے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق وفجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے ۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والدہ صاحب مرحوم سے سنا ہے ۔ کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا ۔ جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا ۔ اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے اس مختصر دربار کو نہائت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادروں سے پُر پایا تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں ۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کیلئے کوشش کرتا ۔ کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسیکو تخت دہلی پر بٹھایا جائے ۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ میرے پڑدادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی بیماری کے غلبہ کے وقت اطبا نے اتفاق کر کے کہا ۔ کہ اس مرض کیلئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا ۔ مگر جرأت نہیں رکھتے تھے ۔ کہ ان کی خدمت میں عرض کریں ۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا ۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو ۔ تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں ۔ میں نہیں چاہتا ۔ کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں ۔ اور میں خدا کے قضا و قدر پر راضی ہوں ۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے ۔ موت تو مقدر تھی ۔ مگر یہ ان کا طریق تقوے ہمیشہ کیلئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب خلاصہ کلام

54

یہ ہے۔ کہ جب میرے پڑ دادا صاحب فوت ہوئے۔ تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کیلئے بہت تدبیریں کیں مگر جبکہ قضا وقدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی اسلئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہانتک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔ اور اس کے چار برج تھے۔ اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اسپر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کرلیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کے مال ومتاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتبخانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں سے پانسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہائت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد وزن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دیگئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضےٰ قادیان میں واپس آئے۔ اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لدھانہ تک اس کی

ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضےٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمتگزاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجلدوے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سرلیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر ان کے مکان پر آکر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اس کو بہت طوالت دوں ......

میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایکدفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں انکی تنگی کا زمانہ فراخی کیطرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے کچھ حصہ پایا...

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا۔ تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی۔ تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کیلئے مقرر کئے گئے۔ جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اسلئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اسکے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا۔

تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ انکو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھکر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہانتک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں مینے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی۔ کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے۔ کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئیے۔ کیونکہ وہ نہائت ہمدردی سے ڈرتے تھے۔ کہ صحت میں فرق نہ آوے اور نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا۔ کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر انکے غموم وہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباء واجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اسلئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہائت درجہ پر تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے۔ کہ دنیا داروں کی طرح مجھے رو بخلق بناویں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھکو کہا کہ ان کی پیشوائی کیلئے دو تین کوس جانا چاہئیے۔ مگر میری طبیعت نے نہائت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا۔ اسلئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی انکی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے۔ کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں۔ جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں۔ کہ مینے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے اور لبسا اوقات کہا کرتے تھے۔ کہ میں صرف ترحّم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے

امور کیطرف توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ میں جانتا ہوں۔ کہ جس طرف اس کی توجہ ہے۔ یعنی دین کی طرف صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں؛ ایسا ہی انکے زیر سایہ ہونیکے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کیساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اسلئے ان کے حکم سے جو عین میری منشا کے موافق تھا۔ مینے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی۔ سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ اکثر نوکری پیشہ نہائت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہائت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھکر ایک پاک تبدیلی کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسیوجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بار ہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے۔ اگر میں وہ سعی دین کیلئے کرتا۔ تو شائد آج قطب یا غوث وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند + بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کیساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے۔ ؎

از درِ تو اے کس ہر بیکسے ✦ نیست امیدم کہ روم ناامید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔ ؎

با آب دیدۂ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے ست کہ در خوں تپد بجائے کسے

حضرت عزت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے۔ کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کردی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا۔ کہ میںنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کیطرف چلے آتے ہیں۔ جیساکہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اسُ وقت آپ کی طرف پیشوائی کیلئے دوڑا جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپیہ تھا۔ اور جب غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھکر میں چشم پر آب ہو گیا۔ اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے۔ کہ دنیا داری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپیہ کیطرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں گذرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پڑدادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھی جس کا ایک مصرع راقم کو بھول گیا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ ع

"کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحبنے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی۔ کہ جو اسجگہ کی جامع مسجد ہے۔ اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو۔ تا خدائے عزوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعۂ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ

مکمل ہوگئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہکر مرض پیچش سے فوت ہوگئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ۔ آمین۔ قریباً اسی یا پچاسی برس کی عمر پائی۔

ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا۔ ابتک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہوگا۔ آخر اس حسرت کو ساتھ لے جائیگا۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھے .... مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا۔ جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہنچا۔ اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی۔ کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہوگئی تھی۔ اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیزان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا۔ کہ اس وقت تم ذرا آرام کرلو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا۔ اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا۔ والسماء والطارق یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبدء ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزاپرسی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور حادثہ یہ ہے۔ کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا" سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے۔ کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہونا ہے۔ اس کی وفات کو عزاپرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کرینگے کہ خدا تعالیٰ کی عزاپرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے۔ کہ حضرت عزت جل شانہ' جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔

چنانچہ خداتعالیٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے۔ ان ہی معنوں کے لحاظ سے آیا ہے۔
اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئیگا تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟۔ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اسنے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر دکھلادیا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اسکے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کرسکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہوگئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو مینے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کرسکتا۔ کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو ان ہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اسکی انگشتری بنائی۔ جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایکطرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کرسکتا۔ کہ میرا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنائیت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خداتعالےٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔ سو یہ اسی کی عنائیت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں۔ اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلّہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جسپر خداتعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع اقسام کے بدعات

میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ انکا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کرکے کہ کسیقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے " اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنتِ اہل بیتِ رسالت کو بجا لاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا۔ کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشستگاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جنکو میں نے پہلے سے تجویز کرکے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دیدیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گذارتا۔ اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسیکو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسیقدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہانتک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔ اور اسی طرح میں کھانیکو کم کرتا گیا یہانتک کہ شائد صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اسپر صبر نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلےٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین وعلی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ . . . .

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے

گئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جاوے۔ تو قبل اسکے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کس حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جبتک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ . . . . بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے . . . . . آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

(منقول از کتاب البریہ صفحہ ۱۴۴ تا ۱۶۶)

(۱۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بندوبست مال ۱۸۶۵ء کے کاغذات کے ساتھ جو ہمارے خاندان کا شجرہ نسب منسلک ہے اس میں قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ کے عنوان کے نیچے بثبت دستخط مرزا غلام مرتضےٰ صاحب و مرزا غلام جیلانی و مرزا غلام محی الدین وغیرہ یہ نوٹ درج ہے۔ کہ :۔ "عرصہ چودہ پشت کا گزرا کہ مرزا ہادی بیگ قوم مغل گوت برلاس مورث اعلیٰ ہم مالکان دیہہ کا بعہد شاہان سلف ملک عرب سے بطریق نوکری ہمراہ بابر شاہ بادشاہ کے آکر حسب اجازت شاہی اس جنگل افتادہ میں گاؤں آباد کیا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ . . . . . مورثان ہمارے کو جانب بادشاہ سے عہدہ قضا کا عطا ہوا تھا بباعث لقب قاضیان کے نام گاؤں کا قاضیان اسلام پور رکھا پھر رفتہ رفتہ غلطی عوام الناس سے قصبہ قادیان مغلاں مشہور ہو گیا تب سے برابر آباد چلا آتا ہے۔ کبھی ویران نہیں ہوا۔"

(۱۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مغلیہ سلطنت کی تباہی پر پنجاب کا ملک خصوصاً اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ میں خطرناک طوائف الملوکی کا منظر رہا ہے۔ شمال سے احمد شاہ ابدالی اور شاہ زمان کے حملے ایک عارضی تسلط سے زیادہ اثر نہیں رکھتے تھے اور دراصل سکھ قوم کا دور دورہ

شروع ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ ابھی تک سکھ قوم کے اندر اتحاد و انتظام کا مادہ مفقود تھا۔ اور نہ ہی ان کا اس وقت کوئی واحد لیڈر تھا۔ اس لئے ان کا عروج بجائے امن پیدا کرنے کے آپس کے جنگ و جدل کی وجہ سے پرلے درجہ کا امن شکن ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں سکھ بارہ مسلوں یعنی بارہ جتھوں اور گروہوں میں منقسم تھے۔ اور ہر مسل اپنے سردار یا سرداروں کے ماتحت مار دھاڑ کر کے اپنے واسطے خود مختار ریاستیں بنا رہی تھی اس وجہ سے اس زمانہ میں پنجاب کے اندر ایک مستقل سلسلہ کشت و خون کا جاری تھا۔ اور کسی کا مال و جان اور آبرو محفوظ نہ تھے۔ حتے کہ وہ وقت آیا کہ راجہ رنجیت سنگھ نے سب کو زیر کر کے پنجاب میں ایک واحد مرکزی سکھ حکومت قائم کر دی۔ قادیان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ چونکہ ہمارے بزرگوں کے زیر حکومت تھا۔ اس لئے اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کو بھی سکھوں کے ساتھ بہت سے معرکے کرنے پڑے۔ جن سکھ مسلوں کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا واسطہ پڑا وہ رام گڑھی مسل اور کنہیا مسل کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ قادیان کی ریاست کا علاقہ زیادہ تر انہی دو مسلوں کے علاقہ سے ملتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑدادا مرزا گل محمد صاحب نے ایک حد تک سکھوں کی دست برد سے اپنے علاقہ کو بچائے رکھا۔ لیکن پھر بھی بہت سے دیہات ان کے ہاتھ سے نکل گئے مگر ان کی وفات کے بعد جو غالباً ۱۸۰۰ء میں ہوئی ان کے فرزند مرزا عطا محمد صاحب کے زمانہ میں جلد ہی قادیان کے گرد و نواح کا سارا علاقہ اور بالآخر خود قادیان سکھوں کے قبضہ میں چلے گئے اور مرزا عطا محمد صاحب اپنی جدی ریاست سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ مرزا عطا محمد صاحب دریائے بیاس سے پار جا کر موضع بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ رئیس علاقہ کے مہمان ٹھیرے۔ سردار موصوف اہلووالیہ مسل کا سرگروہ تھا اور اس زمانہ میں ایک بڑا ذی اقتدار شخص تھا۔ موجودہ راجہ صاحب کپورتھلہ اسی کے سلسلہ میں سے ہیں۔ بارہ سال کے بعد مرزا عطا محمد صاحب کو بیگووال میں ہی دشمنوں کے ہاتھ سے زہر دیدیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے واللہ اعلم کہ رام گڑھی مسل کے مشہور و معروف سرگروہ جسا سنگھ نے خود

یا اسکے متبعین نے غالباً ۱۸۰۲ء کے قریب قادیان پر قبضہ پایا ہے جسا سنگھ ۱۸۰۳ء میں مرگیا اور اس کے علاقہ کے بیشتر حصہ پر اسکے بھتیجے دیوان سنگھ نے قبضہ کرلیا۔ چنانچہ دیوان سنگھ کے ماتحت قریباً پندرہ سال رام گڑھی مسل قادیان پر قابض رہی۔ جسکے بعد راجہ رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کو زیر کرکے ان کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ یہ ۱۸۱۶ء کے بعد کی بات ہے اسکے بعد غالباً ۱۸۳۵ء کے قریب راجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ہمارے دادا مرزا غلام مرتضےٰ صاحب کو قادیان کی جاگیر واپس ملگئی اس دوران میں ہمارے دادا صاحب کو بڑے بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا"۔

(۱۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب پنجاب چیفس یعنی تذکرہ روسائے پنجاب میں جسے اولاً سر لیپل گریفن نے زیر ہدایت پنجاب گورنمنٹ تالیف کرنا شروع کیا اور بعد میں مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے علی الترتیب گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے اسے مکمل کیا اور اس پر نظر ثانی کی ہمارے خاندان کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے:۔

"شہنشاہ بابر کی عہد حکومت کے آخری سال یعنے ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کی۔ یہ شخص کچھ عالم آدمی تھا اور قادیان کے گرد و نواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا حاکم مقرر کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ قادیان اسی نے آباد کیا اور اسکا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بگڑتے بگڑتے قادیان ہوگیا۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی حکومت کے ماتحت معزز عہدوں پر ممتاز رہا اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہوگیا تھا۔ گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنھیا مسلوں سے جن کے قبضے میں قادیان کے گرد و نواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کھو کر عطا محمد بیگوال میں سردار فتح سنگھ اہلو والیہ کی پناہ میں چلا گیا اور وہاں بارہ سال تک امن کی زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہوگیا غلام مرتضےٰ کو قادیان

واپس بلالیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک معقول حصہ اسے واپس کر دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ
اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہو گیا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر
قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

نونہال سنگھ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورہ میں غلام مرتضےٰ ہمیشہ
فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا
اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیندار بنا کر پشاور روانہ کیا گیا، ہزارہ کے مفسدے میں
اسنے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا وفادار رہا
اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اسکے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات
کیں جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج کو لئے دیوان مولراج کی امداد کے واسطے ملتان
جا رہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خان ساہیوال اور صاحب خان
ٹوانہ نے مسلمان آبادی کو برانگیختہ کیا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ ملکر باغیوں
پر حملہ کر کے ان کو شکست فاش دی اور دریائے چناب کی طرف دھکیل دیا جہاں چھ سو سے
زیادہ باغی دریا میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے۔

انگریزی گورنمنٹ کی آمد پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہو گئی مگر سات سو کی ایک
پنشن غلام مرتضےٰ اور اسکے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اسکے گرد و نواح پر
ان کے حقوق مالکانہ قائم رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء میں نہائت عمدہ خدمات
کیں۔ غلام مرتضےٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اسکا بیٹا غلام قادر اس وقت
جنرل نکلسن کی فوج میں تھا جب کہ افسر موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفنٹری
کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا تھا جنرل نکلسن نے غلام قادر کو
ایک سند دی جس میں یہ لکھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں خاندان قادیان نے ضلع کے دوسرے
تمام خاندانوں سے زیادہ وفاداری دکھائی ہے۔"

(۱۳۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ رسالہ کشف الغطاء میں
جو حکام گورنمنٹ کے واسطے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا تھا حضرت مسیح موعود

تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرا خاندان ایک خاندان ریاست ہی اور میرے بزرگ والیان اور خودسر امیر تھے جو سکھوں کے وقت میں یکلخت تباہ ہوئے اور سرکار انگریزی کا اگرچہ سب پر احسان ہے مگر میرے بزرگوں پر سب سے زیادہ احسان ہے کہ انہوں نے اس گورنمنٹ کے سایہ دولت میں آکر ایک آتشی تنور سے رہائی پائی اور خطرناک زندگی سے امن میں آگئے۔ میرا باپ مرزا غلام مرتضٰی اس نواح میں ایک نیکنام رئیس تھا اور گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں نے پرزور تحریروں کے ساتھ لکھا کہ وہ اس گورنمنٹ کا سچا مخلص اور وفادار ہے اور میرے والد صاحب کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور ہمیشہ اعلیٰ احکام عزت کی نگاہ سے ان کو دیکھتے تھے اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے حکام ضلع اور قسمت کبھی کبھی ان کے مکان پر ملاقات کیلئے بھی آتے تھے کیونکہ انگریزی افسروں کی نظر میں وہ ایک وفادار رئیس تھو اور میں یقین رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ ان کی اس خدمت کو کبھی نہیں بھولیگی کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ایک نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھکر پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کرکے گورنمنٹ کی امداد کے لئے دیئے تھے۔ چنانچہ ان سواروں میں سے کئی عزیزوں نے ہندوستان میں مردانہ لڑائی مفسدوں سے کرکے اپنی جانیں دیں اور میرا بھائی مرزا غلام قادر تموں کے پتن کی لڑائی میں شریک تھا اور بڑی جانفشانی سے مدد دی۔ غرض اسی طرح میرے بزرگوں نے اپنے خون سے اپنے مال اپنی جان سے اپنی متواتر خدمتوں سے اپنی وفاداری کو گورنمنٹ کی نظر میں ثابت کیا ہے۔ سو انہی خدمات کی وجہ سے میں یقین رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ ہمارے خاندان کو معمولی رعایا میں سے نہیں سمجھیگی اور اس کے اس حق کو کبھی ضائع نہیں کرے گی جو بڑے فتنے کے وقت میں ثابت ہو چکا ہے۔ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں میرے والد صاحب اور میرے بھائی مرزا غلام قادر کا ذکر کیا ہے اور میں ذیل میں ان چند چٹھیات حکام بالادست کو درج کرتا ہوں جن میں میرے والد صاجب اور میرے بھائی کی خدمات کا کچھ ذکر ہے:۔

نقل مراسلہ
ولسن صاحب نمبر ۳۵۳
تہور پناہ شجاعت دستگاہ
مرزا غلام مرتضےٰ رئیس
قادیان حفظہ۔

عریضہ شما مشعر بر
یاد دہانی خدمات وحقوق
خود و خاندان خود بملاحظہ
حضور اینجانب درآمد۔ ما
خوب میدانیم کہ بلاشک
شما و خاندان شما از ابتدائے
دخل و حکومت سرکار
انگریزی جان نثار
وفاکیش ثابت قدم
ماندہ آید وحقوق شما
دراصل قابل قدر اند۔
بہر نہج تسلی وتشفی دارید
سرکار انگریزی حقوق
وخدمات خاندان شما
ہرگز فراموش نخواہد کرد
بموقعہ مناسب برحقوق
وخدمات شما غور و توجہ
کردہ خواہد شد۔ باید کہ

Translation of Certificate
of J. M. Wilson

To

Mirza Ghulam Murtaza Khan
Chief of Qadian.

I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights. I am well aware that since the introduction of the British Government you and your family have certainly remained devoted faithful and steady subjects and that your rights are really worthy of regard, In every respect you may rest assured and satisfied that the British Government will never forget your family's rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself.

You must continue to be faithful and devoted subjects as in it lies the satisfaction of the Government and welfare.

11/6/1849. Lahore.

ہمیشہ ہوا خواہ و جان نثار
سرکار انگریزی
بمانند کہ دریں امر خوشنودی
سرکار و بہبودی شما
متصور است۔ فقط
المرقوم ۱۱ر جون سنہ ۱۸۴۹ء
مقام لاہور انارکلی

نقل مراسلہ
(رابرٹ کسٹ صاحب
بہادر کمشنر لاہور)
تہور و شجاعت دستگاہ
مرزا غلام مرتضیٰ رئیس
قادیان بعافیت باشند۔
از آنجا کہ ہنگام مفسدہ
ہندوستان موقوعہ
سنہ ۱۸۵۷ء از جانب آپکے
رفاقت و خیرخواہی و مدد دہی
سرکار دولتمدار
انگلشیہ در باب نگاہداشت
سواران و بہم رسانی اسپان
بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی
اور شروع مفسدے سے

Translation of Mr, Robert Caste, Certificate.

To

Mirza Ghulam Murtaza Khan

Chief of Qadian.

As you rendered great help in enlisting sowars and supplying horses to Government in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date and thereby gained the favour of Government a *Khilat* worth Rs. 200/- is presented to you in recognition of good services and as a reward for your loyalty.

More over in accordance with the wishes of chief commissioner as convey-

آجتک آپ بدل ہوا خواہ
سرکار رہے اور باعث
خوشنودی سرکار ہو لہذا
اس خیرخواہی اور خیر
سگالی کے خلعت مبلغ
دو صد روپیہ سرکار سے
آپ کو عطا ہوتا ہے۔ اور
حسب منشاء چٹھی صاحب
چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶
مورخہ ۱۰ ار اگست ۱۸۵۸ء
پروانہ ہذا باظہار خوشنودی
سرکار و نیکنامی و وفاداری
بنام آپ لکھا جاتا ہے۔
مرقومہ تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

ed in his No. 576 Dated 10th August 58. this parwana is addressed to you as a token of satisfaction of Government for your fidelity and repute.

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب
مشفق مہربان دوستان
مرزا غلام قادر رئیس قادیان
حفظہ۔

آپ کا خط ۲ ماہ حال
کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور
اینجانب میں گذرا۔

Translationof Sir Robert Egerton
Financial Commissioners, Murasula
Dated 29 June 1876.

مرزا غلام مرتضےٰ صاحب
آپ کے والد کی وفات سے
ہمکو بہت افسوس ہوا۔
مرزا غلام مرتضیٰ سرکار
انگریزی کا اچھا خیر خواہ
اور وفادار رئیس تھا ہم
آپ کی خاندانی لحاظ سے
اسی طرح عزت کرینگے
جس طرح تمہارے باپ
وفادار کی کیجاتی تھی۔
ہمکو کسی اچھے موقعہ کے
نکلنے پر تمہارے خاندان کی
بہتری اور پابحالی کا خیال
رہے گا۔
المرقوم ۲۹ر جون ۱۸۷۶ء
الراقم سر رابرٹ ایجرٹن
صاحب بہادر فنانشل کمشنر
پنجاب۔

My dear friend Ghulam Qadir.

I have perused your letter of the 2nd instant and deeply regret the death of your father Mirza Gulam Murtaza who was a great well wisher and faithful chief of Government.

In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

(۱۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب پنجاب چیفس میں ہمارے خاندان کے حالات مابعد وفات مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے متعلق ذیل کا نوٹ لکھا ہے:۔
"مرزا غلام مرتضیٰ جو ایک مشہور اور ماہر طبیب تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اسکا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ مرزا غلام قادر لوکل افسران کی امداد کے واسطے ہمیشہ

تیار رہتا تھا اور اسکے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سرٹیفکٹ تھے۔ یہ کچھ عرصہ تک دفتر ضلع گورداسپور میں سپرنٹنڈنٹ رہا ہے۔ اس کا اکلوتا بیٹا صغر سنی میں فوت ہو گیا تھا اور اسنے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنے[1] بنا لیا تھا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ[2] خیال کیا جاتا ہے۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ مرزا سلطان احمد قادیان کا نمبردار ہے مگر نمبرداری کا کام بجائے اسکے اس کا چچا زاد[3] بھائی نظام دین جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا لڑکا ہے کرتا ہے۔ نظام دین کا بھائی امام دین جو ۱۹۰۴ء میں فوت ہوا دہلی کے محاصرہ کے وقت ہاڈسن ہارس میں رسالدار تھا۔ اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا۔

اسجگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد جو غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا تھا مسلمانوں کے ایک بڑے مشہور مذہبی سلسلہ کا بانی ہوا جو احمدیہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء[5] میں پیدا ہوا تھا اور اسکو بہت اچھی تعلیم ملی۔ ۱۸۹۱ء میں اسنے بموجب مذہب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ چونکہ مرزا ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھا اسلئے جلد ہی بہت سے لوگوں کو اسنے اپنا معتقد بنا لیا اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی۔ فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا جن میں اسنے مسئلہ جہاد کی تردید کی اور یقین کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر معتد بہ اثر کیا ہے۔ کئی سال تک مرزا غلام احمد نے بڑی مصیبت کی زندگی بسر کی کیونکہ اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ وہ ہمیشہ مباحثوں اور جھگڑوں مقدموں میں مبتلا رہا لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی اسنے ایسا رتبہ حاصل کر لیا تھا کہ اسکے مخالف بھی اسے عزت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اس سلسلہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بڑا اسکول کھولا ہے اور ایک مطبع جاری کیا ہے جس کے ذریعہ سے سلسلہ کی خبروں کی اشاعت کی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد کا روحانی خلیفہ مولوی نورالدین ہوا ہے جو ایک مشہور طبیب ہے اور چند سال مہاراجہ کشمیر کی ملازمت

ہیں رہ چکا ہے۔ مرزا غلام احمدؑ کے اپنے رشتہ داروں میں سے اسکے مذہب کے پیرو بہت ہی
کم ہیں۔
اس خاندان کو سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے حقوق مالکانہ حاصل
ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فی صدی حقوق تعلقداری ہیں۔"
اقتباس مندرجہ بالا میں مصنف سے بعض غلطیاں واقعات کے متعلق ہوگئی ہیں
جن کی اصلاح ضروری ہے اول یہ کہ لکھا ہے کہ ہمارے طایا صاحب نے مرزا سلطان احمد صاحب
کو متبنّٰی بنا لیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ امر واقع اس طرح پر ہے کہ طایا صاحب کی وفات
کے بعد طائی صاحبہ کی خواہش پر ان کو کاغذات مال میں افسران متعلقہ نے بطور تبنّٰی
درج کر دیا تھا۔ دوسرے مرزا سلطان احمدؐ صاحب کو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی خاندان
کا بزرگ لکھا ہے جو درست نہیں۔ تیسرے مرزا نظام الدین کو مرزا سلطان احمد صاحب کا
چچازاد بھائی لکھا ہے یہ غلط ہے بلکہ مرزا نظام دین چچا تھے۔ چوتھے مرزا نظام دین کو مرزا
غلام محی الدین کا سب سے بڑا لڑکا لکھا ہے یہ غلط ہے۔ سب سے بڑا لڑکا مرزا امام دین تھا۔
پانچویں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کی پیدائش کی تاریخ ۱۸۳۹ء بیان کی ہے
یہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تحقیقات سے صحیح نہیں ثابت ہوتی بلکہ صحیح تاریخ ۱۸۳۶ و ۱۸۳۷ء معلوم
ہوتی ہے۔ چھٹے یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے اپنے رشتہ داروں میں سے بہت ہی کم ان کے
معتقد ہیں۔ یہ بات غلط ہے بلکہ امر واقع یہ ہے کہ شروع شروع میں بے شک بہت سے رشتہ داروں
نے مخالفت کی تھی لیکن کچھ تو تباہ ہو گئے اور بعضوں کو ہدایت ہو گئی چنانچہ اب بہت ہی کم رشتہ دار
آپ کے مخالف رہ گئے ہیں اور اکثر آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے خدام میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں
حضرت مسیح موعود کی ترقی اور کامیابی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کو بہت اچھی تعلیم ملی اور یہ کہ وہ
ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھے یہ غلط ہے کیونکہ ظاہری کسبی علوم کے لحاظ سے حضرت مسیح
موعود علیہ السلام کوئی بڑے عالموں میں سے نہ تھے اور نہ ہی علم مناظرہ میں آپ کو کوئی خاص دسترس
تھی بلکہ شروع شروع میں تو آپ پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے سے بھی گھبراتے تھے
اور طبیعت میں حجاب تھا مگر جب آپ کو خدا نے اس مقام پر کھڑا کیا تو پھر آپ کے اندر وہ طاقت

آگئی کہ آپ کے ایک ایک وار سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کر گر جاتی تھیں اور آپکا ایک ایک لفظ خصم کی گھنٹوں کی... تقریر و تحریر پر پانی پھیر دیتا تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ آپ کو منہاج نبوت پر ایک مقناطیسی جذب دیا گیا تھا جس سے سعید روحیں خود بخود آپ کی طرف کھچی چلی آتی تھیں اور خدا کی طرف سے آپ کو ایک رعب عطا ہوا تھا جس کے سامنے دلیر سے دلیر دشمن بھی کانپنے لگ جاتا تھا اور آپ ایک معجزنما حسن واحسان سے آراستہ کئے گئے تھے۔ اور ہر قدم پر خدائی نصرت وتائید آپ کے ساتھ تھی ورنہ آپ سے زیادہ عالم ومنطقی دنیا میں پیدا ہوئے اور حباب کی طرح اُٹھ کر بیٹھ گئے +

(۱۳۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ جب مرزا امام الدین و مرزا نظام الدین مسجد مبارک کا راستہ دیوار کھینچکر بند کرنے لگے تو حضرت صاحب نے چند آدمیوں کو جن میں مَیں بھی تھا فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور بڑی نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ راستہ بند نہ کریں اس سے میرے مہمانوں کو بہت تکلیف ہوگی اور اگر چاہیں تو میری کوئی اور جگہ دیکھکر بے شک قبضہ کر لیں اور حضرت صاحب نے تاکید کی کہ کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا جاوے۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں ہم گئے تو آگے دونو مرزے مجلس لگائے بیٹھے تھے اور حقے کا دور چل رہا تھا۔ ہم نے جاکر حضرت صاحب کا پیغام دیا اور بڑی نرمی سے بات شروع کی لیکن مرزا امام دین نے سنتے ہی غصہ سے کہا وہ (یعنے حضرت صاحب) خود کیوں نہیں آیا اور میں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں۔ پھر طعن سے کہا کہ جب سے آسمانوں سے وحی آنی شروع ہوئی ہے اس وقت سے اسے خبر نہیں کیا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ چوہدری صاحب کہتے ہیں ہم لوگ اپنا سا منہ لیکر واپس آ گئے۔ پھر حضرت صاحب نے ہمارے ساتھ اور بعض مہمانوں کو ملا دیا اور کہا کہ ڈپٹی کمشنر کے پاس جاؤ اور اس سے جاکر ساری حالت بیان کرو اور کہو کہ ہم لوگ دور دراز سے دین کی خاطر یہاں آتے ہیں اور یہ ایک ایسا فعل کیا جا رہا ہے جس سے ہمکو بہت تکلیف ہوگی کیونکہ مسجد کا راستہ بند ہو جائیگا۔ ان دنوں میں قادیان کے قریب ایک گاؤں میں کوئی سخت واردات ہو گئی تھی اور ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس سب وہاں آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں گئے اور ذرا دُور

یکے ٹھہرا کر آگے بڑھے۔ڈپٹی کمشنر اس وقت باہر میدان میں کپتان کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں۔ اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے نہایت غصہ کے لہجہ میں کہا۔ کہ تم بہت سے آدمی جمع ہو کر مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں اور میں خوب سمجھتا ہوں۔ کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے۔ اور میں تمہاری باتوں سے ناواقف نہیں اور میں اب جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں اور تم کو پتہ لگ جائیگا کہ کسطرح ایسی جماعت بنایا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں ہم ناچار وہاں سے بھی ناکام واپس آگئے اور حضرت صاحب کو سارا ماجرا سنایا۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں۔ کہ ان دنوں میں مخالفت کا سخت زور تھا اور انگریز حکام بھی جماعت پر بہت بدظن تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سازش کے لئے سیاسی جماعت بن رہی ہے۔ اور بٹالہ میں ان دنوں پولیس کے افسر بھی سخت معاند و مخالف تھے اور طرح طرح سے تکلیف دیتے رہتے تھے۔ اور قادیان کے اندر بھی مرزا امام الدین و مرزا نظام الدین وغیرہ اور ان کی انگیخت سے قادیان کے ہندو اور سکھ اور غیر احمدی سخت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے۔ اور قادیان میں احمدیوں کو سخت ذلت اور تکلیف سے رہنا پڑتا تھا اور ان دنوں میں قادیان میں احمدیوں کی تعداد بھی معمولی تھی۔ اور احمدی سوائے حضرت کے خاندان کے کے قریباً سب ایسے تھے جو باہر سے دین کی خاطر ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے یا مہمان ہوتے تھے۔ حضرت صاحب نے یہ حالات دیکھے اور جماعت کی تکلیف کا مشاہدہ کیا تو جماعت کے آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور کہا کہ اب یہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور ہم نے تو کام کرنا ہے۔ یہاں نہیں تو کہیں اور سہی۔ اور ہجرت بھی انبیاء کی سنت ہے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ چوہدری صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس پر پہلے حضرت خلیفہ اول نے نے عرض کیا۔ کہ حضور بھیرہ تشریف لے چلیں۔ وہاں میرے مکانات حاضر ہیں اور کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے سیالکوٹ کی دعوت دی

شیخ رحمت اللہ صاحب نے کہا لاہور میرے پاس تشریف لے چلیں۔میرے دل میں بھی بار بار اُٹھتا تھا۔کہ میں اپنا مکان پیش کردوں۔مگر میں شرم سے رُک جاتا تھا آخر میں نے بھی کہا کہ حضور میرے گاؤں میں تشریف لیچلیں وہ سالم گاؤں ہمارا ہے اور کسی کا دخل نہیں اور اپنے مکان موجود ہیں۔اور وہ ایک ایسی الگ جگہ ہے کہ حکومت کا بھی کم دخل ہے۔اور گویا حکومت بھی اپنی ہے۔حضرت صاحب نے پوچھا وہاں ضروریات مل جاتی ہیں۔ میں نے کہا۔رسد وغیرہ سب گھر کی اپنی کافی ہوتی ہے۔اور ویسے وہاں سے ایک قصبہ تھوڑے فاصلہ پر ہے۔جہاں سے ہر قسم کی ضروریات مل سکتی ہیں۔حضرت صاحب نے کہا اچھا وقت آئیگا تو دیکھا جائیگا جہاں اللہ لیجائیگا وہیں جائینگے۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ ۱۸۸۶ء میں بھی حضرت صاحب نے قادیان چھوڑ کر کہیں باہر جانیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب شحنہ حق میں اس کا تذکرہ لکھا ہے۔

(۱۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے میاں عبداللہ صاحب سنوری کی وہ نوٹ بک یعنی کاپی دیکھی ہے جس میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر ہوشیارپور کا حساب کتاب درج کیا کرتے تھے۔یہ وہی سفر ہے جس میں حضرت صاحب نے چالیس دن کا چلہ کیا اور جس میں آپ کا ماسٹر مرلیدھر آریہ کے ساتھ مباحثہ ہوا۔جس کا سرمہ چشم آریہ میں ذکر ہے۔اس کاپی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود اس سفر سے ۱۷ مارچ ۱۸۸۶ء کو واپس قادیان پہنچے تھے۔حساب کتاب کی پہلی تاریخ کاپی میں یکم فروری ۱۸۸۶ء درج ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب نے حساب کتاب بعد میں لکھنا شروع کیا تھا اور حضرت صاحب ہوشیارپور جنوری کے تیسرے ہفتہ میں ہی پہنچ گئے تھے ورنہ چالیس دن کا چلہ اور اسکے بعد بیس روز کا قیام تاریخہائے مذکورہ میں سما نہیں سکتے علاوہ ازیں میاں عبداللہ صاحب کو یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ ہوشیارپور میں حضرت صاحب نے دو ماہ قیام فرمایا تھا واللہ اعلم۔

کاپی مذکور میں ۱۳ مارچ ۱۸۸۶ء کا حساب حسب ذیل درج ہے:۔ مربی آم۔ اچار۔ دودھ۔ مصری۔ چٹنی۔ گوشت۔ لفافہ۔ پالک۔ دال ماش۔ نمک۔ دھنیا۔ پیاز۔ تھوم

آرد گندم، بسکٹ۔ مرست، تھیلا۔ ریوڑی۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ کاپی میں صرف وہی چیزیں درج نہیں ہوتی تھیں جو حضرت کیلئے آئی ہوں بلکہ سب حساب درج ہوتا تھا خواہ کچھ ہمارے لئے منگایا گیا ہو یا کسی مہمان کے لئے۔

(۱۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ۱۳۰۳ھ ماہ ذی الحج بروز جمعہ بوقت دس بجے حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا خوف ہو اور دل پر اسکے رعب پڑنے کا اندیشہ ہو تو آدمی صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ یٰسین پڑھے اور اپنی پیشانی پر خشک انگلی سے یا عزیز لکھکر اسکے سامنے چلا جاوے انشاء اللہ اس کا رعب نہیں پڑے گا بلکہ اس پر رعب پڑ جائے گا اور ویسے بھی حضرت صاحب نے مجھے ہر روز کے واسطے بعد نماز فجر تین دفعہ یٰسین پڑھنے کا وظیفہ بتایا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان میاں عبداللہ صاحب نے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا ہوا تھا اس لئے تاریخ وغیرہ پوری پوری محفوظ رہی اور خاکسار اپنی رائے سے عرض کرتا ہے کہ یا عزیز کے الفاظ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے قلب پر خدا کی طاقت و جبروت اور قہر و غلبہ کی صفات کا نقشہ جمائیگا اور ان کا تصور کریگا تو لازمی طور پر اس کا قلب غیر اللہ کے رعب سے آزاد ہو جائیگا اور بوجہ اسکے کہ وہ مومن ہے اس کو ان صفات کے مطالعہ سے ایک طاقت ملیگی جو دوسرے کو مرعوب کردیگی اور انگلی سے لکھنا علم النفس کے مسئلہ کے ماتحت تصور کو مضبوط کرنے کے واسطے ہے ورنہ وظائف کوئی منتر جنتر نہیں ہوتے واللہ اعلم۔

(۱۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب میں شروع شروع میں قادیان آیا تو اسکے چند دن بعد ایک بڑا معمر شخص بھی یہاں آیا تھا۔ یہ شخص حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مریدوں میں سے تھا اور بیان کرتا تھا کہ میں سید صاحب مرحوم کے ساتھ حج میں ہمرکاب تھا اور ان کے جنگوں میں بھی ان کے ساتھ رہا تھا اور اپنی عمر قریباً سوا سو سال کی بتاتا تھا قادیان میں آکر اسنے حضرت صاحب کی بیعت کی۔ یہ شخص دیندار تہجد گذار تھا اور باوجود اس پیرانہ سالی کے بڑا مستعد تھا۔ دو چار دن

کے بعد وہ قادیان سے واپس جانے لگا اور حضرت صاحب سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ آپ اتنی جلدی کیوں جاتے ہیں کچھ عرصہ اور قیام کریں اس نے کہا کہ حضور کے واسطے موجب تکلیف نہیں بننا چاہتا حضرت صاحب نے فرمایا نہیں آپ ٹھہریں ہمیں خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں ہے ہم سب انتظام کر سکتے ہیں چنانچہ وہ یہاں ڈیڑہ دو ماہ ٹھہرا اور پھر چلا گیا۔ ایک دفعہ دوبارہ بھی وہ قادیان آیا تھا اور پھر اسکے بعد فوت ہو گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے جب یہ روایت سنی تو اسے بہت عجیب سمجھا کیونکہ ایک شخص کا دو صدیوں کے سر کو پانا اور پھر دو اماموں کی ملاقات اور بیعت سے مشرف ہونا کوئی معمولی بات نہیں چنانچہ مینے اسی شوق میں یہ روایت مولوی شیر علی صاحب کے پاس بیان کی تو انہوں نے کہا کہ مینے بھی اس شخص کو دیکھا ہے۔ اس کا چھوٹا قد تھا اور وہ بہت معمر آدمی تھا اور اسکے بدن پر زخموں کے نشان تھے اور اسنے حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کو صلوٰۃ خوف کے عملی طریقے بتائے تھے اور بتایا تھا کہ کس طرح ہم سید صاحب کے ساتھ لڑائی کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول نے ایک دفعہ درس کے وقت فرمایا تھا کہ مینے ان سے صلوٰۃ خوف کے عملی طریق سیکھے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ صاحب نے بیان کیا کہ یہ شخص چونڈہ ضلع امرت سر کا تھا*

(۱۳۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایکدفعہ ایک شخص نے اپنے اس دعوے سے پنجاب میں بڑا شور پیدا کیا کہ میں جلتی ہوئی آگ میں گھس جاتا ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوتا اور اسنے حضرت صاحب کا بھی نام لیا کہ یہ مسیح بنتا پھرتا ہے کوئی ایسا معجزہ تو دکھائے۔ حضرت صاحب کے پاس اسکی یہ بات پہنچی تو آپنے فرمایا کہ اگر میرے سامنے وہ آگ میں داخل ہو تو پھر کبھی نہ نکلے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول مداریوں کی طرح تماشے نہیں دکھاتے پھرتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حقیقی ضرورت محسوس کرتا ہے تو ان کے ذریعہ کوئی نشان ظاہر فرماتا ہے اور حضرت صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر یہ شخص میرے سامنے آگ میں گھسے تو پھر کبھی نہ نکلے اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ نہ

صرف یہ کہ آگ اسے جلا کر راکھ کردے گی بلکہ اگلے جہان میں بھی وہ آگ ہی کی خوراک رہیگا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ واقعی آگ میں جاتا تھا یا نہیں بہر حال حضرت صاحب تک اس کا یہ دعوے پہنچا تھا جس پر آپ نے یہ فرمایا +

(۱۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں خصوصاً ابتدائی ایام میں قادیان کے لوگوں کی طرف سے جماعت کو سخت تکلیف دیجاتی تھی۔ مرزا امام دین و مرزا نظام دین وغیرہ کی انگیخت سے قادیان کی پبلک خصوصاً سکھ سخت ایذارسانی پر تلے ہوئے تھے اور صرف باتوں تک ایذارسانی محدود نہ تھی بلکہ دنگا فساد کرنے اور زدوکوب تک نوبت پہنچی ہوئی تھی۔ اگر کوئی احمدی مہاجر بھولے سے کسی زمیندار کے کھیت میں رفع حاجت کے واسطے چلا جاتا تھا تو وہ بدبخت اسے مجبور کرتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاخانہ وہاں سے اٹھائے۔ کئی دفعہ معزز احمدی ان کے ہاتھ سے پٹ جاتے تھے اگر کوئی احمدی ڈھاب میں سے کچھ مٹی لینے لگتا تو یہ لوگ مزدوروں سے ٹوکریاں اور کدالیں چھین کر لیجاتے اور ان کو وہاں سے نکال دیتے تھے اور کوئی اگر سامنے سے کچھ بولتا تو گندی اور فحش گالیوں کے علاوہ اسے مارنے کے واسطے تیار ہو جاتے تھے۔ آئے دن یہ شکایتیں حضرت صاحب کے پاس پہنچتیں رہتی تھیں مگر آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ صبر کرو۔ بعض جوشیلے احمدی حضرت صاحب کے پاس آتے اور عرض کرتے کہ حضور ہم کو صرف ان کے مقابلہ کی اجازت دیدیں اور بس پھر ہم ان کو خود سیدھا کر لیں گے۔ حضور فرماتے نہیں صبر کرو۔ ایک دفعہ سید احمد نور مہاجر کابلی نے اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ اور مقابلہ کی اجازت چاہی مگر حضرت صاحب نے فرمایا۔ دیکھو اگر امن اور صبر کے ساتھ یہاں رہنا ہے تو یہاں رہو اور اگر لڑنا ہے اور صبر نہیں کر سکتے تو کابل چلے جاؤ۔ چنانچہ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے معزز احمدی جو کسی دوسرے کی ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ذلیل و حقیر لوگوں کے ہاتھ سے تکلیف اور ذلت اٹھاتے تھے اور دم نہ مارتے تھے مگر ایک دفعہ جب حضرت صاحب کہیں قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے تو احمدیوں کو بھی موقعہ مل گیا۔ چنانچہ قادیان کے لوگوں نے کسی احمدی سے کوئی ایسی

ویسی حرکت کی تو اس نے ان سے کہا کہ تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ ہم تم سے ڈرتے ہیں۔ ہمیں تو حضرت صاحب کا خوف ہے اور وہ آجکل یہاں نہیں ہیں۔ پس اگر اب تم نے کوئی شرارت کی تو پھر ہمیں بھی دیکھ لینا۔ چنانچہ اس نے اپنے مکان کے واسطے ڈھاب کی کچھ بھرتی اٹھائی۔ تو سکھ وغیرہ ایک بڑا جتھا بنا کر اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر اس کے مکان پر حملہ آور ہو گئے پہلے تو احمدی کچھ بچتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے بے گناہ آدمیوں کو مارنا شروع کیا اور مکان کو بھی نقصان پہنچانے لگے۔ تو احمدیوں نے بھی مقابلہ کیا اور ان کو سخت پیٹا اور ان کے کئی آدمی زخمی کر دئے۔ اور احمدیوں میں سے بھی بعض زخمی ہوئے۔ چنانچہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ قادیان کے غیر احمدیوں کو عملاً پتہ لگا کہ احمدیوں کا ڈر ان سے نہیں بلکہ اپنے امام سے ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب جلد ہی قادیان واپس تشریف لے آئے۔ مگر اس دوران میں پولیس نے اس بلوہ کی تحقیقات شروع کر دی تھی اور چونکہ احمدی سراسر مظلوم تھے اور غیر احمدی جتھا بنا کر ایک احمدی کے مکان پر جارحانہ طور پر لاٹھیوں سے مسلح ہو کر حملہ آور ہوئے تھے اس لئے پولیس باوجود مخالف ہونے کے ان کا چالان کرنے پر مجبور تھی جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اب ہتھکڑی لگتی ہے تو ان کے آدمی حضرت صاحب کے پاس دوڑے آئے کہ ہم سے قصور ہو گیا ہے۔ حضور ہمیں معاف کر دیں حضرت صاحب نے معاف کر دیا۔ یہ پہلا دھکا تھا جو قادیان کی غیر احمدی پبلک کو پہنچا۔ اور یہ غالباً سنہ ۱۹۰۶ء کی بات ہے۔ اس کے بعد ان کی شرارتیں تو بدستور جاری رہیں۔ اور اب تک جاری ہیں۔ مگر اب خدا کے فضل سے عموماً یہ ہمت کسی کو نہیں کہ اس طرح کھلم کھلا اذیت پہنچائے۔ کیونکہ اب خدا کے فضل سے قادیان میں احمدیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ جو طبعاً غیر احمدیوں کو ہمارے خلاف جرات کرنے سے روکے رکھتی ہے۔ دوسرے حضرت صاحب کی وفات کے بعد بعض دفعہ غیر احمدیوں کی شرارت کی وجہ سے لڑائی کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور ہر دفعہ غیر احمدیوں کو سخت ذلت اٹھانی پڑی ہے۔ لہذا اب ان کی شرارتیں گھری چال کی صورت میں بدل کر قانون کی آڑ میں آگئی ہیں ÷

67

(۱۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضور کو وسّع مکانک (یعنی اپنا مکان وسیع کر) کا الہام ہوا۔ تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ مکانات بنوانے کے لئے تو ہمارے پاس روپیہ ہے نہیں اس حکم الٰہی کی اس طرح تعمیل کر دیتے ہیں کہ دو تین چھپر بنوا لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے مجھے اس کام کے واسطے امرتسر حکیم محمد شریف صاحب کے پاس بھیجا جو حضور کے پرانے دوست تھے۔ اور جن کے پاس حضور اکثر امرتسر میں ٹھہرا کرتے تھے۔ تاکہ میں ان کی معرفت چھپر باندھنے والے اور چھپروں کا سامان لے آؤں۔ چنانچہ میں جاکر حکیم صاحب کی معرفت امرتسر سے آدمی اور چھپر لے آیا۔ اور حضرت صاحب نے اپنے مکان میں تین چھپر تیار کروائے یہ چھپر کئی سال تک رہے۔ پھر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ یہ بات دعویٰ مسیحیت سے پہلے کی ہے نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ توسیع مکان سے مراد کثرت مہمانان و ترقی قادیان ہے۔

(۱۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے بعد مولوی ثناء اللہ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اس کی دستی خط و کتابت ہوئی تو اس نے ایک دفعہ اپنا ایک آدمی کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے حضرت صاحب کے پاس بھیجا۔ یہ شخص جب مسجد مبارک میں حضرت صاحب کے پاس آیا تو حضرت صاحب اس وقت اٹھ کر اندرون خانہ تشریف لے جا رہے تھے اس نے حضرت صاحب سے کوئی بات پوچھی اور حضرت صاحب نے اس کا جواب دیا۔ جس پر اس نے کوئی سوال کیا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ یہ کام یا یہ بات کون کرے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سوال مجھے یاد نہیں رہا مگر اس پر حضرت صاحب نے اسے فرمایا۔ "تو"۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس دفعہ کے علاوہ کبھی حضرت مسیح علیہ السلام کے منہ سے کسی شخص کو تو کہتے نہیں سنا۔ موافق ہو یا مخالف۔ غریب سے غریب اور چھوٹا سے چھوٹا بھی ہوتا تھا۔ تو

حضرت صاحب اسے ہمیشہ آپ کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے۔ مگر اس وقت اس شخص کو آپ نے خلاف عادت "تو" کا لفظ کہا۔ اور ہم سب نے اس بات کو عجیب سمجھ کر محسوس کیا۔

(۱۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ جب منشی احمد جان صاحب مرحوم لدھیانوی پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے تو حضرت صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے جس طریق کو اختیار کیا ہے اس میں خاص کیا کمال ہے منشی صاحب نے کہا میں جس شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ بے تاب ہو کر زمین پر گر جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا تو پھر نتیجہ کیا ہوا؟ منشی صاحب موصوف کی طبیعت بہت سعید اور ذہین واقع ہوئی تھی بس اسی نکتہ سے ان پر سب حقیقت کھل گئی اور وہ اپنا طریق چھوڑ کر حضرت صاحب کے معتقد ہو گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ قرون اولیٰ کے بعد اسلام میں صوفیوں کے اندر توجہ کے علم کا بڑا چرچا ہو گیا۔ اور اس کو روحانیت کا حصہ سمجھا گیا حالانکہ یہ علم علوم میں سے ایک علم ہے جسے روحانیت یا اسلام سے کوئی خاص تعلق نہیں اور مشق سے ہر شخص کو خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اپنی استعداد کے مطابق حاصل ہو سکتا ہے اور تعلق باللہ اور اصلاح نفس کے ساتھ اسے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن چونکہ نیک لوگ اپنی قلبی توجہ سے دوسرے کے دل میں ایک اثر پیدا کر دیتے تھے جس سے بعض اوقات وقتی طور پر وہ ایک سرور محسوس کرتا تھا اس لئے اسے روحانیت سمجھ لیا گیا اور چونکہ فیج اعوج کے زمانہ میں حقیقی تقویٰ و طہارت اور اصلاح نفس اور تعلق باللہ بالعموم معدوم ہو چکا تھا اور علمی طور پر توجہ کے فلسفہ کو بھی دنیا ابھی عام طور پر نہیں سمجھتی تھی اس لئے یہ باتیں طبقہ صوفیا میں رائج ہو گئیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ ان کا اثر اتنا وسیع ہوا کہ بس انہی کو روحانی کمال سمجھ لیا گیا اور اصل روح جس کی بقا کے واسطے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھکر اس ...... جسم کو ابتدا میں اختیار کیا گیا تھا نظر سے اوجھل اور دل سے محو ہو گئی لیکن مسیح موعود کے زمانہ میں جو آخرین

منہم کا زمانہ ہے حقیقت حال منکشف کی گئی چنانچہ جب حضرت مسیح موعود نے منشی صاحب کو یہ فرمایا کہ اگر آپ نے کسی شخص کو اپنی توجہ سے گرا لیا تو اس کا نتیجہ یا فائدہ کیا ہوا یعنی دینی اور روحانی لحاظ سے اس توجہ نے کیا فائدہ دیا کیونکہ یہ بات تو مشق کے ساتھ ایک دہریہ بھی اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے تو منشی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو پتہ لگ گیا کہ خواہ ہم علم توجہ میں کتنا بھی کمال حاصل کرلیں لیکن اگر لوگ حقیقی تقویٰ وطہارت اور تعلق باللہ کے مقام کو حاصل نہیں کرتے تو یہ بات روحانی طور پر کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ واقعی منہاج نبوت کے مقابلہ میں جس پر حضرت مسیح موعود کو قائم کیا گیا اور جس نے روحانیت کا ایک سورج چڑھا دیا۔ یہ دود آمیز مکدر اور عارضی روشنی جسے بسا اوقات ایک چور بھی لوگوں کے قلوب سے ایمان و اسلام کا اثاثہ چرانے کی نیت سے اپنی سیاہ کاری میں ممد بنا سکتا ہے کب ٹھہر سکتی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے منشی احمد جان صاحب لدھیانوی ایک بڑے صوفی مزاج آدمی تھے اور اپنے علاقہ کے ایک مشہور پیر سجادہ نشین تھے مگر افسوس حضرت صاحب کے دعوئے مسیحیت سے پہلے ہی فوت ہوگئے۔ ان کو حضرت مسیح موعود سے اس درجہ عقیدت تھی کہ ایک دفعہ انہوں نے آپ کو مخاطب کرکے یہ شعر فرمایا ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر ؎ تم مسیحا بنو خدا کے لئے

منشی صاحب موصوف کی لڑکی سے حضرت خلیفہ اول کی شادی ہوئی اور حضرت مولوی صاحب کی سب نرینہ اولاد انہی کے بطن سے ہے۔ منشی صاحب کے دونوں صاحبزادے قادیان میں ہی ہجرت کرکے آگئے ہوئے ہیں اور منشی صاحب کے اکثر بلکہ قریباً سب متبعین احمدی ہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی سید سرور شاہ صاحب منشی صاحب مرحوم سے خود نہیں ملے لہٰذا انہوں نے کسی اور سے یہ واقعہ سنا ہوگا۔

(۱۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری

ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور اُنکے
واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان
آگئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحب نے اندر کہلا بھیجا کہ اور مہمان
آگئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت صاحب کو اندر بلوا بھیجا اور
کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے۔ صرف ان چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا جن کیواسطے
آپ نے کہا تھا مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھہ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا لیکن زردہ
تو بہت ہی تھوڑا ہے اس کا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں صرف
باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم
زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رومال ڈھانک
دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر
کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دیگا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحب کہتے
ہیں کہ زردہ سب کیواسطے آیا اور سب نے کھایا اور پھر کچھہ بچ بھی گیا۔ خاکسار
عرض کرتا ہے کہ جب میاں عبداللہ صاحب نے یہ روایت بیان کی تو مولوی عبدالمغنی
صاحب بھی پاس تھے انہوں نے کہا کہ سید فضل شاہ صاحب نے بھی یہ روایت
بیان کی تھی۔ میاں عبداللہ صاحب نے کہا اچھا تب تو اس روایت کی تصدیق بھی
ہو گئی۔ شاہ صاحب بھی اس وقت موجود ہوں گے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دوسرے
دن میاں عبداللہ صاحب نے مجھہ سے بیان کیا کہ میں نے سید فضل شاہ صاحب سے
پوچھا ہے وہ بھی اس وقت موجود تھے اور ان کو یہ روایت یاد ہے۔ اور میاں عبداللہ
صاحب نے بیان کیا کہ مجھ سے یہ گھر والی بات خود حضرت صاحب نے بیان فرمائی
تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ روایت سنکر حضرت والدہ صاحبہ سے
پوچھا کہ کیا آپ کو یہ واقعہ یاد ہے انہوں نے کہا کہ خاص یہ واقعہ تو مجھے یاد نہیں لیکن
ایسا ضرور ہوا ہوگا کیونکہ ایسے واقعات بارہا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کس طرح
والدہ صاحبہ نے فرمایا یہی کہ تھوڑا کھانا تیار ہوا اور پھر مہمان زیادہ آگئے۔ مثلاً پچاس

کا کھانا ہوا تو سو آگئے۔ لیکن وہی کھانا حضرت صاحب کے دم سے کافی ہو جاتا رہا پھر
حضرت والدہ صاحبہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب
کے واسطے ایک مرغ لایا۔ میں نے حضرت صاحب کے واسطے اس کا پلاؤ تیار کرایا اور
وہ پلاؤ اتنا ہی تہا کہ بس حضرت صاحب ہی کے واسطے تیار کردایا تہا مگر اس دن
اتفاق ایسا ہوا کہ نواب صاحب نے اپنے گھر میں دھونی دلوائی تو نواب صاحب
کی بیوی بچے بھی اِدہر ہمارے گھر آگئے اور حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو
بھی کھانا کھلاؤ۔ میں نے کہا کہ چاول تو بالکل ہی تھوڑے ہیں صرف آپ کیواسطے
تیار کروائے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا چاول کہاں ہیں پھر حضرت صاحب نے
چاولوں کے پاس آکر ان پر دم کیا اور کہا اب تقسیم کردو۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں
کہ ان چاولوں میں ایسی برکت ہوئی کہ نواب صاحب کے سارے گھر نے کھائے
ہمارے سارے گھر نے کھائے اور پھر بڑے مولوی صاحب اور مولوی عبدالکریم
صاحب کو بھی بھجوائے گئے اور قادیان میں اور بھی کئی لوگوں کو دئے گئے۔ اور چونکہ
وہ برکت والے چاول مشہور ہو گئے تھے اس لئے کئی لوگوں نے آآکر ہم سے مانگے اور
ہم نے سب کو تھوڑے تھوڑے تقسیم کئے اور وہ سب کیلئے کافی ہو گئے۔

(۱۴۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی
نے کہ ایک دفعہ جب ابھی حضرت صاحب نے مسیحیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا میں نے
پٹیالہ میں پٹیالہ کے ایک باشندہ محمد حسین کا وعظ سنا۔ یہ شخص اب مرچکا ہے اور
اس کا خاتمہ حضرت صاحب کی مخالفت پر ہوا تہا مگر میں نے سنا کہ وہ لوگوں کو یہ
وعظ کر رہا تہا کہ لوگ جب آنحضرت صلعم کے یہ معجزے سنتے ہیں کہ آپ کی برکت
سے کھانا زیادہ ہو گیا یا تھوڑا سا پانی اتنا بڑھ گیا کہ بہت سے آدمی سیراب ہو گئے
تو وہ حیران ہوتے ہیں اور ان باتوں کا یقین نہیں کرتے حالانکہ خدا کی قدرت سے
یہ باتیں بالکل ممکن ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی بزرگوں اور اولیاء اللہ سے ایسے
خوارق ظہور میں آجاتے ہیں۔ پھر اس نے ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ انبالہ

میں حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کو گیا۔ وہاں اندر سے ان کے واسطے کھانا آیا جو صرف ایک دو آدمیوں کی مقدار کا کھانا تھا۔ مگر ہم سب نے کھایا اور ہم سب سیر ہو گئے حالانکہ ہم دس بارہ آدمی تھے۔ شیخ کرم الٰہی صاحب بیان کرتے تھے کہ دعویٰ مسیحیت پر اس شخص کو ٹھوکر لگی اور وہ مخالف ہو گیا۔ اور اب وہ مر چکا ہے۔

(۱۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقعہ تھا اور ہم لوگ حضرت صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہمانوں کے لئے باسر پلاؤ زردہ وغیرہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آگیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہوگا لیکن دیکھا تو تھوڑا سا خشکہ تھا اور کچھ دال تھی اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا۔ حضرت صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھالیں چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہو گئے۔ حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے تعجب آیا کرتا ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے کا دم بھرنے والے لوگ خوارق کے ظہور کے متعلق کیوں شک کرتے ہیں۔ جب یہ بات مان لی گئی ہے کہ ایک قادر مطلق خدا موجود ہے جس کے قبضہ تصرف میں یہ سارا عالم ہے اور جو اشیاء اور خواصِ اشیاء کا خالق و مالک ہے تو پھر خوارق کا وجود کس طرح مشتبہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خدا جس نے مثلاً کھانے میں یہ خاصیت ودیعت کی تھی کہ اسقدر کھانا ایک آدمی کے لئے کافی ہو کیا وہ اپنی تقدیر خاص سے کسی خاص مصلحت کی بنا پر اس میں وقتی طور پر یہ خاصیت نہیں رکھ سکتا کہ وہی کھانا مثلاً دس آدمی کا پیٹ بھر دے یا بیس آدمی کو سیر کر دے؟ اگر اشیاء کے خواص خدا کی طرف سے قائم شدہ تسلیم کئے جاویں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ بعض مصالح کے ماتحت ان میں وقتی طور پر تغیر تبدل پر خدا کیوں نہیں قادر ہو سکتا اگر وہ قادر مطلق ہے تو ہر اک امر جو قدرت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے اس کے اندر تسلیم کرنا پڑے گا۔

70

اسی طرح باقی تمام صفات کا حال ہے اور یہ جو ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ تقدیر پر ایمان لاؤ تو اس سے مراد یہی ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ نہ صرف یہ کہ خواص الاشیاء تمام خدا کی طرف سے ہیں بلکہ خدا تعالےٰ اپنی تقدیر خاص سے ان میں تغیر تبدل بھی کر سکتا ہے گویا ہم تقدیر عام اور تقدیر خاص ہر دو پر ایمان لائیں یعنی اول ہم یہ ایمان لائیں کہ مثلاً آگ میں جو جلانے کی صفت ہے یہ خود بخود نہیں بلکہ خدائی حکم کے ماتحت ہے اور پھر ہم یہ ایمان لائیں کہ خدا تعلےٰ جب چاہے اس کی اس صفت کو مبدل معطل یا منسوخ کر سکتا ہے اور پھر ہم یہ بھی ایمان لائیں کہ اپنی ہستی کو محسوس و مشہود کرانے کے لئے خدا تعالےٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ بعض اوقات ایسا کرتا بھی ہے اور دنیا کو اپنی تقدیر خاص کے جلوے دکھاتا ہے کیونکہ ایمان باللہ اس کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا بلکہ حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے جب خدائی مصلحت تقاضا کرتی ہے تب ہی کوئی خارق عادت امر ظاہر ہوتا ہے اور پھر اسی طریق پر ظاہر ہوتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے یہ نہیں کہ نشان کا طالب جب چاہے اور جس طریق پر چاہے اسی طریق پر نشان ظاہر ہو۔ خدا کسی کا محتاج نہیں بندے اس کے محتاج ہیں اور ضرورت کا فیصلہ کرنا بھی اسی کا کام ہے۔

(۱۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ ایک دفعہ کسی ہندو نے اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیم پر آگ کس طرح ٹھنڈی ہو گئی۔ اس اعتراض کا جواب حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول نے لکھا کہ آگ سے جنگ و عداوت کی آگ مراد ہے۔ انہی ایام میں ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام چھوٹی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہم لوگ آپ کے پاؤں دبا رہے تھے اور حضرت مولوی صاحب بھی پاس بیٹھے تھے کہ کسی نے حضرت صاحب کو یہ اعتراض اور اسکا جواب جو مولوی صاحب نے لکھا تھا سنایا۔ حضرت صاحب نے فرمایا اس تکلف کی کیا ضرورت ہے ہم موجود ہیں ہمیں کوئی آگ میں ڈال کر دیکھ لے کہ آگ گلزار ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ اعتراض دھرم پال آریہ مرتد از اسلام

نے کیا تھا اور حضرت مولوی صاحب نے اس کی کتاب ترک اسلام کے جواب میں
نورالدین کتاب لکھی تھی۔ اس میں آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ آگ سے مراد مخالفوں کی
دشمنی کی آگ ہے مگر حضرت صاحب تک یہ بات پہونچی تو آپ نے اس کو ناپسند
فرمایا اور فرمایا کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں اس زمانہ میں ہم موجود ہیں ہمیں کوئی
مخالف دشمنی سے آگ کے اندر ڈال کر دیکھ لے کہ خدا اس آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے کہ
نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے ایک دوسرے موقعہ پر اس مفہوم کو اپنے ایک شعر
میں بھی بیان فرمایا ہے شعر ؎

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصان نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے

اور آپ کا ایک الہام بھی اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے خدا تعالےٰ آپ سے فرماتا ہے کہ
کہہ کہ "آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام ہے بلکہ غلاموں کی غلام ہے"
خاکسار عرض کرتا ہے کہ چوہدری حاکم علی صاحب نے اس ذکر میں یہ واقعہ
بھی بیان کیا ۔۔۔۔ کہ ایک دفعہ کسی شخص نے یہ تماشا دکھانا شروع کیا کہ آگ میں
گھس جاتا تھا اور آگ اسے ضرر نہ پہونچاتی تھی۔ اس شخص نے مخالفت کے طور پر حضرت
صاحب کا نام لیکر کہا کہ ان کو مسیح ہونے کا دعوےٰ ہے اگر سچے ہیں تو یہاں آجاویں۔
اور میرے ساتھ آگ میں داخل ہوں۔ کسی شخص نے یہ بات باہر سے خط میں مجھے لکھی
اور میں نے وہ خط حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک شعبدہ
ہے ہم تو وہاں جا نہیں سکتے مگر آپ لکھدیں کہ وہ یہاں آجاوے۔ پھر اگر میرے
سامنے وہ آگ میں داخل ہوگا تو زندہ نہیں نکلے گا۔ چنانچہ میں نے آپ کا یہ جواب
لکھدیا مگر وہ نہیں آیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ نادان لوگ بعض اوقات ایسی باتوں
سے خدائی قدرت نمائیوں کے متعلق شکوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ خدائی
باتوں میں خدائی جلوے ہوتے ہیں جو خدا کے چہرہ کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔
مگر انسان خواہ اپنے علم سے کیا کچھ بنالے مگر پھر بھی حالات کا مطالعہ کرنے والوں کو

انسانی کاموں میں انسان سے بڑھ کر کوئی چہرہ نظر نہیں آسکتا چنانچہ بعض اوقات ایک ہی بات ہوتی ہے مگر جب وہ خدا کی طرف سے آتی ہے تو اور شان رکھتی ہے اور انسان کی طرف سے آتی ہے تو اور رکھتی ہے۔ اسی مثال میں ظاہر ہو رہا ہے کہ کس طرح خدائی قدرت نمائی کے سامنے انسانی طلسم پر پانی پھر گیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ شخص بھی حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے شعبدہ بازوں کی طرح کوئی شعبدہ دکھاتا ہوگا۔ مگر مسیح موعود پر اس معاملہ میں خدا کا فضل موسیٰ سے بڑھکر معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہاں تو انسانی طلسم کو مٹانے کے لئے موسیٰ کو کچھ دکھانا پڑا اور یہاں صرف دکھانے کا نام لینے پر ہی طلسم پاش پاش ہوگیا اور دشمن کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۱۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ جب منارۃ المسیح کے بننے کی تیاری ہوئی تو قادیان کے لوگوں نے افسران گورنمنٹ کے پاس شکائتیں کیں کہ اس منارہ کے بننے سے ہمارے مکانوں کی پردہ دری ہوگی۔ چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک ڈپٹی قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسجد مبارک کے ساتھ والے حجرہ میں ملا۔ اس وقت قادیان کے بعض لوگ جو شکایت کرنے والے تھے وہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ حضرت صاحب سے ڈپٹی کی باتیں ہوتی رہیں اور اسی گفتگو میں حضرت صاحب نے ڈپٹی کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ بڈھا مل بیٹھا ہے آپ اس سے پوچھ لیں کہ بچپن سے لیکر آج تک کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اسے فائدہ پہونچانے کا مجھے کوئی موقعہ ملا ہو اور میں نے فائدہ پہونچانے میں کوئی کمی کی ہو اور پھر اسی سے پوچھیں کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقعہ ملا ہو تو اس نے مجھے تکلیف پہونچانے میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔ حافظ صاحب نے بیان کیا کہ میں اس وقت بڈھا مل کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے شرم کے مارے اپنا سر نیچے اپنے زانوؤں میں لیا ہوا تھا اور اسکے چہرہ کا رنگ سپید پڑ گیا تھا اور وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہیں بول سکا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بڈھا مل قادیان کے آریوں کا ایک ممتاز رکن ہے اور اسلام اور اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے اور آجتک زندہ ا ور ہمارے ہم

فی طغیانھم کا مصداق ہے +

(۱۴۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان فرمایا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے کہ لالہ بھیم سین صاحب سیالکوٹی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت اچھے تعلقات تھے حتّٰی کہ آخری ایام میں بھی مینے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کبھی کچھ روپے کی ضرورت ہوتی تھی تو ان سے بطور قرض منگا لیتے تھے چنانچہ وفات سے دو تین سال قبل ایک دفعہ حضرت صاحب نے لالہ بھیم سین صاحب سے چند سو روپیہ بطور قرض منگایا تھا حالانکہ اپنی جماعت میں بھی روپیہ دیسکنے والے بہت موجود تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لالہ بھیم سین صاحب سے ابتداءً ملازمت سیالکوٹ کے زمانہ میں حضرت صاحب کے تعلقات پیدا ہوئے اور پھر یہ رشتۂ محبت آخر دم تک قایم رہا۔ لالہ صاحب حضرت صاحب کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی روایت ہے کہ جن ایام میں جہلم کا مقدمہ دائر ہوا تھا لالہ بھیم سین صاحب نے حضرت صاحب کو تار دیا تھا کہ میرے لڑکے کو جو بیرسٹر ہے اجازت عنائیت فرادیں کہ وہ آپ کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرے مگر حضرت صاحب نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جس لڑکے کی خدمات لالہ صاحب نے پیش کی تھیں ان کا نام لالہ کنور سین ہے جو ایک لائق بیرسٹر ہیں اور گذشتہ دنوں میں لا کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور آجکل کسی ریاست میں چیف جج کے معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ نیز حضرت خلیفہ المسیح ثانی بیان فرماتے ہیں کہ جو چھت گرنے کا واقعہ ہے اس میں بھی غالبًا لالہ بھیم سین صاحب شریک تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ لالہ بھیم سین صاحب موصوف امتحان مختاری کی تیاری میں بھی حضرت صاحب کے ساتھ شریک تھے چنانچہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر مختار بن گئے مگر آپ کے لئے چونکہ پردہ غیب میں اور کام مقدر تھا اسلئے آپ کو خدا نے اس رستہ سے ہٹا دیا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے لالہ بھیم سین صاحب کی کامیابی کے متعلق بھی حضرت صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ جتنے لوگوں نے امتحان دیا ہے ان میں سے صرف لالہ بھیم سین صاحب پاس ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا +

(۱۴۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنی کتاب حیاۃ النبی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ ملازمت سیالکوٹ کے متعلق مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کی ایک تحریر نقل کی ہے جو میں مولوی صاحب موصوف سے براہ راست تحریری روایت لیکر درج ذیل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف سید میر حامد شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹی کے چچا ہیں اور سیالکوٹ کے ایک بڑے مشہور مولوی ہیں۔ مولوی صاحب مذہباً احمدی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبع نہیں بلکہ سر سید مرحوم کے خیالات کے دلدادہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول و لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے۔ آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کے نانا ڈپٹی مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے انکے بڑے رفیق تھے۔ اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے۔ اسلئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا۔ پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے۔ تو لالہ صاحب ہی تھے۔ اور چونکہ لالہ صاحب طبع سلیم اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے۔ اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔ مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے۔ مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا۔ تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے (جن کا نام پرکسن تھا۔ اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے) محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے۔ اسواسطے مرزا صاحب کو بلا کر حکم دیا۔ کہ جو جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو۔ اور جو جواب وہ دیں اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو

کما حقہ ادا کیا۔ اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔

اس زمانہ میں مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے۔ (اب اس عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہے) کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قایم ہوا۔ کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں۔ ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اسوقت اسسٹنٹ سرجن پنشنر ہیں اُستاد مقرر ہوئے۔ مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں۔

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الایشہ صاحب جو دیسی عیسائی پادری تھے۔ اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے۔ مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا۔ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم۔ اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے۔ مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہد پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے۔ کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا۔ کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے۔ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی۔ جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا۔ اور گنہگار ہوا۔ پس چاہیئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اسپر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ جب پادری صاحب ولائیت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے کچہری تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے

پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا۔ تو پادری صاحب نے جواب دیا۔ کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانیوالا ہوں۔ اسواسطے ان سے آخری ملاقات کرونگا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے۔ اسواسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے۔ اور مراد بیگ نام جالندہر کے رہنے والے تھے۔ مرزا صاحب کو کہا۔ کہ سید احمد خاں صاحب نے توراۃ وانجیل کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ ان سے خط وکتابت کریں۔ اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملیگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔

کچہری کے منشیوں سے شیخ الہ داد صاحب مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت اُنس تھا۔ اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزلت گزین اور بڑے عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے۔ مرزا صاحب کو دلی محبت تھی۔

چونکہ جس بیٹھک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے۔ اور وہ سر بازار تھی۔ اور اس دکان کے بہت قریب تھی۔ جس میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم سامان دواسازی اور دوافروشی اور مطب رکھتے تھے۔ اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہوگیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسواسطے آپنے مختاری کے امتحان کی طیاری شروع کردی۔ اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے پر سچ ہے ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ان دنوں میں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی استاد کی ضرورت تھی۔ جس کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی۔ میںنے ان کی خدمت میں عرض کی۔ آپ درخواست بھیجدیں۔ چونکہ آپ کی لیاقت عربی زباندانی کی نہائت کامل ہے۔ آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائینگے فرمایا:۔

'میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں۔ اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا کرلتے ہیں۔ میں اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم'

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیاء کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ انبیاء سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے۔ اسواسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ لباس کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے۔ جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ:۔

'بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے۔ اور اس میں پردہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اسکی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے۔'

سبنے اس کو پسند کیا۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفاء دیکر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے تشریف لیگئے۔ ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے۔ اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

اسی سال سر سید احمد خان صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ الہداد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے۔ تو اثناء گفتگو میں سر سید صاحب

کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا۔ کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی۔ جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا:۔

"کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں"

جب دوسرے دن وہاں گئے۔ تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سُنے اور سُنکر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی۔ غرضیکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سے متجاوز نہ تھی۔ راقم میر حسن"۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت صاحب نے سیالکوٹ میں ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھی تھیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ انگریزی خواں تھے ایک یا دو کتابیں پڑھنے کا صرف یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ کو حروف شناسی ہوگئی تھی کیونکہ پہلے زمانہ میں جو انگریزی کی پہلی کتاب ہوتی تھی۔ اس میں صرف انگریزی کے حروف تہجی کی شناخت کروائی جاتی تھی اور دوسری کتاب میں حروف جوڑ کر بعض چھوٹے چھوٹے آسان الفاظ کی شناخت کروائی جاتی تھی اور آج کل بھی انگریزی کی ابتدائی ایک دو کتابوں میں قریباً اسی قدر استعداد مدنظر رکھی جاتی ہے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ جب میں غالباً ساتویں جماعت میں تھا۔ تو ایک دفعہ مَیں گھر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس کھڑا تھا اور میرے پاس ایک انگریزی طرز کا قلمدان تھا جس میں تین قسم کی سیاہی رکھی جاسکتی ہے۔ اس میں Red. Copying. Blue کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں یہ قلمدان دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ پڑھنے چاہے۔ مگر مجھے یاد ہے کہ پہلا اور تیسرا تو آپ نے غور کے بعد پڑھ لیا مگر درمیان کے لفظ کے متعلق پڑھنے کی کوشش کی مگر نہیں پڑھ سکے۔ چنانچہ پھر آپ نے مجھ سے وہ لفظ پوچھا اور اس کے معنے بھی دریافت فرمائے غرض معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے مفرد اور آسان الفاظ آپ غور کرنے سے پڑھ سکتے تھے جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کو انگریزی حروف شناسی ہوگئی بس اس سے زیادہ نہیں

دوسرے مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ حضرت صاحب نے سرسید کی تفسیر دیکھی مگر پسند نہیں فرمایا اس کی یہ وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سرسید مرحوم کو ایک لحاظ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور انہیں قوم کا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھتے تھے لیکن سرسید کے مذہبی خیالات کے آپ سخت مخالف تھے۔ کیونکہ مذہبی معاملات میں سرسید کی یہ پالیسی تھی کہ نئے علوم اور نئی روشنی سے مرعوب ہو کر ان کے مناسب حال اسلامی مسائل کی تاویل کر دیتے تھے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ کئی بنیادی اسلامی عقاید مثلاً دعا وحی الہام خوارق معجزات ملائک وغیرہ کے گویا منکر ہی ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرسید کی یہ حالت دیکھکر انہیں اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں نہایت دردمندانہ طریق پر مخاطب کر کے ان کی اس سخت ضرر رسان پالیسی پر متنبہ فرمایا ہے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اول بھی اوائل میں سرسید کے خیالات اور طریق سے بہت متاثر تھے۔ مگر حضرت صاحب کی صحبت سے یہ اثر آہستہ آہستہ دھلتا گیا۔ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم مغفور بھی ابتدا میں سرسید کے بہت دلدادہ تھے چنانچہ حضرت صاحب نے بھی اپنے ایک شعر میں ان کے متعلق اس کا ذکر فرمایا ہے۔ شعر

مدتے در آتش نیچر فرو افتادہ بود
ایں کرامت بیں کہ از آتش بروں آمد سلیم

(۱۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے کہ حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے کسی شخص سے ایک زراعتی کنواں ساڑھے تین ہزار روپیہ میں رہن لیا مگر میں نے اس سے نہ کوئی رسید لی اور نہ کوئی تحریر کروائی اور کنواں بھی اسی کے قبضے میں رہنے دیا کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس سے کنویں کی آمد کا مطالبہ کیا تو وہ صاف منکر ہو گیا۔ اور رہن کا ہی انکار کر بیٹھا۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ مولوی صاحب فرماتے تھے۔ کہ کسی نے یہ خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک

75

پہنچادی اور مولوی صاحب کے نقصان پر افسوس کیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا تمہیں ان کے نقصان کی فکر ہے مجھے ایمان کی فکر ہے مولوی صاحب نے کیوں دوسرے شخص کو ایسی حالت میں رکھا جس سے اس کو بددیانتی کا موقعہ ملا اور کیوں اسلامی حکم کے مطابق اس سے کوئی تحریر نہ لی اور کیوں اس سے باقاعدہ قبضہ نہ حاصل کیا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو قادیان میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابتداء سے ہی گوشہ تنہائی کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن پھر بھی قادیان کے بعض ہندؤں کی آپ سے اچھی ملاقات تھی چنانچہ لالہ شرم پت اور لالہ ملاوامل سلسلہ بیعت سے بہت پہلے کے ملاقاتی تھے ان سے حضرت صاحب کی اکثر مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی اور باوجود متعصب آریہ ہونے کے یہ دونوں آپ سے عقیدت بھی رکھتے تھے اور آپکے تقدس اور ذاتی طہارت کے قائل تھے۔ ابتداءً لالہ ملاوامل کے تعلقات بہت زیادہ تھے چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ کی شادی کے موقعہ پر بھی لالہ ملاوامل حضرت صاحب کے ساتھ دہلی گیا تھا مگر بعد میں اس کا آنا جانا کم ہو گیا کیونکہ یہ سخت متعصب آریہ تھا اور آریوں کو حضرت صاحب کے ساتھ سخت عداوت ہو گئی تھی چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت صاحب کا الہام "یہودا اسکریوطی" ملاوامل ہی کے متعلق ہے۔ مگر لالہ شرم پت کے تعلقات حضرت اقدس کے ساتھ آخر تک قریباً ویسے ہی رہے۔ لالہ ملاوامل اب تک بقید حیات ہے مگر لالہ شرم پت کئی سال ہوئے فوت ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کئی تحریرات میں ان ہر دو کو اپنی بعض پیشگوئیوں کی تصدیق میں شہادت کے لئے مخاطب کیا ہے اور ان کو بار بار پوچھا ہے کہ اگر تم نے میری فلاں فلاں پیشگوئیاں پوری ہوتی مشاہدہ نہیں کیں تو حلف اُٹھا کر ایک اشتہار شائع کرو اور دوسرے آریوں کو بھی اُبھارا ہے کہ ان سے حلفیہ بیان شائع کرواؤ مگر یہ دونوں خاموش رہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الیس اللہ بکاف عبدہٗ والی انگوٹھی تیار کروانی چاہی تو اسکے لئے بھی آپ نے لالہ ملاوامل کو روپیہ دیکر امرت سر بھیجا تھا۔ چنانچہ لالہ ملاوامل امرت سر سے یہ انگوٹھی قریباً

پانچ روپے میں تیار کرواکر لایا تھا۔ حضرت صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ مینے ایسا اسلئے کیا تھا کہ تاکہ لالہ ملاوامل اس الہام کا پوری طرح شاہد ہوجاوے چنانچہ حضرت صاحب نے اپنی کتب میں اس پیشگوئی کی صداقت۔ کے متعلق بھی لالہ ملاوامل کو شہادت کیلئے بلایا ہے +

(۱۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کے بعض شاگردوں کے متعلق بدکاری کا شبہ ہوا اور یہ خبر حضرت صاحب تک بھی جا پہنچی حضور نے حکم دیا کہ وہ طالب علم فوراً قادیان سے چلے جاویں۔ مولوی صاحب ...... نے حضرت صاحب کے سامنے بطور سفارش کہا کہ حضور صرف شبہ ہی کیا گیا ہے کوئی بات ثابت تو نہیں ہوئی۔ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب ہم بھی تو ان کو شرعی حد نہیں لگاتے ہے بلکہ جب ایسی افواہ ہے اور شبہ پیدا ہوا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ احتیاطاً ان کو قادیان سے رخصت کردینا چاہیئے۔ مگر ہم ان پر کوئی شرعی الزام نہیں رکھتے +

(۱۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں مَیں سخت غیر مقلد تھا اور رفع یدین اور آمین بالجہر کا بہت پابند تھا اور حضرت صاحب کی ملاقات کے بعد بھی مینے یہ طریق مدت تک جاری رکھا۔ عرصہ کے بعد ایک دفعہ جب مینے آپکے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کے بعد آپ نے مجھ سے مسکرا کر فرمایا میاں عبداللہ اب تو سنت پر بہت عمل ہوچکا ہے اور اشارہ رفع یدین کی طرف تھا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ اسدن سے مینے رفع یدین کرنا ترک کردیا بلکہ آمین بالجہر کہنا بھی چھوڑ دیا اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مینے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق عمل وہی تھا جو میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض

رفع یدین کرتے ہیں اکثر نہیں کرتے بعض بسم اللہ بالجہر پڑہتے ہیں اکثر نہیں پڑہتے
اور حضرت صاحب فرماتے تھے۔ کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت صلعم سے ثابت
ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت صلعم نے کثرت کے ساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے
جس پر حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(۱۵۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری
نے کہ اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ہی اذان کہا کرتے تھے اور خود ہی
نماز میں امام ہوا کرتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب
امام نماز مقرر ہوئے اور سنا گیا ہے کہ حضرت صاحب نے دراصل حضرت مولوی نورالدین
صاحب کو امام مقرر کیا تھا لیکن مولوی صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب کو کروادیا۔
چنانچہ اپنی وفات تک جو ۱۹۰۵ء میں ہوئی مولوی عبدالکریم صاحب ہی امام رہے۔
حضرت صاحب مولوی عبدالکریم صاحب کے ساتھ دائیں طرف کھڑے ہوا کرتے تھے
اور باقی مقتدی پیچھے ہوتے تھے مولوی عبدالکریم صاحب کی غیر حاضری میں نیز ان کی
وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جمعہ کے متعلق یہ طریق تھا کہ
اوائل میں اور بعض اوقات آخری ایام میں بھی جب حضرت صاحب کی طبیعت اچھی
ہوتی تھی جمعہ بڑی مسجد میں ہوتا تھا جس کو آجکل لوگ مسجد اقصےٰ کہتے ہیں اور مولوی
عبدالکریم صاحب امام ہوتے تھے بعد میں جب حضرت کی طبیعت عموماً ناساز رہتی تھی
مولوی عبدالکریم صاحب حضرت صاحب کیلئے مسجد مبارک میں جمعہ پڑہاتے تھے اور بڑی
مسجد میں حضرت مولوی نورالدین صاحب جمعہ پڑہاتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب
کی وفات کے بعد مسجد مبارک میں مولوی محمد احسن صاحب اور ان کی غیر حاضری میں
مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب امام جمعہ ہوتے تھے اور بڑی مسجد میں حضرت مولوی
نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ حضرت صاحب کی وفات تک یہی طریق رہا۔ عید
کی نماز میں عموماً مولوی عبدالکریم صاحب
اور ان کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب امام ہوتے تھے۔ جنازہ کی نماز حضرت

مسیح موعود علیہ السلام جب آپ شریک نماز ہوں خود پڑھایا کرتے تھے +

(۱۵۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت مسیح موعود نے عید اضحیٰ کے موقعہ پر خطبہ الہامیہ پڑھا تو میں قادیان میں ہی تھا. حضرت صاحب مسجد مبارک کی پرانی سیڑھیوں کے راستہ سے نیچے اتری آگے میں انتظار میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ اسوقت آپ بہت بشاش تھے اور چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا پھر آپ بڑی مسجد کی طرف تشریف لیگئے اور وہاں نماز کے بعد خطبہ شروع فرمایا - اور حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب کو خطبہ لکھنے پر مقرر کر دیا میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب اس خیال سے کہ لکھنے والے پیچھے نہ رہ جاویں بہت تیز تیز نہیں بولتے تھے - بلکہ بعض اوقات لکھنے والوں کی سہولت کے لئے ذرا رک جاتے تھے اور اپنا فقرہ دہرا دیتے تھے اور میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک وقت آپ نے لکھنے والوں سے یہ بھی فرمایا کہ جلدی لکھو - یہ وقت پھر نہیں رہے گا اور بعض اوقات آپ یہ بھی بتاتے تھے کہ مثلاً یہ لفظ ص سے لکھو یا سین سے لکھو -

اور بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ خطبہ کے وقت حضرت صاحب کرسی کے اوپر بیٹھے تھے اور آپ کے ۰۰۰۰ بائیں فرش پر حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول و مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم تھے - جن کو آپ نے خطبہ لکھنے کے لئے مقرر کیا تھا - اور آپ کی آواز عام آواز سے ذرا متغیر تھی اور آواز کا آخری حصہ عجیب انداز سے باریک ہو جاتا تھا اور دوران خطبہ میں آپ نے مولوی صاحبان سے یہ فرمایا تھا - کہ جو لفظ لکھنے سے رہ جاوے وہ مجھ سے ابھی پوچھ لو کیونکہ ممکن ہے بعد میں وہ مجھے بھی معلوم رہے یا نہ رہے - اور مولوی صاحب نے بیان کیا کہ بعد خطبہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ یہ خطبہ میری طرف سے نہ تھا بلکہ میرے دل میں اللہ کی طرف سے الفاظ ڈالے جاتے تھے اور بعض اوقات کچھ لکھا ہوا میرے سامنے آجاتا تھا اور جب تک ایسا ہوتا رہا خطبہ جاری رہا - لیکن جب الفاظ آنے بند ہو گئے خطبہ بند ہو گیا - اور فرماتے

تھے کہ یہ خطبہ بھی ہمارے دوستوں کو یاد کر لینا چاہئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہم اس وقت بچے تھے صرف سات آٹھ سال کی عمر تھی لیکن مجھے بھی وہ نظارہ یاد ہے حضرت صاحب بڑی مسجد کے پرانے حصہ کے درمیانی در کے پاس صحن کی طرف منہ کئے ہوئے تھے اور اسوقت آپ کے چہرہ پر ایک خاص رونق اور چمک تھی اور آپ کی آواز میں ایک خاص درد اور رعب تھا اور آپ کی آنکھیں قریباً بند تھیں۔ یہ خطبہ خطبہ الہامیہ کے نام سے چھپ چکا ہے لیکن اس خطبہ الہامیہ کے صرف پہلے اڑتیس صفحے جہاں باب اول ختم ہوتا ہے اصل خطبہ کے ہیں جو اس وقت حضرت نے فرمایا اور باقی حصہ بعد میں حضرت صاحب نے تحریراً زیادہ کیا تھا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ خطبہ الہامیہ اس عید اضحیٰ میں دیا گیا تھا جو ۱۹۰۰ء میں آئی تھی مگر شائع بعد میں ۱۹۰۲ء میں ہوا۔

(۱۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے متعلق اپنے اشعار میں لکھا ہے کہ ؎

مبارک وہ جواب ایمان لایا ۔ صحابہ سے ملا جب مجھکو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

یعنی مبارک ہے وہ شخص جو اب میری موجودگی میں ایمان لاتا ہے کیونکہ وہ میری صحبت میں آکر صحابہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جو عرفان اور تقوےٰ کی مے صحابہ کرام کو ملی تھی وہی میرے صحابہ کو بھی دی گئی ہے پھر ایک اور موقعہ پر جب عبدالحکیم خان مرتد نے آپ کی جماعت پر کچھ اعتراضات کئے تو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔" آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک حکیم مولوی نور الدین صاحب اس جماعت میں عملی رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں دوسرے ایسے ہیں اور ایسے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ اس افترا کا کیا خدا تعالیٰ کو جواب دینگے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں

اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت اس قدر روتے ہیں کہ انکے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزار ہا بیعت کنندوں میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے ہزار ہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں اور ان کے چہرہ پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ ہاں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنی فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ہزار ہا آدمی دل سے فدا ہیں اگر آج ان کو کہا جائے کہ اپنے تمام اموال سے دست بردار ہو جاؤ تو وہ دست بردار ہو جانے کے لئے مستعد ہیں۔ پھر بھی میں ہمیشہ ان کو اَور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سناتا مگر دل میں خوش ہوں۔"

اسی طرح بعض اور موقعوں پر بھی آپ نے اپنی جماعت کی بہت تعریف کی ہے لیکن بعض نادان اس میں شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں تو ہمیں سب کچھ نظر آتا ہے مگر یہاں بہت کم گویا مقابلتہً کچھ بھی نہیں۔ اس دھوکے کا ازالہ یہ ہے کہ بعض ایسی باتیں ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کی حقیقی قدر پہچانی جانے کی رستہ میں روک ہو رہی ہیں مگر صحابہ کرام کے متعلق وہ روک نہیں ہیں مثلاً:-

اوّل ہمعصریت ہے یعنے ایک ہی زمانہ میں ہونا جس طرح ہموطن ہونا انسان کی حقیقی قدر کے پہچانے جانے کے رستہ میں روک ہوتا ہے جیسے کہ کہا گیا ہے کہ نبی ذلیل نہیں مگر اپنے وطن میں اسی طرح مثلاً پنجابی میں کہاوت ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر ٹھیک اسی طرح ہمعصر ہونا بھی حقیقی قدر کے پہچانے جانے کے رستہ میں ایک بہت بڑی روک ہوتا ہے اور عموماً انسان اپنے زمانہ کے کسی آدمی کی بڑائی کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور یہ تعصب گویا طبعی طور پر انسان کے اندر کام کرتا ہے پس چونکہ اس زمانہ کے لوگوں کیلئے صحابہ کی جماعت تو ایک دور دراز کی بات ہے لیکن

مسیح موعود کی جماعت خود اپنے زمانہ کی ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے ہے اسلئے
وہ بالعموم مسیح موعود کے صحابہ کی قدر پہچان نہیں سکتے ہاں جب یہ زمانہ گذر جائیگا اور
مسیح موعود کی جماعت ایک گذشتہ کی چیز ہو جائیگی تو پھر دیکھنا کہ آئندہ نسلوں میں
یہی جماعت کس نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ عموماً اسلامی تاریخ سے تفصیلی طور پر واقف نہیں مگر
یہاں کی باتیں وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ کی جماعت کے متعلق لوگوں
کا علم عموماً واعظوں کے وعظوں سے ماخوذ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ واعظ اپنی بات میں اثر
پیدا کرنے کے لئے عموماً خاص خاص موقعوں کی خاص خاص باتوں کو سجا سجا کر بیان
کرتا ہے مگر لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اس جماعت کے سارے افراد سارے حالات میں
اسی رنگ میں رنگین تھے اور اسی کے مطابق وہ اپنے ذہن میں نقشہ جما لیتے ہیں اور پھر وہ
مسیح موعود کی جماعت کو بھی اسی معیار سے ناپتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس میں شک
نہیں کہ صحابہ کرام جیسا اعلیٰ نمونہ نہ پہلی کسی امت میں نظر آتا ہے نہ اب تک بعد میں کہیں
ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا یعنی بحیثیت مجموعی مگر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کی جماعت
میں بھی بعض کمزوریاں تھیں اور کمزوریاں بھی مختلف اقسام کی نظر آتی ہیں مگر اس سے صحابہ کے تقدس
پر بحیثیت مجموعی کوئی حرف گیری نہیں ہو سکتی اور صحابہ کا بے نظیر ہونا بہر حال ثابت
ہے (اے اللہ تو مجھے آنحضرت صلعم اور مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس جماعتوں پر
حرف گیری کرنے سے بچا اور مجھے ان کے پاک نمونہ پر چلنے کی توفیق دے)۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کے حالات تو اجتماعی حیثیت میں منضبط اور مدوّن طور پر
ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن باوجود ہمعصر ہونے کے مسیح موعود کے صحابہ کے حالات
ابھی تک ہمارے سامنے اس طرح موجود نہیں ورنہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح موعود کے
صحابہ میں بھی بے شمار ایسے اعلیٰ نمونے موجود ہیں کہ جن کے مشاہدہ سے ایمان تروتازہ ہو جاتا
ہے۔ جب اسلامی تاریخ کی طرح مسیح موعود علیہ السلام اور آپکے صحابہ کے حالات جمع ہو کر
منضبط اور مدون ہونگے اسوقت انشاء اللہ حقیقت حال منکشف ہوگی۔ جو تفصیلی

حالات صحابہ کرام کے بحیثیت مجموعی ہم کو معلوم ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ خود صحابہ کو بھی معلوم نہیں تھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہر اک زمانہ کی مختلف خصوصیات اور مختلف حالات ہوتے ہیں صحابہ کو مشیت ایزدی سے ایسے جسمانی مواقع پیش آئے جن سے راسخ الایمان لوگوں کا ایمان چمکا اور دنیا میں ظاہر ہوا۔ مگر مسیح موعود کی جماعت کیلئے اس قسم کے ابتلا مقدر نہیں تھے ورنہ ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ان کا ایمان بھی علیٰ قدر مراتب اسی طرح چمکتا اور ظاہر ہوتا مسیح موعود کے صحابہ میں سے صرف دو آدمیوں پر وہ وقت آیا کہ خدا کی راہ میں ان سے ان کی جان کی قربانی مانگی گئی اور دنیا دیکھ چکی ہے کہ انہوں نے کیا نمونہ دکھایا۔

پانچویں وجہ یہ ہے جسکو لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کسی قوم کے درجہ اصلاح کا اندازہ کرنے کے لئے ان مخالف طاقتوں کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جو اس قوم کو ایمان کے راستہ میں پیش آتی ہیں اگر ایک قوم کے مقابل میں مخالف طاقتیں نہائت زبردست اور خطرناک ہیں تو اس کا ایمان کے راستہ میں نسبتہً تھوڑی مسافت طے کرنا بھی بڑی قدر و منزلت رکھتا ہے پس صرف یہ دیکھنا کافی نہیں کہ فلاں قوم ایمان کے رستہ پر کس قدر ترقی یافتہ ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اسنے یہ ترقی کن مخالف طاقتوں کے مقابل پر کی ہے پس اس لحاظ سے دیکھیں تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کی جماعت کی اصلاح واقعی معجز نما ہے کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ اس زمانہ میں جو مخالف طاقتیں ایمان کے مقابلہ میں کام کر رہی ہیں اس کی نظیر گذشتہ زمانوں میں نہیں پائی جاتی حتیٰ کہ خود سرور کائنات کے زمانہ سے بھی اس زمانہ کے فتن بڑھکر ہیں کیونکہ یہ دجال کا زمانہ ہے جسکے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ سب نبی اس سے ڈراتے آئے ہیں اور خود آنحضرت صلعم نے بھی اس سے اپنی اُمّت کو بہت ڈرایا ہے اور اس بات پر اجماع ہوا ہے کہ دجالی فتنہ سب فتنوں سے بڑھکر ہے اور واقعی جو مادیت اور دہریت اور دنیا پرستی کی زہریلی ہوائیں اس زمانہ میں چلی ہیں ایسی پہلے کبھی نہیں چلیں اور مذاہب باطلہ و علوم مادی کا جو زور اس زمانہ میں ہوا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا پس ایسے خطرناک زمانہ میں مسیح موعود علیہ السلام کا

ایک ایسی جماعت تیار کر لینا جو واقعی حقیقی ایمان پر قایم ہے اور اعمال صالحہ بجالاتی ہے اور تمام مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہے ایک بے نظیر کامیابی ہے بے شک آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ایمان کے رستہ پر شیطان کے شمشیر بر دار سپاہی موجود تھے اور یہ ایک بہت بڑی روک تھی کیونکہ مومن کو خون کی نہریں سے گذر کر ایمان کی نعمت حاصل کرنی پڑتی تھی مگر یہاں ایمان کے رستہ پر شیطان لے نہ صرف یہ کہ اپنی ساری فوجیں جمع کر رکھی ہیں بلکہ اس نے ایسے سپاہی مہیا کئے ہیں جو نظر نہیں آتے مگر راہ گیروں سے ایمان کی پونجی لوٹتے چلے جا رہے ہیں اور سوائے روحانی طاقتوں کے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس مسیح موعود کی کامیابی ایک واقعی بے نظیر کامیابی ہے مگر یہ کامیابی بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کامیابی ہے کیونکہ شاگرد کی فتح استاد کی فتح ہے اور خادم کی فتح آقا کی فتح - لہٰذا ان حالات میں اگر مسیح موعود کی جماعت میں کوئی کمی بھی ہے تو وہ بحیثیت مجموعی جماعت کی شان کو کم نہیں کرتی -

چھٹی وجہ یہ ہے کہ انسانی دماغ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ جب تک کوئی شخص زندہ ہے اس کا حسن مخفی رہتا ہے اور کمزوریاں زیادہ سامنے آتی ہیں یعنی عموماً تصویر کا کمزور پہلو ہی زیادہ مستحضر رہتا ہے لیکن اسکے مرنے کے بعد معاملہ برعکس ہو جاتا ہے یعنی مرنے کے بعد متوفی کی خوبیاں زیادہ چمک اُٹھتی ہیں اور زیادہ یاد رہتی ہیں اور کمزوریاں مدھم پڑ جاتی ہیں اور یاد سے محو ہو جاتی ہیں - پس مسیح موعود کی جماعت کا بھی یہی حال ہے - جب وہ وقت آئیگا کہ مسیح موعود کے صحابہ گذر جائینگے تو پھر ان کا اخلاص اور ان کی قربانیاں چمکینگی اور وہی یاد رہ جائینگی اور کمزوریاں مٹ جائینگی اور ہم خود اس بات کو عملاً محسوس کر رہے ہیں کیونکہ جو احباب ہمارے فوت ہو چکے ہیں ان کی خوبیاں ہمارے اندر زیادہ گہرا نقش پیدا کر رہی ہیں بمقابلہ ان کے جو بقید حیات ہیں اسی طرح گزرے ہوئے دوستوں کی کمزوریاں ہمارے ذہنوں میں کم نقش پیدا کرتی ہیں بمقابلہ ان کے جو ہم میں زندہ موجود ہیں - اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ صحابہ میں بھی یہی احساس تھا -

ساتویں وجہ یہ ہے کہ لوگ عموماً اسبات کو نہیں سمجھتے کہ انفرادی اصلاح اور جماعت کی اجتماعی اصلاح میں فرق ہے اور دونو کا معیار جدا ہے کسی جماعت کو اصلاح یافتہ قرار دینے کیلئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسکے سارے افراد اصلاح یافتہ ہوں بلکہ جس قوم کے اکثر افراد نے اپنے اندر تبدیلی کی ہے اور اپنے اندر ایمان اور صلاحیت کا نور پیدا کیا ہو وہ اصلاح یافتہ کہلائیگی خواہ اسکے بعض افراد میں اصلاح نہ نظر آئے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ کسی جماعت کے اصلاح یافتہ افراد سب کے سب ایک درجہ صلاحیت پر قائم ہوں بلکہ مدارج کا ہونا بھی متحقق ہے۔ لہذا بحیثیت مجموعی جماعت کی حالت کو دیکھنا چاہیئے اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مختلف افراد کے فطری قوی اور فطری استعدادیں الگ الگ ہوتی ہیں پس سب سے ایک جیسی اصلاح متوقع نہیں ہوسکتی اور نہ کسی جماعت میں ہم کو اسکے سب افراد ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لہذا ہمارا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ ایک انسانی جماعت سے جس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں کس درجہ کی اصلاح کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کمزور لوگ خواہ جماعت میں بہت ہی تھوڑے ہوں مگر نظر زیادہ آتے ہیں کیونکہ بدی آنکھ میں کھٹکتی ہے اور نیکی بوجہ لطافت کے سوائے لطیف حس کے عموماً محسوس نہیں ہوتی میںنے دیکھا ہے کہ ہزاروں میں اگر پانچ دس بھی شریر ہوں تو عموماً لوگوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ گویا اکثر شریر ہی ہیں اور بھلے مانس کم ہیں کیونکہ شریر اپنی شرارت کی وجہ سے نمایاں ہوجاتا ہے اور اسکی طرف لوگوں کی نظر فوراً اٹھتی ہے۔ دیکھ لو آنکھ میں ہوا ہر وقت بھری رہتی ہے مگر آنکھ اسے محسوس نہیں کرتی لیکن اگر اس میں ایک چھوٹا سا تنکا بھی پڑجاوے تو قیامت برپا کردیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت گذر جاتا ہے یعنی وہ جماعت فوت ہوجاتی ہے تو پھر ایسا ہوتا ہے کہ گویا آنکھ کا تنکا نکل گیا اور صرف لطیف اور خنک ہوا آنکھ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے باقی رہگئی۔ مجھے یاد ہے کہ میرے سامنے ایک دفعہ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ قادیان کے احمدیوں میں سے اکثر لوگ برے ہیں میںنے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اسنے کہا کہ نہیں میں خوب جانتا ہوں۔

میں نے اسے کہا کہ اکثر کا برا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کم از کم ساٹھ ستر فی صدی تو بُرے ہونگے
اس نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ ہیں میں نے اسے کہا کہ منہ سے کہدینا آسان ہے مگر ثابت
کرنا مشکل تم مجھے صرف دس فی صدی بتا دو چلو پانچ فیصدی بتا دو اور میں تمہیں انعام
دونگا مگر وہ ایک شرمندہ انسان کی طرح ہنسکر خاموش ہو گیا۔ اگر اس طرح منہ سے کہدینا ہی
کافی ہو تو مشرکین اور یہود بھی صحابہ کرام کے متعلق کیا کچھ نہ کہتے ہونگے۔
نویں وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تو منافق
ہوتے تھے لیکن احمدیوں میں منافق کوئی نہیں بلکہ جو بھی احمدی کہلاتا ہے وہ سچا مومن
ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ جس طرح صحابہ کے زمانہ میں منافق ہوتے تھے اسی طرح
اب بھی ہیں اور یہ خیال کہ وہ تلوار کا زمانہ تھا..... اس لئے اس میں نفاق ممکن تھا لیکن
اس آزادی کے زمانہ میں نفاق نہیں ہو سکتا ایک نادانی کا خیال ہے کیونکہ اول تو
اس سے نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ اُس وقت گویا اسلام کے لئے اکراہ ہوتا تھا جو ایک
بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے دوسرے اگر بفرض محال تلوار کا ڈر ہو بھی تو پھر کیا دنیا میں
بس صرف تلوار ہی ایسی چیز رہ گئی ہے جو طبائع پر دباؤ ڈال سکے کیا کوئی اور ایسی چیز نہیں
جو کمزور انسان کو خلاف ضمیر کرنے پر آمادہ کر دے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جتنا نفاق آجکل
روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جاتا ہے ایسا شائد ہی کسی گذشتہ زمانہ میں ہوا ہو غرض
یہ غلط ہے کہ آجکل منافق نہیں ہوتے اور ہم عملاً دیکھ رہے ہیں کہ احمدی کہلانے والوں
میں بھی منافق پائے جاتے ہیں جن میں سے کسی نے کسی وجہ سے نفاق اختیار کیا ہے تو کسی نے
کسی وجہ سے۔ تو اب جبکہ بات کھل گئی کہ احمدیوں میں بھی منافق موجود ہیں تو کوئی وجہ
نہیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے مسلمان کہلانے والوں میں اگر ہم کو کوئی برے نمونے نظر
آویں تو ہم ان کو منافق کہکر صحابہ کو ان سے الگ کر لیں لیکن احمدی کہلانے والوں میں
سے جو لوگ احمدیت کی تعلیم کے خلاف نمونہ رکھتے ہیں اور اپنی روش پر عملاً مصر ہیں ان کو
ہم منافق نہ سمجھیں اور مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں شمار کریں اور اس طرح ظلم کے
ساتھ مسیح موعود کی جماعت کو بدنام کریں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص سے بھی کمزوری

سترز دہوتی ہو وہ منافق ہی جا شار ہو گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب جماعت میں منافق بھی موجود ہیں تو ہر اس شخص کو جس کا طریق احمدیت کی تعلیم کے خلاف ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپکو احمدی کہلاتا ہے خواہ نخواہ مومنین کی جماعت میں نہ سمجھنا چاہیئے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس اصول کے ماتحت افراد کے متعلق کوئی حکم لگائیں کیونکہ یہ طریق فتنہ کا موجب ہو مگر ہاں بحیثیت مجموعی جماعت کے متعلق رائے لگاتے ہوئے اس اصول کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ تو دوسرے مسلمانوں سے صاف ممتاز نظر آرہے ہیں کیونکہ تدوین تاریخ سے ہمکو ابتدائی مسلمانوں کے متعلق یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ یہ صحابی ہے اور یہ صحابی نہیں اور صرف کسی شخص کا نام سامنے آنے سے ہم کو یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ صحابی ہے یا نہیں لیکن یہاں مسیح موعود کے صحابی اور غیر صحابی سب ملے جلے ہیں اور سوائے خاص خاص لوگوں کے عام طور پر پتہ نہیں لگتا کہ فلاں احمدی حضرت مسیح موعود کا صحبت یافتہ ہے یا نہیں اور اس میں دو طرح کا اشکال ہے یعنی اول تو عموماً لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ فلاں احمدی حضرت مسیح موعود کے زمانہ کا احمدی ہے یا بعد کا پھر اگر یہ پتہ بھی ہو کہ وہ آپ کے زمانہ کا احمدی ہے تو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ آپ کا صحبت یافتہ ہے یا نہیں اور ظاہر ہے کہ صحابی وہی کہلا سکتا ہے جو صحبت یافتہ ہو ہر شخص جو نبی کے زمانہ میں ایمان لاتا ہے صحابی نہیں ہوتا چنانچہ دیکھو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قریباً سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا تو کیا سارے عرب صحابی بن گئے تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ صحابی صرف وہی لوگ سمجھے جاتے تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کی صحبت اُٹھائی تھی اور اگر سب کو صحابی سمجھا جاوے تو وہ رائے جو اب ہم صحابہ کے متعلق رکھتے ہیں یقیناً اس مقام پر نہیں رہسکتی جس پر کہ وہ اب ہے پس صحابی صرف وہی ہے جس نے صحبت اُٹھائی ہو مگر یہاں نہ صرف یہ کہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے سب احمدی ملے جلے ہیں اور لوگوں کو انکی درمیان کسی امتیاز کا علم نہیں بلکہ آپ کی وفات کے بعد احمدی ہونے والے بھی ان کے ساتھ مخلوط ہیں پس اندریں حالات مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق جب تک ان کا الگ علم

نہ ہو کس طرح کوئی رائے لگائی جا سکتی ہے یا موجودہ جماعت کی عام حالات سے صحابہ مسیح موعود کے متعلق کس طرح استدلال ہو سکتا ہے۔ ہاں جب تاریخی رنگ میں حالات جمع ہونگے اور صحابہ مسیح موعود کی جماعت ممتاز نظر آئیگی تو پھر حالت کا اندازہ ہو سکیگا۔

گیارہویں وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اس واسطے جماعت احمدیہ کے متعلق بدظنی کے مرتکب ہو جاتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے بعض اوقات جماعت کی کمزوریوں کا اظہار کیا ہے اور جماعت کو اس کی حالت پر زجر و توبیخ کی ہے مگر یہ بھی ایک دھوکا ہے کیونکہ جس طرح واعظ کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ گذشتہ لوگوں کے خاص خاص کارنامے چنکر مؤثر پیرایہ میں لوگوں کو سنائے تا ان کو نیکی کی تحریک ہو اسی طرح اس کا یہ بھی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخاطبوں کی کمزوریوں کو کھول کھولکر بیان کرے تا ان کو اپنی کمزوری کا احساس ہو اور وہ ترقی کی کوشش کریں۔ واعظ عموماً اپنے مخاطبین کی خوبیوں کا ذکر نہیں کرتا بلکہ کمزوریوں کو لیتا ہے اور ان کو بھی ایسے رنگ میں بیان کرتا ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کی حالت بالکل ناقابل اطمینان ہے تا وہ اپنی اصلاح کی بڑھ چڑھکر کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خط عبدالحکیم خان مرتد کو لکھا اس میں آپ نے اس نکتہ کو بیان فرمایا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔ "میں ہمیشہ ان کو اور ترقیات کیلئے ترغیب دیتا ہوں اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سناتا مگر دل میں خوش ہوں" حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ عام طور پر آنحضرت صلعم کا بھی یہی طریق تھا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا خلیفہ اول یا خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما یا بعض دیگر بزرگان سلسلہ کے بعض بیانوں سے جماعت کے متعلق کوئی اس رنگ میں استدلال نہیں ہو سکتا جو جماعت کی شان کے منافی ہو۔ ہاں بعض بزرگوں کا میلان طبع جو اس طرف ہے کہ وہ ہمیشہ صرف کمزور پہلو پر ہی زور دیتے ہیں اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ اور نامناسب طریق پر یہ بھی خاکسار کی رائے میں درست طریق نہیں کیونکہ اس طرح جماعت اپنی نظروں میں آپ ذلیل ہو جاتی ہے اور اس کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ پس ان معاملات میں حکیمانہ طریق پر اعتدال کا رستہ اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرت مسیح موعود کا طریق تھا یا اب حضرت خلیفہ ثانی کا طریق ہے۔ ایمانی ترقی کے لئے بیم و رجا کی درمیانی حالت ہی مناسب

رہتی ہے۔

بارھویں وجہ یہ ہے کہ لوگ صحابہ کے متعلق تو یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے مگر مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق ان کو بزعم خود کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی مگر یہ بھی ایک دھوکا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود کے الہامات کا مطالعہ کیا جاوے تو ان میں بھی آپ کے صحابہ کی بہت تعریف پائی جاتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کسی الگ تعریف کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں صحابہ کی تعریف پائی جاتی ہے وہاں بنص صریح وآخرین منہم لما یلحقوا بھم یہ بھی تو بتا گیا ہے کہ مسیح موعود کے صحابہ آنحضرت صلعم کے صحابہ میں شامل ہیں اور انہی کا ایک حصہ ہیں۔ اور اس آیت کی تفسیر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں متعدد جگہ فرمائی ہے چنانچہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں اور اسپر نص قطعی آیت کریمہ وآخرین منہم لما یلحقوا بھم ہے۔ تمام اکابر مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہونگے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت صلعم سے فیض اور ہدایت پائینگے پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا تو اس صورت میں آنحضرت صلعم کا ایک اور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا۔"

پھر حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ٦٧ پر فرماتے ہیں:- "وآخرین منہم لما یلحقوا بھم یعنے آنحضرت کے اصحاب میں سے ایک اور فرقہ ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اصحاب وہی کہلاتے ہیں جو نبی کے وقت میں ہوں اور ایمان کی حالت میں اس کی صحبت سے مشرف ہوں اور اس سے تعلیم و تربیت پاویں پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنیوالی قوم میں ایک نبی ہوگا کہ وہ آنحضرت صلعم کا بروز ہوگا اسلئے اسکے اصحاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے اصحاب کہلائینگے اور جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے رنگ میں .... خدا تعالےٰ کی راہ میں دینی خدمتیں ادا کی تھیں وہ اپنے رنگ میں ادا کرینگے "

پس جب خداوند عالمیان جو عالم الکل ہے اور جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں مسیح موعود کی جماعت کو آنحضرت صلعم کے صحابہ میں داخل کرتا ہے اور ان کی تعریف فرماتا ہے تو زید و بکر کو اس میں چہ میگوئی کرنیکا کیا حق ہے۔ اللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

تیرہویں وجہ یہ ہے جسے لوگ عموماً نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جماعت کی ترقی کیلئے ایک خاص طریق مقدر کر رکھا ہے اور قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے کہ مسیح موعود کی جماعت کی ترقی آہستہ آہستہ مقدر ہے جیساکہ فرمایا کزرع اخرج شطئہ الخ یعنے مسیح موعود کی جماعت کی ترقی اس پودے کی طرح ہے جو شروع شروع میں زمین سے اپنی کمزور کمزور پتیاں نکالتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود اپنی کتاب اعجاز المسیح صفحہ ۱۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ: " فاشار موسیٰ بقولہ اشداء علے الکفار الی صحابۃ ادرکوا صحبۃ نبینا المختار .... واشار عیسےٰ بقولہ کزرع اخرج شطاءہ الی قوم آخرین منھم وامامھم المسیح بل ذکر اسمہ احمد بالتصریح۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام نے اشداء علی الکفار کے الفاظ کہکر صحابہ کیطرف اشارہ کیا جنہوں نے ہمارے آنحضرت صلعم کی صحبت پائی .... اور عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے قول کزرع اخرج شطاءہ سے اس قوم کی طرف اشارہ کیا جو آخرین منہم ہے اور نیز ان کے امام مسیح موعود کی طرف اشارہ کیا بلکہ اس کا تو نام احمدؐ بھی صاف صاف بتلا دیا " اس سے پتہ لگا کہ مسیح موعود کی جماعت کی ترقی انقلابی رنگ میں مقدر نہیں بلکہ تدریجی رنگ میں مقدر ہے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح جسمانی بیماریاں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں اسی طرح اخلاقی اور روحانی بیماریاں بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو سخت تکلیف دہ ہوتی ہیں اور بیمار کو نہائت بے تاب کر دیتی ہیں مگر مناسب علاج سے وہ جلد ہی دُور بھی ہو جاتی ہیں اور وہ بیمار جو اس بیماری کی وجہ سے سخت مضطربانہ کرب میں مبتلا تھا جلد بھلا چنگا ہو کر چلنے پھرنے لگجاتا ہے

لیکن اسکے مقابل میں بعض بیماریاں ہوتی ہیں جو ایک روگ کے طور پر انسان کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہیں اور گو بیمار ان سے وہ مضطربانہ دکھ نہیں اُٹھاتا مگر اندر ہی اندر تحلیل ہوتا چلا جاتا ہے اور ان میں کوئی فوری علاج بھی فائدہ نہیں دیتا بلکہ ایک بڑا لمبا باقاعدہ علاج ان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مقدم الذکر کی مثال یوں سمجھنی چاہئے جیسے ایک بڑا پھوڑا ہو جس میں پیپ پڑی ہوئی ہو اور بیمار اسکے درد سے بے تاب ہو مگر ڈاکٹر نے چیرا دیا پیپ نکل گئی درد دور ہو گئی اور بیمار دو چار دن کی مرہم پٹی میں بھلا چنگا ہو کر چلنے پھرنے لگ گیا اور موخر الذکر کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کو سل کی بیماری ہو۔ یہ بیمار پھوڑے کے بیمار کی طرح کرب اور دکھ میں مبتلا نہیں مگر اندر ہی اندر گھلتا چلا جاتا ہے اور اسے مقدم الذکر کی طرح کوئی فوری علاج بھی فائدہ نہیں دیسکتا بلکہ ایک لمبا باقاعدہ علاج کا کورس درکار ہوتا ہے پس چونکہ اس زمانہ کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں سل کی بیماری کے مشابہ ہیں اسلئے اس زمانہ میں علاج کے نتیجے بھی فوراً ظاہر نہیں ہو سکتے بلکہ وقت چاہتے ہیں۔ اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جو مسیح موعود کے صحابہ کے متعلق کزرع اخرج شطاءہ فرمایا ہے تو اس سے صرف ان کی تعدادی ترقی کی حالت بتانا مقصود نہیں بلکہ ہر قسم کی ترقی کی کیفیت بتانا مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔

پس اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف جلد قدم نہیں اُٹھانا چاہئے۔

یہ تیرہ وجوہ ہیں جو عموماً صحابہ مسیح موعود کی حقیقی قدر پہچانی جانے کے رستہ میں روک ہوتے ہیں۔ مینے ان کو صرف مختصراً بیان کیا ہے اور بعض کو تو دیدہ دانستہ نہائت ہی مختصر رکھا ہے اور خدا گواہ ہے کہ میں اس نازک مضمون میں ہرگز نہ پڑتا اور یہ تو غالباً اس کا ایسا موقعہ بھی نہ تھا مگر مینے دیکھا ہے کہ یہ باتیں لوگوں کو دھوکے میں ڈال رہی ہیں اور اس دھوکے کا اثر وسیع ہو رہا ہے اسلئے میں خاموش نہیں رہسکا۔ ہاں یہ بات نوٹ رہے کہ جس طرح ہم بفضلہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کو سب اولین و آخرین سے افضل جانتے ہیں اسی طرح آپ کی جماعت کو بھی تمام جماعتوں سے افضل مانتے ہیں۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارك وسلم۔

(۱۵۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمدؐ بیمار ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دن رات اس کی تیمارداری میں مصروف رہتے تھے اور بڑے فکر اور توجہ کے ساتھ اسکے علاج میں مشغول رہتے تھے اور چونکہ حضرت صاحب کو اس سے بہت محبت تھی اسلئے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر خدانخواستہ وہ فوت ہو گیا تو حضرت صاحب کو بڑا سخت صدمہ گذریگا لیکن جب وہ صبح کے وقت فوت ہوا تو فوراً حضرت صاحب بڑے اطمینان کے ساتھ بیرونی احباب کو خطوط لکھنے بیٹھ گئے کہ مبارک فوت ہو گیا ہے اور ہم کو اللہ کی قضا پر راضی ہونا چاہئیے اور مجھے بعض الہاموں میں بھی بتایا گیا تھا کہ یا یہ لڑکا بہت خدا رسیدہ ہوگا اور یا بچپن میں فوت ہو جائیگا سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہئیے کہ خدا کا کلام پورا ہوا۔ اور حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مبارک احمد فوت ہونے لگا تو وہ سویا ہوا تھا حضرت خلیفہ اول نے اس کی نبض دیکھی تو غیر معمولی کمزوری محسوس کی جس پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نبض میں بہت کمزوری ہے کچھ کستوری دیں حضرت صاحب جلدی سے صندوق میں سے کستوری نکالنے لگے مگر مولوی صاحب نے پھر کہا کہ حضور نبض بہت ہی کمزور ہو گئی ہے حضرت صاحب نے کستوری نکالنے میں اور جلدی کی مگر پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور نبض نہایت ہی کمزور ہے۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے کہ اس وقت دراصل مبارک احمدؐ فوت ہو چکا تھا مگر حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعود کی تکلیف کا خیال کر کے زبان پر یہ کلمہ نہ لا سکتے تھے مگر حضرت صاحب سمجھ گئے اور خود آکر نبض پر ہاتھ رکھا تو دیکھا کہ مبارک فوت ہو چکا ہے اس پر حضرت صاحب نے اناللہ وانا الیہ راجعون کہا اور بڑے اطمینان کے ساتھ اپنا بستہ کھولا اور خطوط لکھنے لگ گئے کہ مبارک فوت ہو گیا ہے اور مجھ سے حافظ روشن علی صاحب نے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب مبارک احمدؐ کو دفن کرنے کیلئے گئے تو ابھی قبر کی تیاری میں کچھ دیر تھی اسلئے حضرت صاحب قبر سے کچھ فاصلہ پر باغ میں بیٹھ گئے اصحاب بھی ارد گرد بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد حضرت صاحب نے مولوی صاحب خلیفہ اول کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب ایسے خوشی کے دن

بھی انسان کو بہت کم میسر آتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رستہ میں انسان کی ترقی کے لئے ایک تو قانون شریعت رکھا ہے اور ایک قانون قضاء وقدر قانون شریعت کے نفاذ کو خدا نے بندے کے ہاتھ میں دیدیا ہے پس بندہ اس میں اپنے لئے کئی قسم کے آرام اور سہولتیں پیدا کر لیتا ہے۔ وضوء سے تکلیف نظر آتی ہے تو تیمم کر لیتا ہے نماز کھڑے ہوئے پڑھنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے تو بیٹھ کر یا اگر بیٹھنے میں بھی تکلیف ہو تو لیٹ کر پڑھ لیتا ہے۔ روزہ میں کوئی بیماری محسوس کرتا ہے تو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا ہے اسی طرح چونکہ قانون شریعت کا نفاذ خود بندے کے ہاتھ میں ہو وہ اپنے لئے بہت سی سہولتیں پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح اس کی ظاہری تکلیف سے بچ جاتا ہے لیکن قضاء وقدر کا قانون خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور بندے کا اس میں کچھ اختیار نہیں رکھا پس جب قضاء وقدر کے قانون کی چوٹ بندے کو آکر لگتی ہے اور وہ اس کو خدا کیلئے برداشت کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اور خدا کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو پھر وہ اس آن میں اتنی ترقی کر جاتا ہے جتنی کہ چالیس سال کے نماز روزے سے بھی نہیں کر سکتا تھا پس مومن کے لئے ایسے دن درحقیقت ایک لحاظ سے بڑی خوشی کے دن ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ عبدالرحمن صاحب مصری نے بھی یہ روایت بیان کی تھی +

(۱۵۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب بعض اوقات کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ان کا کوئی لڑکا فوت ہو گیا اور لوگوں نے ان کو آکر اطلاع دی تو انہوں نے کہا سگ بچہ مُرد دفن بکنید۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ خاص حالت کی باتیں ہیں انبیاء جنہوں نے لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ بننا ہوتا ہے اور حقوق العباد کی بھی بہترین مثال قائم کرنی ہوتی ہے عموماً ایسا طریق اختیار نہیں کرتے۔

(۱۵۶) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد

بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورۃ تھی جیسے الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل الخ ہے اور ہم نے یہ وظیفہ قریباً ساری رات صرف کرکے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اسکے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائینگے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینکدوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہئے چنانچہ حضرت صاحبؑ ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینکدیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپکے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔

(۱۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ مَیں مسجد مبارک میں ظہر کی نماز سے پہلی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیت الفکر کے اندر سے مجھے آواز دی۔ میں نماز توڑ کر حضرت کے پاس چلا گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ حضور میں نماز توڑ کر حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا اچھا کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیت الفکر اس حجرہ کا نام ہے جو حضرت کے مکان کا حصہ ہے اور مسجد مبارک کے ساتھ شمالی جانب متصل ہے۔ ابتدائی ایام میں حضرت عموماً اس کمرہ میں نشست رکھتے تھے اور اسی کی کھڑکی میں سے نکلکر مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ رسول کی آواز پر نماز توڑ کر حاضر ہونا شرعی مسئلہ ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ عمل صالح کسی خاص عمل کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا نام ہے۔

(۱۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں جب ابھی حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول قادیان نہیں آئے تھے انہوں نے جموں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھا کہ اگر حضور یہاں تشریف لاسکیں تو

مہاراج حضور کی ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جواب لکھدو کہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر۔

(۱۵۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے میرے خاتمہ اور خاتمہ تک کے سب حالات بتا دیئے ہوئے ہیں جو مجھ پر آنے والے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ مجھ پر اسی کے مطابق حالات آرہے ہیں۔

(۱۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ اوائل میں مَیں نوگاؤں میں پٹواری ہوتا تھا اور میری صہ۵۵ سالانہ تنخواہ تھی مگر مینے ایک اور پٹواری کے ساتھ ملکر جو تحصیل پائل میں ہوتا تھا اپنا تبادلہ تحصیل پائل میں کروالیا۔ لیکن وہاں جانے کے بعد میرا دل نہیں لگا اور میں بہت گھبرایا کیونکہ وہ ہندو جاٹوں کا گاؤں تھا اور وہاں کوئی مسجد نہ تھی اور نوگاؤں میں جس کو میں چھوڑ آیا تھا مسجد تھی۔ مینے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ یہاں میرا دل بالکل نہیں لگتا حضور دعاء فرماویں کہ میں پھر نوگاؤں میں چلا جاؤں اور بڑی بیقراری سے عرض کیا حضور نے فرمایا جلدی نہیں کرنی چاہئے اپنے وقت پر یہ خود بخود ہو جائیگا۔ میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد میرا تبادلہ غوث گڑھ میں ہوگیا جہاں میرا اتنا دل لگا کہ نوگاؤں کی خواہش دل سے نکل گئی اور مینے حضرت کے فرمان کی یہ تاویل کرلی کہ چونکہ غوث گڑھ بھی مسلمانوں کا گاؤں ہے اور اس میں مسجد ہے اور یہاں میرا دل بھی خوب لگ گیا ہے اسلئے حضرت کے فرمان کے یہی معنی ہونگے جو پورے ہوگئے مگر کچھ عرصہ بعد نوگاؤں کا حلقہ خالی ہوا اور تحصیلدار نے میری ترقی کی سفارش کی اور لکھا کہ ترقی کی یہ صورت ہے کہ مجھے علاوہ غوث گڑھ کے نوگاؤں کا حلقہ بھی جو وہ بھی صہ۵۵ سالانہ کا تھا دیدیا جاوے اور دونوں حلقوں کی تنخواہ یعنے مانہ ۱۱ مجھے دی جاوے۔ یہ سفارش مہاراج سے منظور ہوگئی اور اس طرح میرے پاس غوث گڑھ اور نوگاؤں دونوں حلقے آگئے اور ترقی بھی

ہو گئی۔ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص اقتداری فعل تھا ورنہ نو گاؤں غوث گڑھ سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر ہے اور درمیان میں کئی غیر حلقے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غوث گڑھ کا تمام گاؤں میاں عبد اللہ صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہو چکا ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ تمام دیہات ریاست پٹیالہ میں واقع ہیں +

(۱۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت صاحب کو ایک جیبی گھڑی تحفہ دی۔ حضرت صاحب اسکو رومال میں باندھکر جیب میں رکھتے تھے زنجیر نہیں لگاتے تھے۔ اور جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکالکر ایک کے ہندسے یعنی عدد سے گنکر وقت کا پتہ لگاتے تھے اور انگلی رکھ کر ہندسے گنتے تھے اور منہ سے بھی گنتے جاتے تھے۔ گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے۔ میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا کہ آپ کا جیب سے گھڑی نکال کر اس طرح وقت شمار کرنا مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوتا تھا +

(۱۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے بیان فرمایا کہ قرآن شریف کی جو آیات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں اور ان پر بہت اعتراض ہوتے ہیں دراصل ان کے نیچے بڑے بڑے معارف اور حقائق کے خزانے ہوتے ہیں اور پھر مثال دیکر فرمایا کہ ان کی ایسی ہی صورت ہے جیسے خزانہ کی ہوتی ہے جس پر سنگین پہرہ ہوتا ہے اور جو بڑے مضبوط کمرے میں رکھا جاتا ہے جس کی دیواریں بہت موٹی ہوتی ہیں اور دروازے بھی بڑے موٹے اور لوہے سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے موٹے اور بھدے قفل اس پر لگے ہوتے ہیں اور اسکے اندر بھی مضبوط آہنی صندوق ہوتے ہیں جن میں خزانہ رکھا جاتا ہے اور پھر یہ صندوق بھی خزانہ کے اندر اندھیری کوٹھریوں اور تہ خانوں میں رکھے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر شخص وہاں تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ اس سے آگاہ ہو سکتا ہے بمقابلہ نشست گاہوں کے جو کھلے کمرے ہوتے ہیں اور

دروازوں پر بھی عموماً شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے باہر والا شخص بھی اندر نظر ڈال سکتا ہے اور جو اندر آنا چاہے بآسانی آسکتا ہے +

(۱۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب جب بڑی مسجد میں جاتے تھے تو گرمی کے موسم میں کنوئیں سے پانی نکلوا کر ڈول سے ہی مُنہ لگا کر پانی پیتے تھے اور مٹی کے تازہ ٹنڈ یا تازہ آبخورہ میں پانی پینا آپ کو پسند تھا۔ اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اچھے تلے ہوئے کرارے پکوڑے پسند کرتے تھے کبھی کبھی مجھ سے منگوا کر مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے کھایا کرتے تھے۔ اور سالم مرغ کا کباب بھی پسند تھا چنانچہ ہوشیارپور جاتے ہوئے ہم مُرغ پکوا کر ساتھ لیگئے تھے۔ مولی کی چٹنی اور گوشت میں مونگرے بھی آپ کو پسند تھے۔ گوشت کی خوب بُھنی ہوئی بوٹیاں بھی مرغوب تھیں۔ چپاتی خوب سِکی ہوئی جو سِکنے سے سخت ہو جاتی ہے پسند تھی۔ گوشت کا پتلا شوربہ بھی پسند کرتے تھے جو بہت دیر تک پکتا رہا ہو حتی کہ اس کی بوٹیاں خوب گلگر شوربہ میں اس کا عرق پہنچ جاوے۔ سکنجبین بھی پسند تھی میاں جان محمدؐ مرحوم آپکے واسطے سکنجبین تیار کیا کرتا تھا۔ نیز میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے ایکدفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ گوشت زیادہ نہیں کھانا چاہئے جو شخص چالیس دن لگاتار کثرت کے ساتھ صرف گوشت ہی کھاتا رہتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ دال۔ سبزی ترکاری کے ساتھ بدل بدل کر گوشت کھانا چاہئے بھیڑ کا گوشت ناپسند فرماتے تھے۔ میٹھے چاول گُڑ یعنے قند سیاہ میں پکے ہوئے پسند فرماتے تھے۔ ابتداء میں چائے میں دیسی شکر (جو گڑ کی طرح ہوتی ہے) ڈال کر استعمال فرماتے تھے۔ شوربہ کے متعلق فرماتے تھے کہ گاڑھا کیچڑ جیسا ہم کو پسند نہیں۔ ایسا پتلا کرنا چاہئے کہ ایک آنہ کا گوشت آٹھ آدمی کھائیں۔ اسوقت ایک آنہ کا سیر خام گوشت آتا تھا +

(۱۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کیلئے ایک تسبیح تحفہ لایا وہ تسبیح آپ نے مجھے دیدی اور فرمایا لو اس پر درود شریف پڑھا کرو۔ وہ تسبیح بہت خوبصورت تھی۔ خاکسار عرض

کرتا ہے کہ تسبیح کے استعمال کو حضرت مسیح موعود عام طور پر پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۱۶۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب بیان فرماتے تھے کہ قیامت کو ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور اللہ اس سے دریافت کریگا کہ تو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے تو بتا مگر وہ نہیں بتا سکیگا اسپر اللہ فرمائیگا اچھا کیا تو کبھی کسی بزرگ شخص سے ملا تھا؟ وہ جواب دیگا کہ نہیں۔ اس پر خدا فرمائیگا اچھی طرح یاد کرکے جواب دے اس پر وہ بولیگا کہ ہاں ایک دفعہ میں ایک گلی میں سے گذر رہا تھا تو میرے پاس سے ایک شخص گذرا تھا جس کو لوگ بزرگ کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیگا جا میں نے تجھے اسی وجہ سے بخشدیا۔ میاں عبد اللہ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے ایک وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کامل کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو پیشتر اسکے کہ وہ سجدہ سے اپنا سر اُٹھاوے اللہ اسکے گناہ بخشدیتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ کوئی منتر جنتر نہیں اخلاص اور صحتِ نیت شرط ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اسنے حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ کیا آپ واقعی مسیح اور مہدی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں واقعی مسیح اور مہدی ہوں اور آپ نے ایسے انداز سے یہ جواب دیا کہ وہ شخص پھڑک گیا اور اسی وقت بیعت میں داخل ہوگیا اور میرے دل پر بھی حضرت صاحب کے اس جواب کا بہت اثر ہوا۔

(۱۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ دو بیویاں کرکے انسان درویش ہو جاتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ واقعی اگر ان شروط کو ملحوظ رکھا جاوے جو اسلام ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے کے لئے واجب قرار دیتا ہے تو دو یا اس سے زیادہ بیویاں عیش و عشرت کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتیں بلکہ یہ ایک قربانی ہے جو خاص حالات میں انسان کو کرنی پڑتی ہے

(۱۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے یعنی مردے کے مرنے سے چالیسویں دن

کھانا کھلا کر تقسیم کرتے ہیں غیر مقلد اسکے بہت مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھانا کھلانا ہو تو کسی اور دن کھلا دیا جاوے اس پر حضرت نے فرمایا کہ چالیسویں دن غربا میں کھانا تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ یہ مردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے پس جس طرح لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دیا جاتا ہے اسی طرح مردے کی روح کی رخصت پر بھی غربا میں کھانا دیا جاتا ہے تا اسے اسکا ثواب پہنچے۔ گویا روح کا تعلق اس دنیا سے پورے طور پر چالیس دن میں قطع ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ صرف حضرت صاحب نے اس رسم کی حکمت بیان کی تھی ورنہ آپ خود ایسی رسوم کے پابند نہ تھے۔

(١٦٩) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ جس سال پہلا سالانہ جلسہ ہوا تھا اس میں حضرت صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی اس سے پہلے حضرت نے میرے متعلق بھی یہ فرمایا تھا کہ میاں عبد اللہ سنوری ہمارے اسوقت کے دوست ہیں جبکہ ہم گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے اور یہ ذکر میں نے اسلئے کیا ہے کہ تا آپ لوگ ان سے واقف ہو جاویں پھر اس کے بعد تقریر شروع فرمائی۔

(١٧٠) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے خدا داری چہ غم داری۔

(١٧١) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخر الدین صاحب ملتانی نے کہ جب میں ۱۹۱۰ء میں نور پور ضلع کانگڑہ میں تھا تو ضلع کانگڑہ کے کورٹ انسپکٹر آف پولیس نے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ میری بھی دعوت کی۔ کورٹ انسپکٹر صاحب غیر احمدی تھے مگر شریف اور متین آدمی تھے اور نماز کے پابند تھے۔ انہوں نے دوران گفتگو میں بیان کیا کہ جب آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کا آخری دن تھا تو اس وقت ان کی کوٹھی کے پہرہ کا انتظام میرے سپرد تھا۔ کوٹھی کے اندر آتھم کے دوست پادری وغیرہ تھے اور باہر پولیس کا چاروں طرف پہرہ تھا۔ اسوقت آتھم کی حالت سخت گھبراہٹ کی تھی اور بالکل مخبوط الحواسی کی سی صورت ہو رہی تھی۔ باہر دور سے اتفاقاً کسی بندوق کے چلنے کی آواز آئی تو آتھم صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی آخر جب ان کا کرب اور گھبراہٹ

87

انتہاء کو پہنچ گئے تو ان کے دوستوں نے ان کو بہت سی شراب پلا کر بے ہوش کر دیا اور آخری رات آتھم نے اسی حالت میں گذاری صبح ہوئی تو ان کے دوستوں نے ان کے گلے میں ہار پہنا کر اور ان کو گاڑی میں بٹھا کر سارے شہر میں خوشی کا جلوس پھرایا اور اسدن لوگوں میں شور تھا کہ مرزے کی پیشگوئی جھوٹی گئی مگر کورٹ انسپکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ ہم سمجھتے تھے کہ جو حالت ہم نے آتھم صاحب کی دیکھی ہے اس سے تو وہ مر جاتے تو اچھا تھا۔

اور خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی نے بیان کیا کہ آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کے دنوں میں لدھیانہ میں لوئیس صاحب ڈسٹرکٹ جج تھا۔ آتھم چونکہ لوئیس صاحب کا داماد تھا۔ اس لئے لدھیانہ میں لوئیس صاحب کی کوٹھی پر آکر ٹھہرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دوران میعاد میں آتھم لدھیانہ میں آیا ان دنوں میں میرا ایک غریب غیر احمدی رشتہ دار لوئیس صاحب کے پاس نوکر تھا۔ اور آتھم کے کمرے کا پنکھا کھینچا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ تم آتھم کا پنکھا کھینچا کرتے ہو کبھی اس کے ساتھ کوئی بات بھی کی ہے اس نے کہا صاحب (یعنی آتھم) رات کو روتا رہتا ہے چنانچہ اس پر میں نے ایک دفعہ صاحب سے پوچھا تھا۔ کہ آپ روتے کیوں رہتے ہیں۔ تو صاحب نے کہا تھا کہ مجھے تلواروں والے نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ تو پھر آپ ان کو پکڑوا کیوں نہیں دیتے۔ صاحب نے کہا وہ صرف مجھے ہی نظر آتے ہیں اور کسی کو نظر نہیں آتے

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ آتھم والی پیشگوئی کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف میں اکثر جگہ آچکا ہے۔ دراصل جس وقت حضرت مسیح موعود نے مباحثہ کے اختتام پر آتھم کے متعلق پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرائے جانے کی پیشگوئی کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت سے ہی آتھم کے ادسان خطا ہونے شروع ہوگئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو آتھم نے اسی مجلس میں جب کہ حضرت نے فرمایا کہ آتھم نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دجال کہا ہے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر اور ایک خوف زدہ انسان کی طرح زبان باہر نکال کر کہا۔ کہ نہیں میں نے

تو دجّال نہیں کہا۔ حالانکہ وہ اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں دجّال کہہ چکا تھا۔
اس وقت مجلس میں قریباً ستر آدمی مختلف مذاہب کے پیرو موجود تھے۔ اس کے بعد
میعاد کے اندر آتھم نے جس طرح اپنے دلی خوف اور گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کیا
اس کی کیفیت حضرت مسیح موعود کی تصانیف میں مختصراً آچکی ہے۔ اس کا اپنا بیان
ہے کہ کبھی اس کو سانپ نظر آتے جو اس کو ڈسنے کو بھاگتے کبھی اس پر کتے حملہ کرتے
کبھی ننگی تلواروں والے اس کو آ آکر ڈراتے اور وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی
طرف بھاگتا پھرتا تھا۔ اور عموماً پولیس کا خاص پہرہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور اسلام
کے خلاف اس نے اپنی تحریر و تقریر کو روک دیا تھا۔ حتیٰ کہ جب میعاد ختم ہونے کے
قریب آئی۔ تو اس کا خوف اس قدر ترقی کر گیا کہ پادریوں کو اسے سخت شراب پلا پلا
کر بدمست کرنا پڑا۔ کیا یہ باتیں اس بات کی علامت نہیں کہ خدائی پیشگوئی کا
خوف اسکے دل پر غالب ہو گیا تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچانا چاہتا
تھا پس خدا نے پیشگوئی کی شرط کے مطابق اسے عذاب موت سے بچا لیا۔ اور ہمارے
مخالف مولویوں کا یہ کہنا کہ آتھم کا ڈر پیشگوئی کے خوف کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اس لئے
تھا۔ کہ کہیں احمدی اسے قتل نہ کر دیں اور اسی وجہ سے وہ اپنی جان کی حفاظت
کرتا تھا ایک نہایت ابلہانہ خیال ہے۔ کیونکہ دشمن کی طرف سے کسی سازش وغیرہ
کا خوف کرنا اور اس کے مقابل میں احتیاطی تجاویز عمل میں لانا ایک اور بات ہے۔ مگر
جس قسم کا خوف آتھم نے ظاہر کیا وہ ایک بالکل ہی اور چیز ہے۔ ہم کو دونوں قسم
کے خوفوں کی نوعیت پر غور کرنا چاہیئے۔ اور پھر رائے لگانی چاہیئے۔ کہ جس قسم کا خوف
اور بے چینی آتھم نے ظاہر کی آیا وہ دشمن کی شرارت سے خوف کر کے احتیاطی تجاویز
عمل میں لانے والی قسم میں داخل ہے یا پیشگوئی سے مرعوب ہو کر بدحواس ہو جانے
والے خوف میں داخل ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ جو شخص تعصب سے الگ ہو کر میعاد کے
اندر آتھم کے حالات پر غور کریگا وہ اسباب کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ جس قسم کے خوف
کا آتھم نے اظہار کیا وہ دشمن سے بچنے والا خوف ہرگز نہیں تھا بلکہ اور قسم کا خوف تھا۔

پس جاہل لوگوں کی طرح صرف یہ پکارتے رہنا کہ ہر آدمی دشمن کی شرارت سے بچنے کے لئے خوف کرتا ہے اسلئے اگر آتھم نے خوف کا اظہار کیا تو کیا ہوا۔ یا تو پرلے درجہ کی جہالت اور بے وقوفی ہے اور یا دیدہ دانستہ مخلوق خدا کو دھوکا دینا ہے۔

اور اسجگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نظام عالم خدا کی دو صفات پر چل رہا ہے اور درحقیقت ہر ایک حکومت ان دو صفتوں پر ہی چلتی ہے ایک صفت علم اور ایک صفت قدرت اور جتنی جتنی یہ صفات زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں انتظام حکومت بہتر ہوتا چلا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی یہ صفات اپنے انتہائی کمال میں ہیں یعنے خدا کا علم بھی کامل ہے اور قدرت بھی کامل یعنے نہ تو کوئی علم کی بات ہے جو اس سے پوشیدہ ہے اور نہ کوئی قدرت کا امر ہے جو اسکی طاقت سے باہر ہے۔ یہ وہ دو ستون ہیں جن کے اوپر اس کا عرش قائم ہے پس جب وہ اپنا کوئی رسول بھیجتا ہے تو اپنی تجلی کے لئے اسکے ذریعہ اپنی ان دو صفات کی دو نہریں جاری کر دیتا ہے تا دنیا پر ظاہر کرے کہ سب حکومت میرے ہاتھ میں ہے اور مینے ہی اسے رسول بنا کر بھیجا ہے بعض آیات وہ اپنے رسول کے ذریعہ ایسی ظاہر کرتا ہے جن سے اسے اپنے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور بعض آیات ایسی ظاہر کرتا ہے جن سے اسے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور وہ ایسا نہیں کرتا کہ صرف ایک قسم کے نشان ظاہر کرے کیونکہ حکومت کے لئے ہر دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ علم خواہ کتنا کامل ہو مگر بغیر قدرت کے ناقص ہے اور قدرت خواہ کتنی کامل ہو مگر بغیر علم کے ناقص ہے پس کمال تصرف کا اظہار نہیں ہو سکتا جبتک دونو صفات کا اظہار نہ ہو۔ اسلئے نبیوں کی پیشگوئیاں بھی جو آیات اللہ میں داخل ہیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل وہ جو خدا کی صفت علیم کے ماتحت ہوتی ہیں یعنی جن سے خدا کو اپنے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ **دوسری**۔ وہ جو خدا کی صفت قدیر کے ماتحت ہوتی ہیں یعنے جن سے خدا کو اپنی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر قسم کی پیشگوئیوں کے الگ الگ حالات ہونگے جن سے وہ پہچانی جائینگی اور ان کی

صداقت کے پرکھنے کے لئے الگ الگ معیار ہونگے اور یہ ہماری سخت نادانی ہوگی کہ ان دونوں قسموں کو مخلوط کر کے ان پر ایک ہی حکم لگا دیں اور ایک ہی قسم کے معیاروں سے دونوں کو پرکھیں بلکہ علم والی پیشگوئیوں کو علم کے معیار سے پرکھنا ہوگا کیونکہ وہ اظہار علم کے رستہ پر چلینگی اور قدرت والی پیشگوئیوں کو قدرت کے معیار سے پرکھنا ہوگا کیونکہ وہ قدرت نمائی پر چلینگی اور ممکن نہیں کہ وہ اپنا راستہ بدلیں۔ پس جب ہمارے سامنے کوئی پیشگوئی آئے تو سب سے پہلے ہمیں اسکے حالات پر غور کر کے اس کی قسم کی تشخیص کرنی ہوگی اور پھر اس تشخیص کے بعد جس قسم میں سے وہ ثابت ہو اسکے معیاروں سے اسکی صداقت کو پرکھنا ہوگا۔ ہمارے مخالفوں کو یہ سخت دہوکا لگا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی سب پیشگوئیوں کو خدا کے علم ازلی کے ماتحت سمجھتے ہیں اور اسی معیار سے انہیں ناپتے ہیں کیونکہ ہمیشہ ان کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ بس جو صورت اور جو الفاظ پیشگوئی میں بتائے گئے ہیں بعینہٖ وہی وقوع میں آنے چاہئیں ورنہ سمجھا جائیگا کہ پیشگوئی غلط گئی۔ حالانکہ یہ شرط اظہار علم والی پیشگوئیوں کی ہے بلکہ ان میں مجاز کا دخل مانا جاوے تو ان کے لئے بھی ظاہری صورت کا فرق ہو سکتا ہے۔ گو تخلف اور نسخ ممکن نہیں کیونکہ تخلف اور نسخ علم ازلی کے منافی ہیں لیکن اظہار قدرت والی پیشگوئیوں میں حالات کے بدل جانے سے تخلّف ہو سکتا ہے کیونکہ حالات بدل جانے کی صورت میں تخلف قدرت نمائی کے منافی نہیں ہوتا بلکہ مؤیّد ہوتا ہے۔ دونو قسم کی پیشگوئیوں کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ مثلاً کسی ملہم کو کسی شخص کے متعلق الہام ہوتا ہے کہ وہ فلاں کام کریگا اور حالات ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ الہام خدا کی صفت علیم کے ماتحت ہے صفت قدیر کے ماتحت نہیں ہے یعنی اسکے اس فعل کے کر لینے کو خدا کی قدرت کے اظہار سے کوئی طبعی تعلق نہیں ہے بلکہ محض اظہار علم مراد ہے تو اب خواہ اس شخص میں کتنے تغیّرات آویں وہ ضرور اس بتائے ہوئے کام کو کریگا ورنہ خدا کا علم ازلی غلط جاتا ہے جو ناممکن ہے لیکن اگر کسی ملہم کو یہ بتایا جاتا ہے کہ ہم تیرے فلاں دشمن کو جو تیری دشمنی میں کمربستہ ہے ذلّت کے عذاب میں مبتلا کرینگے تو ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی صفت علیم کے ماتحت نہیں بلکہ

صفت قدیر کے ماتحت سمجھی جاوے گی لہذا اگر وہ دشمن جسکے متعلق ذلت کی پیشگوئی ہے اپنے اندر تغیر پیدا کرتا ہے تو خوب سوچ لو کہ خدا کی وہی صفتِ قدیر جو پہلے اس دشمن کی ذلت کی پیشگوئی کی محرک ہوئی تھی اب اسے ذلت سے بچائے جانے کا موجب ہوگی یعنی جس طرح ایسے شخص کے تغیر نہ کرنے کی صورت میں اسکی ذلت خدا کی قدرت کے اظہار کا موجب تھی اب اس کا ذلت سے بچایا جانا قدرت الٰہی کے اظہار کا موجب ہوگا بلکہ اگر باوجود تغیر کے اسے ذلت کا عذاب آدبائے تو صفت قدرت جس کا اظہار مقصود تھا مشتبہ ہو کر پیشگوئی کی اصل غرض ہی فوت ہو جائے گی۔ کیونکہ قدرت کاملہ اسکا نام نہیں کہ جب انجن چل گیا تو بس پھر جو اپنا بیگانہ سامنے آیا اسے پیس ڈالا بلکہ قدرت کاملہ کے یہ معنے ہیں کہ جب کوئی عذاب کا مستحق ہو اسے عذاب دے سکے اور کوئی چیز اسے عذاب سے بچا نہ سکے اور جب کوئی رحمت کا مستحق بنے اسے عذاب سے بچا سکے اور پھر کوئی چیز اسے عذاب نہ دے سکے۔ یعنی قدیر وہ ہے جس کی قدرت کا اظہار موقعہ کے مطابق ہو ورنہ وہ قدیر نہیں بلکہ یا تو مشین کا ایک پہیہ ہے اور یا ظلم و ستم کا مجسمہ۔

تاریخی طور پر علم ازلی اور قدرت کاملہ والی پیشگوئیوں کی مثال چاہو تو یوں سمجھو کہ حضرت فاطمہ کی وفات کی پیشگوئی جو آنحضرت صلعم نے اپنی مرض الموت میں فرمائی علم ازلی کے ماتحت تھی اور یونس نبی نے اپنی قوم پر عذاب آنے کی جو پیشگوئی کی وہ قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے تھی۔

یہ باتیں ہمارے نزدیک بینات میں داخل ہیں پس مخالفوں کے استہزاء سے ہم ان بینات کو کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ عوام کو دہوکا دے لینا اور بات ہے اور حق کی پیروی اور بات۔

اسجگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کو اپنی صفت علیم کے ماتحت یہ علم ہوتا ہے کہ صفت قدیر کے ماتحت جو فلاں پیشگوئی کی گئی ہے اس میں شخص موعود کے فلاں تغیر کی وجہ سے اس اس رنگ کا تخلف ہو جائیگا تو پھر خدا وہی انتہائی بات ہی کیوں نہیں بتا دیتا جو بالآخر وقوع میں آنی ہوتی ہے یعنے وہ جو بالآخر واقعی

ہونا ہوتا ہے وہی لوگوں کو بتا دیا جاوے تا لوگ ٹھوکر سے بچ جاویں۔ اس شبہ کا یہ جواب ہے کہ اگر ایسا کیا جاوے تو پھر اسکے یہ معنی ہونگے کہ تمام پیشگویاں صفت علیم کے ماتحت ہوا کریں صفت قدیر کے ماتحت کوئی بھی پیشگوئی نہ ہو کیونکہ جب لازمی طور پر آخری بات بتائی جاوے گی تو لامحالہ وہ پیشگوئی صفت قدیر سے نکلکر صفت علیم کے ماتحت آجائے گی حالانکہ ترقی عرفان وایمان کے لئے ہر دو قسم کی پیشگویوں کا ہونا ضروری ہے بلکہ اظہار قدرت والی پیشگویاں جہاں ایک طرف اپنے اندر ابتلا کا پہلو رکھتی ہیں وہاں ایمان وعرفان کو ترقی دینے والا مادہ بھی ان میں بہت زیادہ ہوتا ہے اسلئے خدا کی مصلحت نے چاہا کہ خدا کے نبیوں کے منہ سے ہر دو قسم کی پیشگویاں ظاہر ہوں۔

اسجگہ ایک بات کا یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ خاکسار نے جو یہ لکھا ہے کہ بعض پیشگویاں علم الٰہی کے اظہار کے لئے ہوتی ہیں اور بعض قدرت نمائی کے لئے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ قدرت نمائی والی پیشگویاں علم غیب کے عنصر سے خالی ہوتی ہیں کیونکہ کوئی پیشگوئی خواہ وہ کسی غرض سے کیگئی ہو علم غیب کے عنصر سے خالی نہیں ہوتی اور دراصل پیشگوئی کا لفظ ہی علم غیب کو ظاہر کر رہا ہے پس قدرت نمائی والی پیشگوئی سے مراد یہ ہے کہ عاقبۃ الامور والے علم کا اظہار اس میں مقصود نہیں ہوتا ورنہ درمیانی حالات اور ان کے تغیرات اور ان کے نتائج کے متعلق جو علم غیب خدا کو ہو اسکا اظہار تو قدرت نمائی والی پیشگوئی میں بھی مقصود ہوتا ہے غرض جو علم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے عاقبۃ الامور والا علم مراد ہے نہ کہ مطلقاً علم غیب جو ہر پیشگوئی کا جزو غیر منفک ہے اور یہ خیال کہ اگر کوئی ایسی پیشگوئی ہو جو قدرت نمائی کی غرض سے کیگئی ہو مگر وہ ایسی ثابت ہو کہ جس شخص یا چیز کے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی اسکے حالات تبدیل نہیں ہوئے یعنی جس حالت کی بنا پر پیشگوئی تھی وہ قایم رہی اور پیشگوئی بغیر کسی جگہ رستہ بدلنے کے سیدھی اپنے نشانہ پر جالگی تو اس صورت میں اظہار علم والی پیشگوئی اور اس قسم کی اقتداری پیشگوئی کا رستہ ایک ہو جائیگا اور کوئی امتیاز نہ رہیگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں کا رستہ عملاً

ایک ہوجاوے مگر دونو اپنے مقصود کے لحاظ سے ممتاز رہینگی یعنی حالات بنارہے ہونگے کہ ایک میں مقصود اظہار علم ازلی ہے اور دوسری میں اظہار قدرت کاملہ اور ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ ایسی صورت میں اظہار قدرت اور اظہار علم ہر دو مقصود ہو سکتے ہیں۔

اسجگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وعید کی پیشگوئی ٹل جاتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ وعید کی پیشگوئی کے اندر کوئی خاص تخلّف کا مادہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وعید چونکہ اظہار قدرت کیلئے ہوتا ہے اسلئے اس میں تخلف ممکن ہوتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئی کے ٹل جانے یا تخلف پیدا ہو جانے سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ پیشگوئی نعوذ باللہ غلط گئی کیونکہ خدائی پیشگوئی خواہ کسی قسم کی ہو غلط ہرگز نہیں جاسکتی بلکہ بہر حال پوری ہوتی ہے پس جب ہم تخلّف یا ٹل جانے وغیرہ کا لفظ بولتے ہیں تو مراد یہ ہوتا ہے کہ جو صورت قدرت الٰہی کے اظہار کے لئے بتائی گئی تھی وہ چونکہ حالات کے بدلجانے سے قدرت الٰہی کے اظہار کا موجب نہیں رہی اسلئے قدرت الٰہی کا اظہار دوسری صورت میں کر دیا گیا۔ پس پیشگوئی غلط نہ گئی کیونکہ اس کی اصل غرض اظہار قدرت تھی اور وہ غرض پوری ہوگئی۔ ہاں اگر حالات بدل جانے کے باوجود پیشگوئی پہلی صورت میں ہی ظاہر ہوتی تو پھر بے شک پیشگوئی غلط جاتی کیونکہ اظہار قدرت الٰہی جو اصل مقصود تھا وقوع میں نہ آتا۔

آتھم کی پیشگوئی بھی اظہار قدرت الٰہی کے لئے تھی نہ کہ اظہار علم کے لئے جیسا کہ پیشگوئی کے حالات اور پیشگوئی کے الفاظ سے ظاہر ہے خصوصًا یہ الفاظ کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے کیونکہ اگر اظہار علم مقصود ہوتا تو اس میں کوئی شرط وغیرہ نہیں ہوسکتی تھی پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ پیشگوئی اظہار قدرت کے لئے تھی تو پھر ماننا پڑیگا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی کیونکہ اظہار قدرت ہوگیا کما مرّ اور آتھم کی پیشگوئی تو عام اظہار قدرت والی پیشگوئیوں میں بھی ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ پیشگوئی ایک مرکب پیشگوئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آتھم حق کی طرف رجوع کریگا تو پندرہ ماہ میں نہیں مریگا اور اگر رجوع نہ کریگا تو پندرہ ماہ کے اندر اندر ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ پس بوجہ مرکب پیشگوئی ہونے کے

یہ پیشگوئی عام پیشگویوں سے اپنی شان میں ارفع ہے کیونکہ جو اظہار قدرت کی شان مرکب یعنے ایک سے زیادہ پہلو والی پیشگویوں میں ظاہر ہوتی ہے وہ مفرد پیشگویوں میں نہیں ہوتی جس کی آنکھیں ہو دیکھے ؎

(۱۷۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا امرتسر میں آتھم کے ساتھ مباحثہ ہوا تو دوران مباحثہ میں ایک دن عیسائیوں نے خفیہ طور پر ایک اندھا اور ایک بہرا اور ایک لنگڑا مباحثہ کی جگہ میں لاکر ایک طرف بٹھا دیئے اور پھر اپنی تقریر میں حضرت صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ آپ مسیح ہونے کا دعوے کرتے ہیں لیجئے یہ اندھے اور بہرے اور لنگڑے آدمی موجود ہیں مسیح کی طرح ان کو ہاتھ لگا کر اچھا کر دیجئے - میر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم سب حیران تھے کہ دیکھئے اب حضرت صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہیں - پھر جب حضرت صاحب نے اپنا جواب لکھوانا شروع کیا تو فرمایا کہ میں تو اسبات کو نہیں مانتا کہ مسیح اس طرح ہاتھ لگا کر اندھوں اور بہروں اور لنگڑوں کو اچھا کر دیتا تھا اسلئے مجھ پر یہ مطالبہ کوئی حجت نہیں ہو سکتا ہاں البتہ آپ لوگ مسیح کے معجزے اس رنگ میں تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کا یہ بھی ایمان ہے کہ جس شخص میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ وہی کچھ دکھا سکتا ہے جو مسیح دکھاتا تھا پس میں آپ کا بڑا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اندھوں اور بہروں اور لنگڑوں کی تلاش سے بچا لیا اب آپ ہی کا تحفہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ یہ اندھے بہرے لنگڑے حاضر ہیں اگر آپ میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو مسیح کی سنت پر آپ ان کو اچھا کر دیں میر صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے جب یہ فرمایا تو پادریوں کی ہوائیاں اڑ گئیں اور انہوں نے جھٹ اشارہ کر کے ان اندھوں بہروں اور لنگڑوں کو وہاں سے رخصت کروا دیا - میر صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ نظارہ بھی نہایت عجیب تھا کہ پہلے تو عیسائیوں نے اتنے شوق سے ان لوگوں کو پیش کیا اور پھر ان کو خود ہی ادھر ادھر چھپانے لگ گئے ؎

(۱۷۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے خلیفہ نور الدین صاحب جمونی نے کہ آتھم کے مباحثہ میں میں بھی لکھنے والوں میں سے تھا - آخری دن جب حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے آتھم کے متعلق پیشگوئی کا اعلان فرمایا تو آتھم نے خوف زدہ ہوکر کانوں کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور دانتوں میں انگلی لی اور کہا کہ مینے تو دجال نہیں کہا*

(۱۷۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے کہ ایک دفعہ میاں (یعنے حضرت خلیفہ المسیح ثانی) دالان کے دروازے بند کرکے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا۔ میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بعض باتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ مگر ان سے کہنے والے کے اخلاق پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔

(۱۷۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب جالندھر جاکر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے۔ اور ان دنوں میں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب محمدی بیگم کا والد مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری زندہ تھا اور ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیارپور کے درمیان یکے میں آیا جایا کرتا تھا۔ اور وہ حضرت صاحب سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا اسلئے حضرت صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ شخص اس معاملہ میں بدنیت تھا اور حضرت صاحب سے فقط کچھ روپیہ اُڑانا چاہتا تھا کیونکہ بعد میں یہی شخص اور اسکے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے مگر مجھے والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت صاحب نے بھی اس شخص کو روپیہ دینے کے متعلق بعض حکیمانہ احتیاطیں ملحوظ رکھی ہوئی تھیں۔ والدہ صاحبہ نے یہ بھی بیان کیا کہ اسکے ساتھ محمدی بیگم کا بڑا بھائی بھی شریک تھا*

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب خدا کی طرف سے پیشگوئیاں تھیں تو حضرت صاحب خود ان کے پورا کرنے کی کیوں کوشش کیا کرتے تھے مگر یہ ایک محض جہالت کا اعتراض ہے کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جسنے باوجود خدائی وعدوں کے اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے ہر جائز طریق سے کوشش نہ کی ہو درحقیقت خدا کے ارادوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنے سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ خدا انسان کی امداد کا محتاج ہے بلکہ اس سے بعض اور باتیں مقصود ہوتی ہیں اوّل۔ اگر انسان خود ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاوے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کا وعدہ ہے وہ خود پورا کرے گا اور باوجود طاقت رکھنے کے کوشش نہ کرے تو یہ بات خدا کے استغنائے ذاتی کو برانگیخت کرنے کا موجب ہوتی ہے اور یہ وہ مقام ہے جس سے انبیاء تک کانپتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ ایک محبت کا طبعی تقاضا ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے ارادوں کے پورا کرنے میں اپنی طرف سے کوشش کرے اور یہ محبت کا جذبہ اس قدر طاقت رکھتا ہے کہ باوجود اس علم کے کہ خدا کو انسانی نصرت کی ضرورت نہیں عاشق انسان نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ تیسرے چونکہ خدا کے تمام ارادوں میں دین کا غلبہ مقصود ہوتا ہے اسلئے نبی اپنے فرض منصبی کے لحاظ سے بھی اس میں ہاتھ پاؤں ہلانے سے باز نہیں رہسکتا۔ چوتھے خدا کی یہ سنت ہے کہ سوائے بالکل استثنائی صورتوں کے اپنے کاموں میں اسباب کے سلسلہ کو ملحوظ رکھتا ہے پس نبی کی کوشش ان اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی میں مخالفوں کی طرف سے بڑا طوفان بے تمیزی برپا ہوا ہے حالانکہ اگر وہ سنت اللہ کے طریق پر غور کرتے تو بات مشکل نہ تھی۔ دراصل سب سے پہلے ہم کو اسبات کا فیصلہ کرنا چاہئے کہ یہ پیشگوئی کس غرض اور کن حالات کے ماتحت تھی۔ جبتک اس سوال کا فیصلہ نہ ہو پیشگوئی کا سمجھنا محال ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح موعود اس شادی سے کسی قسم کی اپنی بڑائی چاہتے تھے ایک مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ مرزا احمد بیگ

92

کا خاندان کیا بلحاظ حسب نسب کیا بلحاظ دنیاوی عزت وجاہت کیا بلحاظ مال و دولت
حضرت مسیح موعود کے خاندان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ ایک ایسی بین بات ہے
جس پر ہمکو کسی دلیل کے لانے کی ضرورت نہیں پس شادی کی یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی تھی باقی
رہا یہ خیال کہ محمدی بیگم میں خود کوئی خاص وجہ کشش موجود تھی جس کی وجہ سے حضرت
کو یہ خیال ہوا سو جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ بھی باطل ہے علاوہ ازیں حضرت مسیح موعودؑ کے حالات زندگی
کو دیکھو۔ کیا انصاف کو مد نظر رکھتے ہوئے آپؑ کی طرف کوئی نفسانی خواہش منسوب کی جا سکتی ہے عقل کی کوری دشمن اندھی ہے
معاند کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں مگر وہ شخص جو کچھ بھی عقل اور کچھ بھی انصاف کا مادہ رکھتا ہے اس بات کو تسلیم کرنے
پر مجبور ہو گا کہ کم از کم جہاں تک نفسانی خواہشات کا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کا عظیم الشان پرسنل کیرکٹر یعنی سیرت وخلق ذاتی ایسے خیال کو دور سے ہی دھکے دیتا
ہے۔ تو پھر سوال ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کی اصل غرض کیا تھی؟ سو اس کا یہ جواب ہے
کہ اس کی غرض وہی تھی جو حضرت مسیح موعود نے اپنی تصانیف میں لکھی ہے اور وہ یہ
کہ حضرت مسیح موعود کے قریبی رشتہ دار یعنی محمدی بیگم کے حقیقی ماموں اور خالہ اور پھوپھی
اور والدہ وغیرہ پرلے درجہ کے بے دین لوگ تھے اور دینداری سے ان کو کچھ بھی مس
نہ تھا بلکہ دین کی باتوں پر تمسخر اڑاتے تھے اور اس معاملہ میں لڑکی کے ماموں لیڈر تھے اور
مرزا احمد بیگ ان کا تابع تھا اور بالکل ان کے زیر اثر ہو کر ان کے اشارہ پر چلتا تھا۔ یہ
لوگ ہمیشہ حضرت مسیح موعود سے کسی نشان کے طالب رہتے تھے جیسا کہ منکرین حق کا دستور
ہے اور حضرت مسیح موعود کے دعوے الہام پر ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ اس دوران میں
اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت صاحب کا ایک چچازاد بھائی غلام حسین مفقود الخبر ہو کر کالمیت
سمجھا گیا اور اسکے ترکہ کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ مرزا غلام حسین کی بیوہ مسماۃ امام بی بی مرزا
احمد بیگ ہوشیارپوری کی بہن تھی اسلئے مرزا احمد بیگ نے اپنی بہن امام بی بی اور
مرزا نظام الدین و مرزا امام دین وغیرہ کے مشورہ سے یہ کوشش کی کہ غلام حسین مذکور
کا ترکہ اپنے لڑکے یعنے محمدی بیگم کے بڑے بھائی محمد بیگ کے نام کروالے مگر یہ بغیر رضامندی
حضرت مسیح موعود ہو نہیں سکتا تھا اسلئے ناچار مرزا احمد بیگ حضرت صاحب کی طرف

رجوع ہوا اور بڑی عاجزی اور اصرار کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ آپ اس معاملہ میں اپنی اجازت دیدیں۔ قریب تھا کہ حضرت صاحب تیار ہو جاتے مگر پھر اس خیال سے کہ اس معاملہ میں استخارہ کر لینا ضروری ہے رک گئے اور بعد استخارہ جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اسکے بعد مرزا احمد بیگ کی بار بار کی درخواست پر حضرت صاحب نے دریں بارہ استخارہ فرمایا تو جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ الہامات ہوئے جو محمدی بیگم والی پیشگوئی کا بنیادی پتھر ہیں گویا ان لوگوں کو نشان دکھانیکا وقت آگیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ احمد بیگ کی دختر کلاں محمدی بیگم کے لئے ان سے تحریک کر اگر انہوں نے مان لیا تو ان کے لئے یہ ایک رحمت کا نشان ہوگا اور یہ خدا کی طرف سے بے شمار رحمت و برکت پائینگے اور اگر انہوں نے انکار کیا تو پھر خدا ان کو عذاب کا نشان دکھائیگا اور ان پر مختلف قسم کی آفات اور مصیبتیں آئینگی اور اس صورت میں والد اس لڑکی کا لڑکی کے کسی اور جگہ نکاح کئے جانے کی تاریخ سے تین سال کے اندر اندر ہلاک ہو جائیگا اور جس سے نکاح ہوگا وہ بھی ڈہائی سال میں مر جائیگا یہ اصل پیشگوئی تھی جو اس وقت کی گئی اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کی اصل غرض محمدی بیگم کے والد اور ماموؤں کی بار بار کی درخواست پر ایک نشان دکھانا تھی نہ کچھ اور۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی اظہارِ قدرت الٰہی کے ماتحت تھی نہ کہ اظہار علم الٰہی کے لئے کیونکہ پیشگوئی میں صاف موجود تھا کہ اگر مان لوگے تو یوں ہوگا اور اگر انکار کر دوگے تو یوں ہوگا گویا خدا کو اپنا اقتدار دکھانا منظور تھا اور منشاء الٰہی میں یہ تھا کہ یہ دکھائے کہ مسیح موعود اور جو آپ کے ساتھ عقیدتمندانہ تعلق رکھیگا وہ خدا سے رحمت اور برکت پائیگا اور جو آپ کی عداوت میں کھڑا ہوگا وہ خدا کے عذاب کا مورد ہوگا چنانچہ اس پیشگوئی کا اعلان ہو گیا اور دنیا دیکھ چکی ہے کہ اس خاندان نے خدائی منشاء کے خلاف چلکر کیا کیا خدائی قہر و غضب کے نشان دیکھے۔ مرزا احمد بیگ تاریخ نکاح سے چند ماہ کے اندر اندر تپ محرقہ سے ہوشیارپور کے شفاخانہ میں رخصت ہوا اور محمدی بیگم کی ماں اپنے پانچ چھ بچوں کے گراں بوجھ کے نیچے دبی ہوئی

93

بیوہ رہگئی اور ساری خوشیاں خاک میں مل گئیں اور علاوہ احمد بیگ کے اور بعض موتیں بھی اس خاندان میں ہوئیں اور بعض مصائب بھی آئے۔ دوسری طرف محمدی بیگم کے ماموؤں پر جس طرح خدائی عذاب کی تجلی ظاہر ہوئی وہ ایک نہائت عبرت انگیز کہانی ہے یہ تین بھائی تھے اور ان کا گھر اس وقت خانگی رونق اور چہل پہل کا ایک بہترین نمونہ تھا مگر پھر اسکے بعد ان پر خدائی چکی چلی اور یہ مختلف قسم کی تنگیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے اور ان کا گھر خالی ہونا شروع ہوا حتّٰی کہ وہ وقت آیا کہ سارے گھر میں صرف ایک یتیم بچہ رہگیا اور باقی سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کی دن دگنی رات چوگنی ترقی اور اپنی تباہی دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے کیا یہ نظارے خدائی قدرت نمائیوں کی چمکتی ہوئی تجلّیاں نہیں؟ پھر اور سنو وہ یتیم بچہ جو اپنے بڑے وسیع گھر لنے میں اکیلا چھوڑا گیا تھا آج اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود کے حلقہ بگوشوں میں شمار کرتا ہے اور یہی وہ خدائی تعویذ ہے جسنے اسے تباہی سے بچا رکھا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ محمدی بیگم کا خاوند مرزا سلطان محمدؐ کیوں میعاد کے اندر نہیں مرا اور اب تک بقید حیات ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ وہی قدرت الٰہی جسنے مرزا احمد بیگ کو ہلاک کیا مرزا سلطان محمدؐ کے بچائے کا موجب ہوئی محمدی بیگم کے نکاح سے پہلے اور نکاح کے وقت جو حالات تھے وہ اسباب کے مقتضی تھے کہ قدرت الٰہی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہو لیکن جب پیشگوئی کے نتیجہ میں مرزا احمدؐ بیگ کی بے وقت موت نے مرزا سلطان محمدؐ کے خاندان میں ایک تہلکہ مچا دیا اور یہ لوگ سخت خوف زدہ ہو کر حضرت مسیح موعود کی طرف عجز و انکسار کے ساتھ جھکے اور آپ سے دعا کی درخواستیں کیں تو اب سنت اللہ وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون کے مطابق قدرت نمائی مرزا سلطان محمدؐ کے ہلاک کئے جانے کے ساتھ نہیں بلکہ بچائے جانے کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ خود مرزا سلطان محمد کا رویہ مرزا احمدؐ بیگ کی موت سے لیکر آجتک حضرت مسیح موعود کے ساتھ بہت مخلصانہ رہا ہے چنانچہ انہوں نے کئی موقعوں پر اپنی عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا ہے اور باوجود حضرت مسیح موعود کے دشمنوں کی طرف سے

رنگا رنگ میں طمع اور غیرت اور جوش دلائے جانے کے کبھی کوئی لفظ مرزا سلطان محمد کی زبان سے حضرت صاحب کے خلاف نہیں نکلا بلکہ جب کبھی کوئی لفظ منہ سے نکلا ہے تو تائید میں ہی نکلا ہے تو کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ ایسے شخص کے متعلق خدا کی قدرت نمائی عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگی؟ عموماً ایک ظالم سے ظالم انسان بھی اپنے گرے ہوئے دشمن پر وار نہیں کرتا تو کیا خدا جو ارحم الراحمین ہے اس شخص پر وار کریگا جو اسکی پناہ میں آتا ہے؟ اور اگر یہ کہو کہ جب خدا کو معلوم تھا کہ مرزا سلطان محمدؐ کے رشتہ دار نہائیت عقیدت اور عاجزی کے ساتھ حضرت صاحب کی طرف جھکینگے اور رحم اور دعا کے طالب ہونگے اور خود مرزا سلطان محمدؐ کا رویہ حضرت مسیح موعود سے بڑا مخلصانہ ہوگا تو پھر کیوں اسکے متعلق ڈہائی سال میں ہلاک ہو جانے کی پیشگوئی کیگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اسلئے واقعہ ہوا ہے کہ پیشگوئی کی غرض کو نہیں سمجھا گیا پیشگوئی کی غرض جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے یہ نہ تھی کہ خدا اپنے علم ازلی کا اظہار کرے بلکہ پیشگوئی کی غرض یہی تھی کہ قدرت الٰہی کا اظہار کیا جاوے جیسا کہ پیشگوئی کے الفاظ اور حالات سے واضح ہوتا ہے کیونکہ اگر خدا کے علم ازلی کا اظہار مقصود ہوتا تو صرف ایک بات جو بالآخر وقوع میں آنی تھی بلا شرائط بتا دیجاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ اگر یہ لوگ مان لیں گے تو ان کے لئے یہ ایک رحمت کا نشان ہوگا اور اگر انکار کرینگے تو یہ ایک عذاب کا نشان ہوگا جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ علم ازلی کا اظہار مقصود نہ تھا بلکہ قدرت نمائی مقصود تھی۔ اسکے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق امکاناً چار راستے کھلے تھے یعنے اوّل آخری حالت کے لحاظ سے مرزا سلطان محمدؐ کے متعلق جو فی الواقع بات ہونے والی تھی صرف وہ بتائی جاتی اور درمیانی حالات نظر انداز کر دیئے جاتے تا جب پیشگوئی کے مطابق وقوع میں آتا تو لوگوں کو پیشگوئی کے پورا ہونے کا یقین ہوتا اور وہ فائدہ اُٹھاتے۔ دوئم جب کہ مرزا سلطان محمدؐ کے ڈھائی سال میں ہلاک ہو جانے کے متعلق پیشگوئی کردی گئی تھی تو خواہ حالات کتنے بدلتے بہر حال اسکو پورا کیا جاتا یا خدائی تصرف حالات کو بدلنے ہی نہ دیتا اور اس طرح لوگوں کو ٹھوکر سے بچایا جاتا۔ سوئم۔ اگر حالات بدلنے سے پیشگوئی کا حکم بدل جاتا تھا تو

اس سے پہلے ہی اطلاع دیجاتی یعنی پیشگوئی میں ہی ایسے الفاظ رکھ دیئے جاتے کہ مثلاً بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے یا اس قسم کے کوئی اور الفاظ ہوتے تا لوگ پیشگوئی کو قطعی نہ سمجھتے۔ چہارم۔ موجودہ حالات پر حکم لگا دیا جاتا پھر اگر وہ حالات قائم رہتے تو وہی حکم وقوع میں آتا اور اگر حالات بدل جاتے تو نئے حالات کے مناسب حال حکم وقوع میں آتا۔ یہ وہ چار رستے تھے جو امکاناً اختیار کئے جاسکتے تھے لیکن ہر اک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ مقدم الذکر دو طریق قدرت نمائی کے منشاء کے منافی ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں تو پیشگوئی قدرت نمائی کے دائرہ سے نکلکر اظہار علم ازلی کے دائرہ میں آجاتی ہے کیونکہ جب پیشگوئی فریق مخالف کی خاص متمردانہ حالت پر مبنی تھی تو اس صورت میں حالات کو نظر انداز کرنا اسکو قدرت نمائی کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ ہاں اگر اس کی بنیاد فریق متعلقہ کی کسی حالت پر نہ ہوتی تو بیشک حالات اور ان کا تغیر نظر انداز کئے جاسکتے تھے مگر اس صورت میں پیشگوئی اظہار قدرت کے لئے نہ رہتی بلکہ علم ازلی کے اظہار کے ماتحت آجاتی اور پیشگوئی کی اصل غرض ہی فوت ہو جاتی۔ اور اگر دوسرے طریق کو اختیار کیا جاتا تو یہ بات علاوہ کمال قدرت نمائی کے منافی اور سنت اللہ کے مخالف ہونے کے خدا کی مقدس ذات پر سخت اعتراض کا موجب ہوتی اور اس صورت میں بھی اصل غرض پیشگوئی کی باطل ہو جاتی پس لامحالہ پیشگوئی کی غرض اظہار قدرت نمائی ثابت ہونے کے بعد ہم کو موخر الذکر دو طریقوں میں محدود ہونا پڑیگا اور یہ دونوں طریق ایسے ہیں کہ سنت اللہ سے ثابت ہیں۔ تیسرے طریق پر تو کسی جرح کی گنجائش نہیں مگر ہاں چوتھے طریق پر بادی النظر میں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی شرط کو تیسرے طریق کے طور پر واضح کیوں نہ کیا جائے اور مخفی کیوں رکھا جائے سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن شریف کے نص صریح سے یہ شرط بطور اصول کے بیان کر دیگئی ہے کہ حالات کے بدلنے سے اقتداری پیشگویوں میں قدرت نمائی کی صورت بدل جاتی ہے اور عقل انسانی کا بھی یہی فتوےٰ ہے کہ ایسا ہونا چاہئے کیونکہ اگر یہ نہ مانا جاوے تو اصل غرض فوت ہو کر خدا کی بعض صفات کا انکار کرنا پڑتا ہے تو پھر ہرگز ضروری نہیں کہ یہ شرط ہر پیشگوئی میں واضح طور پر بیان کی جاوے خصوصاً

جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایمان کے راستے میں خدا کی یہ سنت ہے کہ بعض اخفا کے پردے بھی رکھے جاتے ہیں اور ایمان کے ابتدائی مدارج میں شہود کا رنگ نہیں پیدا کیا جاتا۔* خلاصہ کلام یہ کہ سارا اعتراض پیشگوئی کی غرض نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پیشگوئی کی غرض یہ تھی کہ علم الٰہی کے ماتحت محمدی بیگم حضرت صاحب کے نکاح میں آجاوے اور بس حالانکہ یہ غرض ہرگز نہ تھی بلکہ غرض یہ تھی کہ حضرت صاحب کے قریبی رشتہ داروں کو اقتداری نشان دکھایا جاوے اور مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کا ہلاک ہونا اور محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے عقد میں آنا حسب وقت کے حالات کے ماتحت اس قدرت نمائی کے لئے بطور علامات کے تھے۔ نہ کہ مقصود بالذات۔

اگر اسجگہ یہ شبہ پیدا ہو کہ حضرت صاحب کے بعض الہامات میں ہے کہ محمدی بیگم بالآخر تیری طرف لوٹائی جاوے گی اور تمام روکیں دور کیجاوینگی وغیرہ وغیرہ اور اسکو تقدیر مبرم کے طور پر ظاہر کیا گیا تھا تو اس کا یہ جواب ہے کہ اول تو قطعی طور پر ثابت کرنا چاہئے کہ یہ سب الہامات حضرت مسیح موعود اور محمدی بیگم ہی کے متعلق ہیں دوسرے اگر یہ سب الہامات محمدی بیگم اور حضرت صاحب ہی کے متعلق ہوں تو پھر بھی ان کو الگ الگ مستقل الہامات سمجھنا سخت نادانی ہے بلکہ یہ سارے الہامات ابتدائی الہام کے ساتھ ملحق اور اسکے ماتحت سمجھے جاوینگے اور ان سب کو یکجائی طور پر سامنے رکھکر کوئی رائے قائم کرنی پڑیگی اور ابتدائی الہام کو اصل قرار دینا ہوگا اور باقی بعد کے سب الہامات کو اس اصل کی شاخیں سمجھنا ہوگا۔ اب اس اصول کو مدنظر رکھکر تمام پیشگوئی پر غور کریں تو صاف پتہ لگ رہا ہے کہ حضرت صاحب کو حکم تھا کہ محمدی بیگم کے متعلق سلسلہ جنبانی کر اگر انہوں نے مان لیا تو یہ ان کے واسطے ایک رحمت کا نشان ہوگا اور اگر لڑکی کہیں دوسری جگہ نکاح کردیا تو یہ ان کیلئے ایک عذاب کا نشان ہوگا اور اس صورت میں لڑکی کا والد تین سال میں اور لڑکی کا خاوند ڈھائی سال میں مرجائینگے اور لڑکی بالآخر تیری طرف لوٹائی جاویگی اور تمام روکیں دور کی جاوینگی وغیرہ وغیرہ۔ اب ظاہر ہے کہ لڑکی کے حضرت صاحب کی طرف لوٹائے جانے اور روکوں کے دور ہونے کو مرزا سلطان محمد کے ہلاک ہونے سے تعلق ہے اور یہ باتیں

95

* حاشیہ۔ اور یہاں تو پیشگوئی کے الفاظ ہی اسکے شرطی ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں منہ۔

اس کے ماتحت ہیں نہ کہ مستقل یعنی جب اُس وقت کے حالات کے ماتحت مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی پیشگوئی ہوئی اور قدرت نمائی کو اس کی ہلاکت کی صورت کے ساتھ وابستہ کیا گیا تو اسکے نتیجہ میں جو باتیں ظہور میں آنی تھیں ان کا بھی اظہار کیا گیا یعنی یہ کہ مرزا سلطان محمد ہلاک ہوگا اور اس کی زندگی کی وجہ سے جو روکیں ہیں اور نیز دوسری روکیں وہ دُور ہونگی اور پھر لڑکی تیرے گھر آئے گی۔ گویا یہ سب باتیں اس کی ہلاکت کی شق کو مدنظر رکھکر بیان کی گئی تھیں اور جس طرح ہلاکت کے مقابل کی شق یعنے بچائے جانے کو مخفی رکھا گیا اسی طرح بچائے جانے کے بعد جو کچھ وقوع میں آنا تھا اس کو بھی مخفی رکھا گیا یعنے ہلاکت والا پہلو اور اسکے نتائج بیان کر دیئے گئے اور بچائے جانے والا پہلو اور اسکے نتائج مخفی رکھے گئے اور یہ سراسر نادانی اور ظلم ہوگا اگر ہم یہ سمجھیں کہ لڑکی کے لوٹائے جانے کی جو پیشگوئی ہے وہ ہلاکت اور عدم ہلاکت دونوں پہلوؤں کا نتیجہ ہے کیونکہ جب عدم ہلاکت کا پہلو ہی مذکور نہیں تو اس کا نتیجہ کیونکر مذکور ہو سکتا ہے۔ مذکور نتیجہ لامحالہ مذکور شق کے ساتھ وابستہ سمجھا جاویگا کیونکہ وہ اسی لڑی میں پرویا ہوا ہے اور دوسری لڑی ساری کی ساری مخفی رکھی گئی ہے۔ ہاں جب واقعات نے قدرت نمائی کے لئے مرزا سلطان محمد کے بچائے جانے والے پہلو کو ظاہر کیا (جو لفظاً مذکور نہیں تھا) تو پھر اس پہلو کے وہ نتائج بھی ظاہر کئے گئے جو لفظاً مذکور نہیں تھے۔ ہاں اگر عذاب والا پہلو ظاہر ہوتا تو پھر اس پہلو کے نتائج بھی ظاہر ہوتے لیکن جب وہ پہلو ہی ظاہر نہیں ہوا تو اس کے نتائج کس طرح ظاہر ہو جاتے اذا فات الشرط فات المشروط۔ اور تقدیر مبرم کے بھی یہی معنے ہیں کہ صرف ہلاکت والے پہلو کا حضرت صاحب کو علم دیا گیا تھا اور حقیقی واقعہ کا علم صرف خدا کو تھا پس حضرت صاحب کے لئے وہ تقدیر مبرم تھی اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات مخاطِب مخاطَب کے علم کو مدنظر رکھکر ایک لفظ بولتا ہے حالانکہ اسکے اپنے علم کے لحاظ سے وہ لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ تقدیر مبرم سے ان خاص حالات میں یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو شق مذکور ہے اس کے نتیجہ کے طور پر یہ تقدیر مبرم ہے نہ کہ مطلقاً یعنے اگر ہلاکت والی شق ظہور میں آئے تو پھر یہ تقدیر مبرم ہے کہ وہ تیرے نکاح

میں آئے گی اور چونکہ دوسری شق کو بالکل مخفی رکھا گیا تھا اسلئے محض مذکور شق کو مدنظر رکھکر تقدیر مبرم کا لفظ استعمال کرنا کوئی جائے اعتراض نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ محمدی بیگم کے حضرت صاحب کے نکاح میں آنے کے متعلق جتنے بھی الہامات ہیں وہ سب ابتدائی الہام کی فرع ہیں مستقل پیشگوئیاں نہیں ہیں اور ان سب کی بنیاد مرزا سلطان محمد کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہونے پر ہے پس جب مرزا سلطان محمد کی ہلاکت حالات کے بدلجانے سے قدرت نمائی کا ذریعہ نہ رہی بلکہ عذاب کا ٹل جانا قدرت نمائی کا ذریعہ ہوگیا تو پھر عذاب والی صورت پر جتنے نتائج مترتب ہونے تھے وہ بھی منسوخ ہو گئے اور عدم عذاب والا مخفی پہلو مع اپنے تمام مخفی نتائج کے ظاہر ہوگیا گویا مرزا سلطان محمد کے متعلق تصویر کے دو پہلو تھے۔ اوّل۔ عذاب کے ماتحت موت اور اسکے نتائج یعنے محمدی بیگم کا بیوہ ہو کر حضرت صاحب کے نکاح میں آنا وغیرہ پیشگوئی میں صرف یہی پہلو ظاہر کیا گیا تھا۔ دوسرے۔ حالات کے بدل جانے سے عذاب اور موت کے رک جانے کی صورت میں اظہار قدرت ہونا اور اسکے نتائج یعنے محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد ہی کے پاس رہنا وغیرہ۔ یہ دوسرا پہلو مخفی رکھا گیا تھا پس خدا نے سنت اللہ کے مطابق ظاہر پہلو کو منسوخ کرکے مخفی پہلو کو ظاہر کر دیا۔ جو پہلو بیان کیا گیا تھا وہ سارے کا سارا بیان کیا گیا تھا اور جو مخفی رکھا گیا تھا وہ سارے کا سارا مخفی رکھا گیا تھا۔ دراصل سارا دھوکا اس بات سے لگا ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کو اصل غرض پیشگوئی کی سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے بلکہ اصل غرض رشتہ داروں کی درخواست پر قدرت نمائی تھی اور مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد کا مرنا اور محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا وغیرہ یہ سب اُسوقت کے حالات کے ماتحت اس قدرت نمائی کے لئے بطور علامات کے رکھے گئے تھے لیکن جب مرزا احمد بیگ کی اچانک موت نے حالات کی صورت بدل دی تو قدرت نمائی کے علامات بھی بدل گئے حق یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ ہاں اگر حضرت مسیح موعود کی زندگی میں کسی وقت مرزا سلطان محمد متمردانہ طریق اختیار کرتا تو تصویر کا جو ظاہر پہلو تھا وہ

بتمامہ وقوع میں آجاتا چنانچہ حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں اپنے مخالفوں کو بارہا مخاطب کرکے لکھا ہے کہ اگر تمہیں اس پیشگوئی کے متعلق کوئی اعتراض ہے تو مرزا سلطان محمدؐ کی طرف سے کوئی مخالفت کا اشتہار دلواؤ اور پھر دیکھو کہ خدا کیا دکھاتا ہے مگر باوجود ہمارے مخالفوں کی طرف سر توڑ کوشش اور بے حد غیرت اور طمع دلانے کے مرزا سلطان محمدؐ نے حضرت مسیح موعود کے متعلق جب کبھی کوئی اظہار کیا تو عقیدت اور اخلاص کا ہی اظہار کیا اندریں حالات مخالفت والے پہلو پر جو نتائج مترتب ہونے تھے وہ کس طرح ظاہر ہو جاتے۔ خدا کی خدائی اندھیر نگری نہیں کہ کاشت کریں آم اور نکل آئے حنظل بلکہ وہاں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ گندم از گندم بروید جو زجو۔ از مکافات عمل غافل مشو۔ محمدی بیگم کے نکاح کا درخت مرزا سلطان محمدؐ کی ہلاکت کی سرزمین سے نکلنا تھا اور ہلاکت کی سرزمین خدائی عذاب کے زلزلہ نے تیار کرنی تھی اور یہ عذاب کا زلزلہ مرزا سلطان محمدؐ کے تمرّد نے پیدا کرنا تھا اب جب تمرد نہ ہوا تو عذاب کا زلزلہ کیسا اور جب زلزلہ نہ آیا تو ہلاکت کیسی؟ اب محمدی بیگم کے نکاح کو بیٹھے روتے رہو۔ خدا نے تو اپنی قدرت نمائی کا جلوہ دکھا دیا اور پیشگوئی پوری ہو گئی۔

اب ایک شبہ باقی رہجاتا ہے اور وہ یہ کہ بے شک حالات کے تغیر سے قدرت نمائی کی صورت بدل جاتی ہے اور بدل جانی چاہیئے مگر تغیر ایسا ہونا چاہیئے جو کسی کام کا ہو مثلاً کسی غیر مسلم معاند کے عذاب کی خبر ہے تو وہ عذاب اس صورت میں ٹلنا چاہیئے کہ وہ شخص تائب ہو کر مسلمان ہو جاوے یا غیر احمدی مسلمان ہو تو وہ احمدی ہو جاوے ورنہ اپنے مذہب پر رہکر ہی کچھ تغیر کر لینا موجب رہائی کا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ معاملہ کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ اس کا جواب ہے کہ یہ شبہ نادانی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہی شخص ایسا شبہ کر سکتا ہے جو موجبات عذاب سے بے خبر ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ اس دنیا میں عذاب، نبی کے محض انکار کی وجہ سے نہیں آتا بلکہ اسکے مقابل میں فساد اور سرکشی اور تمرّد سے آتا ہے محض انکار کے لئے آخرت کی جزا سزا مقرر ہے۔ اس دنیا کا عذاب صرف سرکشی اور تمرّد کے نتیجے میں

ہوتا ہے چنانچہ ہمارا مشاہدہ اس پر شاہد ہے۔ اب جب یہ بات معلوم ہوگئی تو کوئی اعتراض نہ رہا۔ ایک شخص جو اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے اس دنیا میں عذاب کا مستحق بنا تھا وہ جب تمرد کی حالت کو بدل دیگا تو عذاب ٹل جائیگا۔ خواہ وہ منکر ہی رہے اور انکار کی پرسش آخرت میں ہوگی۔ جو چیز اس دنیا میں عذاب کی موجب تھی وہ جب جاتی رہی تو اس دنیا کا عذاب بھی جاتا رہا۔ باقی رہا محض انکار اور علیحدگی سو اسکے لئے دنیا میں عذاب نہیں ہوتا بلکہ اُس کی پرسش اگلے جہان میں ہوگی۔ پس یہ کہنا کہ غیر مسلم کے مسلمان اور غیر احمدی مسلمان کے احمدی ہو جانے پر عذاب ٹلنا چاہیئے تھا ایک جہالت کی بات ہے۔ جب غیر مسلم کا محض غیر مسلم ہونا اور غیر احمدی کا محض غیر احمدی ہونا اس دنیا میں موجبات عذاب کے نہیں اور نہ اس وجہ سے اُن کے لئے کوئی عذاب کی پیشگوئی تھی تو یہ اعتراض بیہودہ ہے۔ ہاں اگر عذاب کی وجہ اُن کا غیر مسلم یا غیر احمدی ہونا بتائی جاتی تو پھر بے شک جتبک وہ احمدی یا مسلمان نہ ہو جاتے عذاب نہیں ٹلنا چاہیئے تھا۔ لیکن جب عذاب کی یہ وجہ ہی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ عذاب کی وجہ فساد فی الارض اور تمرد ہے تو عذاب کے ٹلنے کیلئے ایمان لانے کی شرط قرار دینا محض جہالت ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ مرزا سلطان محمد نے گو بے شک اخلاص و عقیدت کا اظہار کیا اور تمرد نہیں دکھایا۔ لیکن محمدی بیگم کو اپنے نکاح میں تو رکھا۔ اور اس طرح گویا عملاً تمرد سے کام لیا۔ تو یہ بات گذشتہ اعتراض سے بھی بڑھکر جہالت کی بات ہوگی۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ پیشگوئی کی غرض ہرگز محمدی بیگم کا نکاح نہ تھی بلکہ متمرد رشتہ داروں کو ایک اقتداری نشان دکھانا تھا تو پھر یہ کہنا کہ گو اس نے تمرد نہیں دکھایا مگر چونکہ محمدی بیگم کو اپنے نکاح میں رکھا اسلئے عذاب نہ ٹلنا چاہیئے تھا ایک ابلہانہ بات ہے اگر غرض پیشگوئی کی یہ ہوتی کہ محمدی بیگم حضرت صاحب کے نکاح میں آجاوے تو پھر بیشک مرزا سلطان محمد کا نقط تمرد نہ دکھانا کسی کام نہ آتا۔ جبتک وہ محمدی بیگم کو الگ نہ کرتا لیکن جب پیشگوئی کی یہ غرض ہی ثابت نہیں ہوتی تو پھر عذاب کے ٹلنے کو مرزا سلطان محمد کے محمدی بیگم سے علیحدہ ہو جانے کے ساتھ

مشروط قرار دینا ایک عجیب منطق ہے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ دراصل یہ سارے اعتراضات پیشگوئی کی غرض پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ بات کوئی مشکل نہ تھی۔

اور یہ شبہ کہ اگر محض انکار سے اس دنیا میں عذاب نہیں آتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زمانہ کے مختلف عذابوں کو انہی وجہ سے کیوں قرار دیا ہے۔ ایک دہوکے پر مبنی ہے۔ آج کل جو دنیا کے مختلف حصوں میں عذاب آ رہے ہیں۔ ان کو حضرت صاحب نے اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے۔ کہ یہ لوگوں کو جگانے کے لئے ہیں یعنی ان کی یہ غرض ہے کہ لوگ اپنی غفلتوں سے بیدار ہوجائیں اور حق کی تلاش میں لگ جاویں۔ اور حق کے قبول کرنے کے لئے ان کے دل نرم ہو جاویں۔ لہذا یہ عذاب اور نوعیت کا عذاب ہے۔ جس کو اس دوسری قسم کے عذاب سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ عام قومی عذاب تو صرف بیدار کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یعنی جب کبھی کوئی رسول آتا ہے۔ تو خدا کی سنت ہے کہ اس کی قوم کو جن کی طرف وہ مبعوث ہو۔ عذاب کے دھکوں سے بیدار کرتا ہے اسی لئے یہ قومی عذاب رسول کی بعثت کی علامت رکھے گئے ہیں۔ ورنہ یہ عذاب تو بسا اوقات ایسے لوگوں کو بھی پہنچتے رہتے ہیں۔ جن تک رسول کی تبلیغ بھی نہیں پہنچی ہوتی اور جن کی طرف سے رسول کے خلاف تمرّد تو درکنار محض انکار بھی نہیں ہوا ہوتا۔ پس ان عذابوں کو اس خاص عذاب کے ساتھ مخلوط کرنا نادانی ہے۔ زیر بحث تو وہ خاص انفرادی عذاب ہیں۔ جو ان لوگوں کو پہنچتے ہیں۔ جو رسول کے مقابل پر ہوتے ہیں۔ ایسے عذاب محض انکار پر مبنی نہیں ہوتے۔ بلکہ فساد فی الارض اور سرکشی اور تمرّد سے آتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے جو اس رشتہ کی کوشش میں اپنے بعض رشتہ داروں کو خط لکھے اور اس کے لئے بڑی جد وجہد کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اصل غرض محمدی بیگم کا نکاح تھی مگر یہ ایک سراسر باطل بات ہے۔ جبکہ پیشگوئی کے الفاظ سے یہ غرض ثابت نہیں ہوتی اور جب کہ حضرت صاحب

کی تحریرات میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی موجود ہے۔ کہ پیشگوئی کی غرض نکاح نہ تھی بلکہ قدرت نمائی تھی۔ اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار حضرت صاحب نے اسے کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اور محمدی بیگم کے مرزا سلطان محمد کے ساتھ بیاہے جانے سے پہلے بھی اور بیاہے جانے کے بعد بھی اس غرض کا اظہار کیا۔ یعنی برابر اس وقت سے جب کہ ابھی محمدی بیگم بیاہی بھی نہ گئی تھی اور اس پیشگوئی کے متعلق اعتراض وغیرہ نہ تھا حضرت صاحب ہمیشہ یہی بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ اس کی غرض محمدی بیگم کو نکاح میں لانا نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک نشان دکھانا ہے۔ تو نکاح کی کوشش کرنے اور اپنے بعض رشتہ داروں کو اس کوشش کے متعلق خطوط لکھنے سے یہ استنباط کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ پیشگوئی کی غرض نکاح کرنا تھی۔ کیا ایسے رکیک استنباطوں سے نصوص صریحہ کا رد کرنا جائز ہے۔ رشتہ کی کوشش اور اس کے لئے رشتہ داروں کو تحریک تو فقط اس غرض سے تھی کہ اس وقت تک چونکہ محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے نکاح نہ ہوا تھا۔ اس لئے حضرت صاحب کی خواہش اور کوشش تھی کہ محمدی بیگم کا نکاح آپ کے ساتھ ہو جاوے تا آپ کے رشتہ دار خدا کی رحمت اور برکت سے حصہ پاویں اور خدا کا نشان پورا ہو اور آپکی صداقت ظاہر ہو۔ اس سے پیشگوئی کی غرض کے متعلق کس طرح استدلال ہو سکتا ہے۔ اس جگہ اسبات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد کے ساتھ نکاح نہیں ہوا تھا محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے رشتہ میں آنا رشتہ داروں کے لئے ایک نشانِ رحمت تھا۔ لیکن جب محمدی بیگم مرزا سلطان محمد کے عقد میں چلی گئی اور آپ کے رشتہ داروں نے تمرد سے کام لیا تو اب محمدی بیگم کا حضرت صاحب کی طرف لوٹنا مرزا سلطان محمد کے عذاب میں مبتلا ہونے کے ساتھ مشروط ہو گیا یعنے مرزا سلطان محمد پر عذاب کی موت آئے اور پھر محمدی بیگم حضرت صاحب کی طرف لوٹے اسی لئے جب تک محمدی بیگم کا حضرت صاحب کے عقد میں آنا رشتہ داروں کے لئے ایک رحمت کا نشان تھا آپ نے اُس کے لئے کوشش کی اور پوری کوشش کی اور یہ کوشش آپکی صداقت اور اخلاق فاضلہ پر

ایک زبردست دلیل ہے لیکن جب محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح ہو جانے کے بعد اُس کا اپنی طرف لوٹنا رشتہ داروں کے عذاب دیئے جانے کی علامت ہو گیا تو آپ نے معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ پس آپ کی کوششوں سے پیشگوئی کی غرض کے متعلق استدلال کرنا باطل ہے۔ یہ کوشش تو محض اسلیئے تھی کہ اُسوقت کے حالات کے ماتحت محمدی بیگم کا آپکے نکاح میں آنا اظہار قدرت کی ایک علامت تھا۔ پس آپنے اس علامت کے پورا کرنے کی کوشش کی تا پیشگوئی کی اصل غرض یعنے قدرت نمائی وقوع میں آوے اور خصوصیت کے ساتھ کوشش اسلیئے کی کہ اُسوقت کے حالات کے ماتحت محمدی بیگم کا آپ کے عقد میں آنا آپ کے رشتہ داروں کیلئے موجب رحمت وبرکت تھا لہذا یہ کوشش تو آپ کی صداقت اور اخلاق فاضلہ اور رشتہ داروں پر رحم وشفقت کی ایک دلیل ہے نہ کہ آپکے خلاف جائے اعتراض +

خلاصہ کلام یہ کہ یہ پیشگوئی خدا کے علم ازلی کے اظہار کیلئے نہ تھی کہ تا بہر حال اپنی ظاہری صورت میں پوری ہوتی بلکہ اظہار قدرت کاملہ کیلئے تھی۔ پس پیشگوئی کے وقت حالات موجودہ جس قسم کی قدرت نمائی کے مقتضی تھے اُس کا اظہار کیا گیا اور بعد میں حالات کے تغیر سے جو جو رستہ قدرت نمائی کا متعین ہوتا گیا۔ اس کے مطابق اظہار قدرت ہوتا گیا۔ تا یہ ثابت ہو کہ خدا کوئی مشین نہیں ہے کہ جب پتہ چل گیا تو بس پھر جو اپنا بیگانہ سامنے آیا اُسکو پیس ڈالا کیونکہ یہ بات قدرت کاملہ کے منافی ہے۔ بلکہ خدا ایک قدیر ہستی ہے جب کوئی شخص عذاب کا مستحق ہوتا ہے اُسے عذاب میں گرفتار کرتا ہے اور پھر اُسے کوئی نہیں بچا سکتا اور جب وہ موجبات عذاب کو دور کر دیتا ہے تو خدا بھی اس سے اپنا عذاب کھینچ لیتا ہے اور پھر اُسے کوئی عذاب میں نہیں ڈال سکتا اور یہی قدرت کاملہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ محمدی بیگم کے نکاح کے متعلق حضرت صاحب کو بہت سے الہامات ہوئے کہ وہ تیرے نکاح میں آئے گی سو اس کا جواب گذر چکا ہے۔ کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی کوئی مستقل پیشگوئی نہیں بلکہ رشتہ داروں کو جو نشان دکھلانا تھا اُس کا حصہ اور فرع ہے اور یہ بات حضرت صاحب کی

تحریرات بلکہ خود الہامات سے اظہر من الشمس ہو جاتی ہے اور جو شخص اس کے خلاف دعوے کرتا ہے بار ثبوت اسکے ذمہ ہے۔ پس جب نکاح کی پیشگوئی مستقل پیشگوئی نہ ہوئی بلکہ تمام پیشگوئی کا حصہ اور فرع ہوئی تو اعتراض کوئی نہ رہا۔ کیونکہ پیشگوئی کا منشاء یہ قرار پایا کہ مرزا سلطان محمد عذاب موت میں گرفتار ہوگا اور پھر محمدی بیگم حضرت مسیح موعود کے عقد میں آئیگی۔ اور مرزا سلطان محمد کے عذاب موت میں مبتلا نہ ہو کی صورت میں کوئی چیز محمدی بیگم کے حضرت صاحب کی طرف لوٹنے میں روک نہ ہوسکیگی۔ لیکن جب حالات کے بدلجانے پر مصلحت الٰہی نے قدرت نمائی کا منشاء پورا کرنے کیلئے عذاب کی صورت کو بدل دیا تو نکاح بھی جو عذاب والی صورت کا نتیجہ تھا منسوخ ہو گیا۔ اصل غرض قدرت نمائی تھی اور باقی سب اُس وقت کے حالات کے ماتحت اُسکی علامات تھیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جب حالات کے بدلجانے سے اصل غرض اور علامات آپس میں ٹکرانے لگیں تو اصل غرض کو لے لیا گیا اور علامات کو چھوڑ دیا گیا اور یہی حکمت کی راہ ہے۔ اور اگر کہو کہ ایسا کیوں نہ کیا گیا کہ وہی علامات مقرر کی جاتیں جو آخر تک ساتھ رہتیں تو اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے کہ چونکہ یہ پیشگوئی علم ازلی کے اظہار کیلئے نہ تھی بلکہ قدرت نمائی کیلئے تھی۔ اسلئے حالات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر حالات کو نظر انداز کیا جاتا تو پیشگوئی کی اصل غرض (یعنی قدرت نمائی) فوت ہو کر پیشگوئی اظہار علم ازلی کے ماتحت آجاتی اور یہ مقصود نہ تھا۔ خوب سوچ لو کہ قدرت کاملہ کا اظہار بغیر حالات کو مدنظر رکھنے کے ناممکن ہے کیونکہ یہ صورت دو نتیجوں سے خالی نہیں یا تو خدا کو بغیر ارادے کے ایک مشین کی طرح ماننا پڑیگا اور یا پھر ظالم و سفّاک قرار دینا ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں قدرت کاملہ کے مفہوم کے منافی ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

اسجگہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خاکسار نے پیشگوئیوں کے جو اصول بیان کئے ہیں اُن پر پیشگوئیوں کے اصول کا حصر نہیں ہے۔ یعنے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ پیشگوئیوں کے بس صرف یہی اصول ہیں جو بیان ہو گئے۔ بلکہ یہاں تو صرف اس جگہ کے مناسب

حال اور وہ بھی خاص خاص اصول بیان کئے ہیں ورنہ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے اصول ہیں بلکہ ان بیان شدہ اصول کے بھی بہت سے اور پہلو ہیں جو بیان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ یہ موقع پیشگوئیوں کے اصول بیان کرنیکا نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح موعود کی سیرت و سوانح کے بیان کرنے کا ہے*

(۱۷۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ جمال احمد صاحب جو سلسلہ کے ایک مبلغ ہیں ۹/۱۳ جون ۱۹۲۱ء کے اخبار الفضل قادیان میں لکھتے ہیں "عند الملاقات مینے مرزا سلطان محمد صاحب سے سوال کیا کہ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ جسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں اور کہا کہ میرے خُسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے اس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے میری زاری و دعا کی وجہ سے وہ عذاب مجھ سے ٹال دیا۔

پھر مینے اُن سے سوال کیا آپ کو حضرت مرزا صاحب کی اس پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی ہے؟ جسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ پھر مینے سوال کیا کہ اگر پیشگوئی کی وجہ سے آپ کو حضرت مرزا صاحب پر کوئی اعتراض یا شک و شبہ نہیں تو کیا کوئی اور اُن کے دعوے کے متعلق آپ کو اعتراض ہے۔ جس کی وجہ سے آپ ابھی تک بیعت کرنے سے رُکے ہوئے ہیں؟ اس پر بھی اُنہوں نے خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جانکر یہی جواب دیا کہ مجھے کسی قسم کا بھی اُن پر اعتراض نہیں بلکہ جب میں انبالہ چھاؤنی میں تھا تو ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک احمدی نے مرزا صاحب کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے تھے جس کا مینے اس کو تحریری جواب دیدیا تھا (وہ تحریر رسالہ تشحیذ میں چھپ چکی ہے۔ مؤلف) اس کے بعد

میں نے ان سے پوچھا کہ جب آپکو کوئی اعتراض نہیں تو پھر بیعت کیوں نہیں کرتے؟ جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اسکے وجوہات اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ قادیان جاؤں کیونکہ مجھے حضرت میاں صاحب کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام کیفیت بیان کروں پھر چاہے شائع بھی کر دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ باقی میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا میں کسی طرح مرزا صاحب پر کوئی نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔

پھر میں نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپکے گھر والوں (محمدی بیگم صاحبہ) نے کوئی رؤیا دیکھی ہے۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا مجھ سے تو انہوں نے ذکر نہیں کیا مگر آپ احمد بیگ (ہیڈ کلرک احمدی) کے ذریعہ میرے گھر سے خود دریافت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ صاحب نے ان کو اپنے گھر بلوایا اور دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ جس وقت فرانس سے ان کو (یعنے مرزا سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی تو میں سخت پریشان ہوئی اور میرا دل گھبرا گیا۔ اسی تشویش میں مجھے رات کے وقت مرزا صاحب رؤیا میں نظر آئے ان کے ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ ہے اور وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ "لے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے فکر نہ کر"۔ اس سے مجھے ان کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا"۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے مرزا احمد بیگ صاحب احمدی سے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی پوری پوری تصدیق کی +

(۱۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت یا سوانح کے متعلق جو تصنیفات احمدیوں کی طرف سے اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں (۱) سیرۃ المسیح موعود مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب

مولوی صاحب مرحوم اکابر صحابہ میں سے تھے اور حضرت مولوی صاحب یعنی خلیفہ اول کے بعد جماعت میں انہی کا مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصنیف نہائت مختصر ہے لیکن چونکہ مولوی صاحب مرحوم کی طبیعت نہائت ذکی اور نکتہ سنج واقع ہوئی تھی اسلئے بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اچھے اچھے استدلال کئے ہیں عموماً خانگی اخلاق پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ہر بات کی بنا اپنے ذاتی مشاہدہ پر رکھی ہے اور چونکہ مولوی صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود کے مکان کے ایک حصہ میں ہی رہتے تھے اسلئے ان کو حضرت صاحب کے اخلاق و عادات کے مطالعہ کا بہت اچھا موقعہ میسّر تھا اس پر خدا نے تقریر و تحریر کی طاقت بھی خاص عطا کی تھی۔ یہ رسالہ نہائت دلچسپ اور قابل دید ہے۔ روایات چونکہ سب حضرت مولوی صاحب مرحوم کی ذاتی ہیں اسلئے شک وشبہ کی گنجائش سے بالا ہیں۔ ہاں مولوی صاحب کے قلم کے زور نے ان کو بعض جگہ الفاظ کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں مفہوم لیکر واقعات کو اپنے طرز کلام میں بیان کر دیا ہے۔ تاریخ تصنیف جنوری ۱۹۰۰ء ہے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف کی وفات ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی کیا خوب ہوتا اگر مولوی صاحب اس رسالہ کو زیادہ مکمل و مبسوط کر جاتے۔ یہ رسالہ سوانح کے حصہ سے بالکل خالی ہے یعنے سیرت و خلق ذاتی پر روشنی ڈالنے کے لئے صرف جستہ جستہ واقعات لے لئے ہیں مگر ہر لفظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ناظرین اس مختصر رسالہ کا ضرور مطالعہ کریں ۔

(۲) احمد علیہ السلام بزبان انگریزی مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے مولوی صاحب موصوف پُرانے احمدی ہیں۔ غالباً ۱۸۹۷ء میں احمدی ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی کے آخری چند سال قادیان ہجرت کر آئے تھے اور حضرت صاحب نے ان کو اپنے مکان کے ایک حصہ میں جگہ دی تھی اور ریویو کی ایڈیٹری ان کے سپرد کی تھی۔ مولوی صاحب حضرت صاحب کے زمانہ میں مقربین میں سمجھے جاتے تھے۔ مگر افسوس اپنے بعض دوستوں اور نیز زمانہ کے اثر کے نیچے آکر فتنہ کی رو میں بہہ گئے۔ ان کی تصنیف احمدؑ علیہ السلام مختصر طور پر حضرت مسیح موعود کے سوانح اور سیرت پر

مشتمل ہے اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ سوانح کے معاملے میں کوئی خاص تحقیق نہیں کی گئی۔ بلکہ عام معروف باتوں کو لکھ دیا ہے۔ سیرت کا حصہ عموماً اپنی ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے اور عمدہ طور پر لکھا گیا ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۶ء ہے۔

(۳) حضرت مسیح موعود کی زندگی کے مختصر حالات مصنفہ میاں معراجدین صاحب عمر لاہوری۔ میاں صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں ہجرت نہیں کی لیکن حضرت مسیح موعود کی صحبت کافی اُٹھائی ہے اور ذہین اور منشی آدمی ہیں۔ یہ مضمون براہین احمدیہ کے ساتھ شامل ہو کر شائع ہوا ہے اور آپ کے خاندانی حالات سوانح اور سیرت پر مشتمل ہے جو عمدگی کے ساتھ مرتب کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ واقعات میں کوئی مستقل تحقیق نہیں کی گئی۔ بلکہ عموماً معروف واقعات کو لے لیا ہے۔ ....

تاریخ تصنیف ۱۹۰۶ء ہے۔

(۴) حیات النبی۔ مصنفہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی۔ شیخ صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں اور سلسلہ کے خاص آدمیوں میں سے ہیں مہاجر ہیں۔ اور کئی سال حضرت صاحب کی صحبت اُٹھائی ہے۔ ان کے اخبار الحکم میں سلسلہ کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح اور سیرت کا کافی ذخیرہ موجود ہے شیخ صاحب کو شروع سے ہی تاریخ سلسلہ کے محفوظ رکھنے اور جمع کرنے کا شوق رہا ہے۔ اور دراصل صرف حیات النبی ہی وہ تصنیف ہے جو اس وقت تک حضرت مسیح موعود کے سوانح و سیرت میں ایک مستقل اور مفصل تصنیف کے طور پر شروع کی گئی ہے۔ اسکی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور قابل دید ہیں۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۵ء ہے۔

(۵) تذکرۃ المہدی۔ مصنفہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی جو بہت پرانے احمدی ہیں۔ غالباً ۱۸۸۲ء سے اون کی قادیان میں آمدورفت شروع ہوئی تھی۔ حضرت صاحب کی صحبت بھی بہت اُٹھائی ہے بلکہ کئی سال قادیان آکر خدمت میں رہے ہیں۔ لکھنے اور بات کرنے کا پیرایہ اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ اُن کی تصنیف تذکرۃ المہدی بہت دلچسپ ہے۔ مسلسل سوانح نہیں بلکہ جستہ جستہ واقعات ہیں۔ مگر خوب

تفصیل اور بسط کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں اور سب چشم دید باتیں لکھی ہیں۔ گویا اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ عموماً سفروں میں حضرت کے ہمرکاب رہے ہیں۔ اُن کی کتاب اپنے رنگ میں بہت دلچسپ اور قابل دید ہے۔ کتاب کے دو حصہ شائع ہو چکے ہیں۔ تاریخ تصنیف ۱۹۱۶ء ہے۔

(۶) سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں وفات تک کے معروف و مشہور واقعات درج ہیں۔ اس میں کوئی مستقل یا مفصل تاریخی تحقیق نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف عام معروف سوانح کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور در اصل اس کی اشاعت سے غرض بھی یہی تھی۔ اسلوب بیان اور عام طرز تحریر کے متعلق مصنف کے نام نامی سے قیاس ہو سکتا ہے۔ تاریخ تصنیف سنہ ۱۹۱۶ء ہے۔

ان کے علاوہ دو عیسائی امریکن پادریوں نے بھی انگریزی میں حضرت مسیح موعود کے حالات لکھے ہیں۔ یعنی ڈاکٹر گرسس فولڈ پروفیسر مشن کالج لاہور اور مسٹر والٹر سکرٹری ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن لاہور۔ ان میں سے ڈاکٹر گرس فولڈ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملا تھا۔ لیکن مسٹر والٹر نہیں ملا۔ مؤخر الذکر کی تصنیف کچھ مفصل ہے اور مقدم الذکر کی مختصر ہے۔ گو معلومات عموماً احمدیہ لٹریچر سے حاصل کی گئی ہیں مگر یہ کتابیں واقعات کی غلطی سے خالی نہیں مگر غلطی بالعموم غلط فہمی سے واقع ہوئی ہے۔ باقی استدلال و استنباط کا وہی حال ہے جو ایک عیسائی پادری سے متوقع ہو سکتا ہے یعنے کچھ تو سمجھے نہیں اور کچھ سمجھے تو اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ تعصب بھی آگ کی ایک چنگاری کی طرح ہے کہ معلومات کے خرمن کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ مگر خاکسار کی رائے میں تعصب کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے۔ جو واقعات کو سمجھنے اور صحیح نتائج پر پہنچنے کے رستے میں ایک بہت بڑی روک ہوتی ہے۔ اور وہ اجنبیت اور غیر مذہب اور غیر قوم سے متعلق ہونا ہے جس کی وجہ سے آدمی بات کی تہ تک نہیں پہونچ سکتا۔

ان کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات و رسالہ جات ہیں۔ یعنی الحکم۔ البدر۔ ریویو (انگریزی و اردو) و تشحیذ الاذہان۔ جن میں وقتاً فوقتاً حضرت مسیح موعود کے حالات اور ڈائریاں چھپتی رہی ہیں۔ ان میں بھی معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔

پھر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تصنیفات ہیں۔ یعنی اسّی[۸۰] کے قریب کتب و رسالجات ہیں اور دو سو کے قریب اشتہارات ہیں۔ اُن میں بھی حضرت صاحب کی سیرت و سوانح کے متعلق ایک بہت بڑا حصہ آ گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حصہ سب سے زیادہ معتبر اور یقینی ہے اور درحقیقت حضرت مسیح موعود کے سوانح کے متعلق جتنی کتب شائع ہوئی ہیں وہ سب سوائے حیات النبی کے زیادہ تر صرف حضرت صاحب کے خود اپنے بیان کردہ حالات پر ہی مشتمل ہیں۔ مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض اوقات واقعات کی تاریخ معین صورت میں یاد نہیں رہتی تھیں۔ درحقیقت حافظہ کی مختلف اقسام ہیں بعض لوگوں کا حافظہ عموماً پختہ ہوتا ہے۔ مگر ایک خاص محدود میدان میں اچھا کام نہیں کرتا اور دراصل تاریخوں کو یاد رکھنا خصوصاً جب وہ ایسے واقعات کے متعلق ہوں جو منفرد ہیں اور سلسلہ واقعات کی کسی کڑی میں منسلک نہیں ایک ایسے شخص کے لئے خصوصاً مشکل ہوتا ہے جس کا دماغ کسی نہائت اعلیٰ کام کے لئے بنایا گیا ہو۔ دراصل واقعات کی تاریخوں کو یاد رکھنے کے متعلق جو حافظہ کی طاقت ہے وہ انسانی دماغ کی دوسری طاقتوں کے مقابلہ میں ایک ادنیٰ طاقت ہے بلکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی یہ طاقت تیز ہوتی ہے وہ بالعموم دماغ کی اعلیٰ طاقتوں میں فروتر ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب نے تم بچوں کی شادیاں تو چھوٹی عمر میں کر دی تھیں مگر اُن کا منشاء یہ تھا کہ زیادہ اختلاط نہ ہو تا کہ نشوونما میں کسی قسم کا نقص نہ پیدا ہو۔

(۱۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہ جب میں پہلے پہل قادیان آیا تو اُسی دن شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری بھی ایک عیسائی نوجوان کو

مسلمان کرنے کے لئے ساتھ لائے تھے۔ ہم دونوں اکٹھے ہی حضرت صاحب کے سامنے پیش ہوئے۔ لیکن حضرت صاحب نے میری بیعت تو لے لی اور اُسکو درخواست بیعت کے خط کے جواب میں لکھا کہ پھر بیعت لینگے ابھی ٹھیرو حالانکہ اُس کو حضرت صاحب کے سامنے شیخ رحمت اللہ صاحب نے پیش کیا تھا جو ایک بڑے آدمی تھے اور حضرت صاحب کو اُن کا بہت خیال تھا۔ اس عیسائی نوجوان نے دوبارہ حضرت صاحب کو لکھا مگر اس دفعہ بھی حضرت صاحب نے یہی جواب دیا کہ بیعت پھر لینگے۔ پھر اُسنے تیسری دفعہ لکھا کہ کوئی دن مقرر کر دیا جاوے۔ اس دن غالباً منگل یا بُدھ تھا۔ حضرت صاحب نے کہا۔ جمعرات کے دن بیعت لینگے۔ یہ جواب لیکر وہ شخص ناراض ہو کر چلا گیا اور پھر عیسائی ہو گیا۔ اسکے بعد کسی نے حضرت صاحب سے ذکر کیا کہ وہ لڑکا تو واپس جا کر عیسائی ہو گیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں بھی اسی لئے توقف کرتا تھا اور فرمایا کہ جو لوگ ہندؤں سے مسلمان ہوتے ہیں وہ عموماً سچے دل سے ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایمان کی محبت ہوتی ہے۔ مگر عیسائیوں میں سے اسلام کی طرف آنیوالے بالعموم قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ مجھے اس لڑکے پر اعتماد نہیں تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ کچھ عرصہ اور ٹھیرے ۔

۱۷۹ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے عزیزم مرزا رشید احمد (جو مرزا سلطان احمد صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے) کے ذریعہ مرزا سلطان احمدؐ صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ کو حضرت مسیح موعود کے سنہ ولادت کے متعلق کیا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہانتک مجھے معلوم ہے ۱۸۳۶ء میں آپکی ولادت ہوئی تھی ۔

(۱۸۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے افسر ڈاک کی معرفت مرزا سلطان احمدؐ صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ کی پیدائش کس سال کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ بعض کاغذات میں تو ۱۸۶۴ء لکھا ہے۔ مگر ہندو پنڈت مجھے کہتا تھا کہ میری پیدائش سمت ۱۹۱۳ بکرمی کی ہے۔ (خاکسار عرض کرتا ہے کہ آجکل سمت ۱۹۷۹ بکرمی ہے) اور مینے سنا ہے کہ والد صاحب کی عمر میری ولادت کے وقت کم و بیش اٹھارہ سال کی تھی۔ خاکسار عرض

کرتا ہے ۱۹۱۳ بکرمی والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ دوسرے قرائن اسکے مؤید ہیں۔ نیز یہ بات بھی کہ ہندو عموماً جنم پتری کی حفاظت میں بہت ماہر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے مرزا سلطان احمد صاحب کی پیدائش ۱۸۵۶ء کے قریب کی بنتی ہے۔ اور اگر اُس وقت حضرت صاحب کی عمر اٹھارہ ۱۸ سال سمجھی جاوے تو آپکا سن ولادت وہی ۱۸۳۷ء کے قریب پہونچتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ۱۸۳۶ء والی روایت صحیح ہے۔ اس کا ایک اور بھی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے (دیکھو التبلیغ آئینہ کمالات اسلام) اور بیان بھی فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ صاحبہ فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے تھے اور فراخی میسر آگئی تھی اور اسی لئے وہ میری پیدائش کو مبارک سمجھا کرتی تھیں۔ اب یہ قطعی طور پر یقینی ہے کہ راجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ہی خاندان کے مصائب کے دن دُور ہو کر فراخی شروع ہو گئی تھی اور قادیان اور اُس کے ارد گرد کے بعض مواضعات دادا صاحب کو راجہ رنجیت سنگھ نے بحال کر دیئے تھے اور اپنے ماتحت دادا صاحب کو معزز فوجی عہدہ بھی دیا تھا اور راجہ کے ماتحت دادا صاحب نے بعض فوجی خدمات بھی سرانجام دی تھیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت صاحب کی پیدائش بہر حال راجہ رنجیت سنگھ کی موت یعنے ۱۸۳۹ء سے کچھ عرصہ پہلے ماننی پڑے گی۔ لہذا اس طرح بھی ۱۸۳۶ء والی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ وھو المراد۔ اور جو حضرت صاحب نے ۱۸۳۹ء لکھا ہے اس کو خود آپکی دوسری تحریریں رد کر رہی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ آپ نے ۱۹۰۵ء میں اپنی عمر ۷۰ سال بیان کی ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہے یہ تمام اندازے ہیں۔ صحیح علم صرف خدا کو ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میری تحقیق میں اوائل ۱۲۵۲ھ میں آپکی ولادت ہوئی تھی اور وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ میں بچپن میں والد صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تاریخ فرشتہ نحو میر۔ اور شائد گلستان بوستان پڑھا کرتا تھا۔

اور والد صاحب کبھی کبھی پچھلا پڑھا ہوا سبق بھی سنا کرتے تھے مگر پڑھنے کے متعلق مجھ پر کبھی ناراض نہیں ہوئے حالانکہ میں پڑھنے میں بے پروا تھا لیکن آخر دادا صاحب نے مجھے والد صاحب سے پڑھنے سے روکدیا اور کہا کہ میں نے سب کو ملّاں نہیں بنا دینا۔ تم مجھ سے پڑھا کرو مگر ویسے دادا صاحب والد صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے۔

(۱۸۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمدؐ صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایک دفعہ والد صاحب اپنے چوبارے کی کھڑکی سے گر گئے اور دائیں بازو پر چوٹ آئی چنانچہ آخر عمر تک وہ ہاتھ کمزور رہا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ آپ کھڑکی سے اُترنے لگے تھے سامنے سٹول رکھا تھا وہ اُلٹ گیا اور آپ گر گئے اور دائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور یہ ہاتھ آخر عمر تک کمزور رہا۔ اس ہاتھ سے آپ لقمہ تو منہ تک لیجا سکتے تھے مگر پانی کا برتن وغیرہ منہ تک نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ نماز میں بھی آپ کو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے سہارے سے سنبھالنا پڑتا تھا۔

(۱۸۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب تیرنا اور سواری خوب جانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ بچپن میں میں ڈوب چلا تھا۔ تو ایک بڈھے سے شخص نے مجھے نکالا تھا۔ اس شخص کو میں نے اس سے قبل یا بعد کبھی نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ ایک گھوڑے پر سوار ہوا اس نے شوخی کی اور بے قابو ہو گیا۔ میں نے بہت روکنا چاہا۔ مگر وہ شرارت پر آمادہ تھا نہ رکا۔ چنانچہ وہ اپنے پورے زور میں ایک درخت یا دیوار کی طرف بھاگا۔ (الشک منی) اور پھر اس زور کے ساتھ اس سے ٹکرایا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ وہیں مر گیا مگر مجھے اللہ تعالےٰ نے بچا لیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت صاحب بہت نصیحت کیا کرتے تھے۔ کہ سرکش اور شریر گھوڑے پر ہرگز نہیں چڑھنا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس گھوڑے کا مجھے مارنے کا ارادہ تھا۔ مگر میں ایک طرف گر کر بچ گیا اور وہ مر گیا۔

(۱۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمدؐ صاحب

نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ والد صاحب باہر چوبارے میں رہتے تھے وہیں اُن کے لئے کھانا جاتا تھا۔ اور جس قسم کا کھانا بھی ہوتا تھا کھا لیتے تھے۔ کبھی کچھ نہیں کہتے تھے +

(۱۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے کہ والد صاحب تین کتابیں بہت کثرت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ یعنی قرآن مجید، مثنوی رومی اور دلائل الخیرات اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے اور قرآن شریف بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے +

(۱۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ والد صاحب میاں عبد اللہ صاحب غزنوی اور سم والے فقیر سے ملنے کے لئے کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کی ملاقات کا ذکر حضرت صاحب نے اپنی تحریرات میں کیا ہے۔ اور سماں والے فقیر کے متعلق شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ اُنکا نام میاں شرف دین صاحب تھا اور وہ موضع سم نزد طالب پور ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ سم میں پانی کا ایک چشمہ ہے اور غالباً اسی وجہ سے وہ سم کہلاتا ہے +

(۱۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ دادا صاحب ہمارے طایا مرزا غلام قادر صاحب کو کرسی دیتے تھے۔ یعنی جب وہ دادا صاحب کے پاس جاتے تو وہ اُن کو کرسی پر بٹھاتے تھے لیکن والد صاحب جا کر خود ہی نیچے صف کے اوپر بیٹھ جاتے تھے کبھی دادا صاحب ان کو اوپر بیٹھنے کو کہتے تو والد صاحب کہتے کہ میں اچھا بیٹھا ہوں +

(۱۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ والد صاحب کا دستور تھا کہ سارا دن الگ بیٹھے پڑھتے رہتے تھے اور اردگرد کتابوں کا ایک ڈھیر لگا رہتا تھا۔ شام کو پہاڑی دروازے یعنے شمال کی طرف یا کبھی مشرق کی طرف سیر کرنے جایا کرتے تھے +

(۱۸۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ والد صاحب اردو اور فارسی کے شعر کہا کرتے تھے اور فرخ تخلص کرتے تھے۔

(۱۹۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش ایم اے کہ والد صاحب دادا صاحب کی کمال تابعداری کرتے تھے افسروں وغیرہ کے ملنے کو خود طبیعت ناپسند کرتی تھی لیکن دادا صاحب کے حکم سے کبھی کبھی چلے جاتے تھے۔

(۱۹۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ میں نے مرزا سلطان احمد صاحب سے پوچھا کہ حضرت صاحب کے ابتدائی حالات وعادات کے متعلق آپ کو جو علم ہو وہ بتائیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ والد صاحب ہر وقت دین کے کام میں لگے رہتے تھے۔ گھر والے اُن پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ گاؤں والوں کو بھی اُن پر پورا اعتبار تھا۔ شریک جو ویسے مخالف تھے اُن کی نیکی کے اتنے قائل تھے کہ جھگڑوں میں کہدیتے تھے کہ جو کچھ یہ کہدینگے ہم کو منظور ہے۔ ہر شخص اُن کو امین جانتا تھا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ کچھ اور بتائیے۔ مرزا صاحب نے کہا اور بس یہی ہے کہ والد صاحب نے اپنی عمر ایک مُغل کے طور پر نہیں گذاری بلکہ فقیر کے طور پر گذاری۔ اور مرزا صاحب نے اسے بار بار دہرایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے دریافت کیا کہ کیا حضرت صاحب کبھی کسی پر ناراض بھی ہوتے تھے؟ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ اُن کی ناراضگی بھی صرف دینی معاملات میں ہوتی تھی۔ بعض اوقات مجھے نماز کیلئے کہا کرتے تھے مگر میں نماز کے پاس تک نہ جاتا تھا۔ ہاں ایک بات میں نے خاص طور پر دیکھی ہے کہ حضرت صاحب (یعنی آنحضرت صلعم) کے متعلق ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی شان میں ذرا سی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور آنکھیں متغیر ہو جاتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اُٹھکر چلے جاتے تھے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے اس مضمون کو بار بار دُھرایا

اور کہا کہ حضرت صاحب سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے کہ جب دسمبر ۱۹۰۷ء میں آریوں نے وچھووالی لاہور میں جلسہ کیا اور دوسروں کو بھی دعوت دی تو حضرت صاحب نے بھی ان کی درخواست پر ایک مضمون لکھکر حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کی امارت میں اپنی جماعت کے چند آدمیوں کو لاہور شرکت کیلئے بھیجا۔ مگر آریوں نے خلاف وعدہ اپنے مضمون میں آنحضرت صلعم کے متعلق سخت بدزبانی سے کام لیا۔ اسکی رپورٹ جب حضرت صاحب کو پہنچی تو حضرت صاحب اپنی جماعت پر سخت ناراض ہوئے کہ ہماری جماعت کے لوگ اس مجلس سے کیوں نہ اُٹھ آئے اور فرمایا کہ یہ پرلے درجہ کی بے غیرتی ہے کہ آنحضرت صلعم کو ایک مجلس میں بُرا کہا جائے اور ایک مسلمان وہاں بیٹھا رہے اور غصہ سے آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ سخت ناراض ہوئے کہ کیوں ہمارے آدمیوں نے غیرت دینی سے کام نہ لیا۔ جب انہوں نے بدزبانی شروع کی تھی تو فوراً اس مجلس سے اُٹھ آنا چاہئے تھا اور حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے کہ مَیں اُسوقت اُٹھنے بھی لگا تھا۔ مگر پھر مولوی صاحب کی وجہ سے ٹھیر گیا اور حافظ روشن علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے مجھ سے کہا کہ حافظ صاحب وہ کیا آیت ہے کہ جب خدا کی آیات سے ٹھٹھا ہو تو اس مجلس میں نہ بیٹھو۔ اس پر میں نے حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہٖ والی آیت پڑھکر سُنائی۔ اور حافظ صاحب کہتے ہیں کہ اُس وقت حضرت مولوی صاحب سر نیچے ڈالے بیٹھے تھے ۔

(۱۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ میاں جان محمد والد صاحب کے ساتھ بہت رہتا تھا اور میاں جان محمد کا بھائی غفارہ والد صاحب کے ساتھ سفروں میں بعض دفعہ بطور خدمت گار کے جایا کرتا تھا۔ اور بعض دفعہ کوئی اور آدمی چلا جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں جان محمد قادیان کا ایک نیک مزاج مُلّا تھا اور حضرت صاحب کے ساتھ بہت تعلق رکھتا تھا۔ اوائل میں بڑی مسجد میں نماز وغیرہ بھی وہی پڑھایا کرتا تھا

غالباً حضرت خلیفہ ثانی کو بھی بچپن میں اس نے پڑھایا تھا۔ غفارا اُس کا بھائی تھا۔ یہ شخص بالکل جاہل اوران پڑھ تھا۔ اور بعض اوقات حضرت صاحب کی خدمت میں رہتا تھا۔ بعد میں جب قادیان میں آمد و رفت کی ترقی ہوئی تو اُسنے یکّے بنا کر یکّہ بانی شروع کردی تھی۔ اسکے لڑکے اب بھی یہی کام کرتے ہیں۔ بوجہ جاہل مطلق ہونے کے غفارے کو دین سے کوئی مس نہ تھا مگر اپنے آخری دنوں میں یعنی بعہد خلافت ثانیہ احمدی ہوگیا تھا۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت صاحب کی نصیحت سے غفارے نے اوائل میں جب وہ حضرت صاحب کی خدمت میں تھا۔ نماز شروع کردی تھی مگر پھر چھوڑ دی۔ اصل میں ایسے لوگ اعراب کے حکم میں ہوتے ہیں۔ مگر جان محمد مرحوم نیک آدمی تھا۔ اور کچھ پڑھا ہوا بھی تھا۔ اُسکے لڑکے میاں دین محمد مرحوم عرف میاں بگا کو ہمارے اکثر دوست جانتے ہونگے۔ قوم کا کشمیری تھا +

(۱۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے۔ کہ والد صاحب کے ہمارے ساتھ بہت کم تعلقات تھے۔ یعنی میل جول کم تھا۔ وہ ہم سے ڈرتے تھے اور ہم اُن سے ڈرتے تھے۔ (یعنے وہ ہم سے الگ الگ رہتے تھے اور ہم اُن سے الگ الگ رہتے تھے کیونکہ ہر دو کا طریق اور مسلک جدا تھا) اور چونکہ تایا صاحب مجھے بیٹوں کی طرح رکھتے تھے۔ اور جائداد وغیرہ بھی سب اُنہی کے انتظام میں تھی۔ والد صاحب کا کچھ دخل نہ تھا اسلئے بھی ہمیں اپنی ضروریات کے لئے تایا صاحب کے ساتھ تعلق رکھنا پڑتا تھا +

(۱۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے۔ کہ والد صاحب کی ایک بہن ہوتی تھیں اُن کو بہت خواب اور کشف ہوتے تھے مگر دادا صاحب کی اون کے متعلق یہ رائے تھی کہ اُن کے دماغ میں کوئی نقص ہے۔ لیکن آخر انہوں نے بعض ایسی خوابیں دیکھیں کہ دادا صاحب کو یہ خیال بدلنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے ایکدفعہ خواب میں دیکھا کہ کوئی سفید ریش بڈھا شخص اُن کو ایک کاغذ جس پر کچھ لکھا ہوا ہے بطور تعویذ کے دے گیا ہے۔ جب آنکھ کھلی تو ایک

بھوج پتر کا ٹکڑہ ہاتھ میں تھا جس پر قرآن شریف کی بعض آیات لکھی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے ایک اور خواب دیکھا کہ وہ کسی دریا میں چل رہی ہیں جس پر انہوں نے ڈر کر پانی پانی کی آواز نکالی اور پھر آنکھ کھل گئی دیکھا تو اُن کی پنڈلیاں تر تھیں اور تازہ ریت کے نشان لگے ہوئے تھے۔ دادا صاحب کہتے تھے کہ ان باتوں سے خلل دماغ کو کوئی تعلق نہیں ٭

(۱۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ ایک دفعہ والد صاحب سخت بیمار ہوگئے اور حالت نازک ہوگئی اور حکیموں نے ناامیدی کا اظہار کردیا اور نبض بھی بند ہوگئی۔ مگر زبان جاری رہی والد صاحب نے کہا کہ کیچڑ لاکر میرے اوپر اور نیچے رکھو چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور اس سے حالت روبا صلاح ہوگئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ یہ مرض قولنج زحیری کا تھا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو دکھایا تھا کہ پانی اور ریت منگوا کر بدن پر ملی جاوے۔ سو ایسا کیا گیا تو حالت اچھی ہوگئی۔ مرزا سلطان احمد صاحب کو ریت کے متعلق ذہول ہوگیا ہے ٭

(۱۹۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت صاحب ایک دفعہ غیر معمولی طور پر غرب کی طرف سیر کو گئے تو راستہ سے ہٹ کر عیدگاہ والے قبرستان میں تشریف لیگئے۔ اور پھر آپ نے قبرستان کے جنوب کی طرف کھڑے ہوکر دیر تک دعا فرمائی۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کوئی خاص قبر سامنے رکھی تھی؟ مولوی صاحب نے کہا میں نے ایسا نہیں خیال کیا۔ اور میں نے اس وقت دل میں یہ سمجھا تھا کہ چونکہ اس قبرستان میں حضرت صاحب کے رشتہ داروں کی قبریں ہیں اسلئے حضرت صاحب نے دعا کی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ وہاں ایک دفعہ حضرت صاحب نے اپنی والدہ کی قبر پر دعا کی تھی۔ مولوی صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ جب حضرت صاحب کی لڑکی امۃ النصیر فوت ہوئی تو حضرت صاحب اُسے اسی قبرستان میں دفنانے کے لئے لے گئے تھے اور آپ خود اُسے اٹھا کر قبر کے پاس

لیگئے۔ کسی نے آگے بڑھکر حضور سے لڑکی کو لینا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میں خود لیجاؤنگا۔
اور حافظ روشن علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت حضرت صاحب نے وہاں
اپنے کسی بزرگ کی قبر بھی دکھائی تھی +

(۱۹۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ میرے
چچا مولوی شیر محمد صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ اوائل میں بعض اوقات حضرت مسیح موعود بھی حضرت
مولوی نورالدین صاحب کے درس میں چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب نے
درس میں بدر کی جنگ کے موقع پر فرشتے نظر آنے کا واقعہ بیان کیا اور پھر اسکی کچھ تاویل
کرنے لگے تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ نہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے دیکھنے
میں نبی کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہوگئے ہوں +

(۱۹۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے جب ۴ اپریل ۱۹۰۵ء
کا زلزلہ آیا تھا اُس دن مینے حضرت صاحب کو باغ میں آٹھ۔ نو بجے صبح کے وقت نماز پڑھتے
دیکھا تھا اور مینے دیکھا کہ آپ نے بڑی لمبی نماز پڑھی تھی +

(۱۹۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایکدن
حضرت صاحب شمال کی طرف سیر کو تشریف لیگئے۔ رستہ میں کسی نے حضرت صاحب
کے سامنے پیش کیا کہ ذٰلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب والی آیت کے متعلق مولوی
نورالدین صاحب نے بیان کیا ہے کہ یہ زلیخا کا قول ہے۔ حضرت صاحب نے کہا کہ مجھے کوئی
قرآن شریف دکھاؤ۔ چنانچہ ماسٹر عبدالرؤف صاحب نے حمائل پیش کی۔ آپ نے
آیات کا مطالعہ کر کے فرمایا کہ یہ تو زلیخا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ یوسفؑ کا کلام ہے۔
خاکسار عرض کرتا ہے کہ مشہور روایت میں وما ابرّئ نفسی ان النفس لامارۃ
بالسوء کے الفاظ ہیں۔ اور یہ کہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ الفاظ ہی ظاہر کر رہے
ہیں کہ زلیخا کا کلام نہیں بلکہ نبی کا کلام ہے۔ کیونکہ ایسا پاکیزہ پُر معنی کلام یوسفؑ ہی کے
شایان شان ہے۔ زلیخا کے منہ سے نہیں نکل سکتا +

(۲۰۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے

بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ والد صاحب عموماً غرارا پہنا کرتے تھے مگر سفروں میں بعض اوقات تنگ پاجامہ بھی پہنتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جیسا کہ ناظرین بھی سمجھتے ہونگے۔ مرزا سلطان احمد صاحب کی سب روایات حضرت مسیح موعود کے زمانہ شباب یا کہولت کے متعلق سمجھنی چاہئیں طفولیت یا بڑھاپے کی عمر کے متعلق اگر ان کی کوئی روایت ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ عموماً انہوں نے وہ کسی اور سے سُنکر بیان کی ہے۔ الاماشاء اللہ +

(۲۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ مینے مرزا سلطان احمد صاحب سے سوال کیا تھا کہ حضرت صاحب سے زیادہ تر قادیان میں کن لوگوں کی ملاقات تھی؟ مرزا صاحب نے کہا کہ ملاوامل اور شرمپت ہی زیادہ آتے جاتے تھے کسی اور سے ایسا راہ رسم نہ تھا +

(۲۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ بیان کیا ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ ایکدفعہ مسٹر میکانکی ڈپٹی کمشنر گورداسپور قادیان دورہ پر آئے۔ رستے میں انہوں نے دادا صاحب سے کہا کہ آپکے خیال میں سکھ حکومت اچھی تھی یا انگریزی حکومت اچھی ہے؟ دادا صاحب نے کہا کہ گاؤں چلکر جواب دونگا۔ جب قادیان پہنچے تو دادا صاحب نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے مکانات دکھا کر کہا کہ یہ سکھوں کے وقت کے بنے ہوئے ہیں مجھے امید نہیں کہ آپ کے وقت میں میرے بیٹے ان کی مرمت بھی کر سکیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ سکھوں کی حکومت قدیم شاہی رنگ کے طرز پر تھی اب اور رنگ ہے اور ہر رنگ اپنی خوبیاں رکھتا ہے۔

(۲۰۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے نے کہ بیان کیا ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ مینے تحصیلداری کا امتحان ۱۸۸۴ء میں دیا تھا اسوقت مینے والد صاحب کو دعا کیلئے ایک رقعہ لکھا تو انہوں نے رقعہ پھینکدیا اور فرمایا "ہمیشہ دنیاداری ہی کے طالب ہوتے ہیں" جو آدمی رقعہ لیکر گیا تھا اسنے آکر مجھے یہ واقعہ بتایا۔ اسکے بعد والد صاحب نے ایک شخص سے ذکر کیا کہ ہمنے تو سلطان احمد کا

رقعہ پھینکدیا تھا مگر خدا نے ہمیں القا کیا ہے کہ اسکو پاس کردیا جاویگا۔ اس شخص نے مجھے اگر بتا دیا چنانچہ میں امتحان میں پاس ہوگیا۔

(۲۰۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب نے کہ بیان کیا ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ دادا صاحب نے قریبًا ساٹھ سال طبابت کی مگر کبھی کسی سے ایک پائی تک نہیں لی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ بڑے مرزا صاحب نے کبھی علاج کے معاوضہ میں کسی سے کچھ نہیں لیا یعنی اپنی طبابت کو ہمیشہ ایک خیراتی کام رکھا اور اسکو اپنی معاش کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ بعض دفعہ بعض لوگوں نے آپ کو بہت بہت کچھ دینا چاہا مگر آپ نے انکار کردیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے مجھے تعجب آتا ہے کہ میاں معراجدین صاحب عمر نے اپنے مضمون میں ہمارے دادا صاحب کے متعلق کس طرح لکھدیا کہ "خوش قسمتی سے طبابت کا جوہر ہاتھ میں تھا اسکی بدولت گذارا چلتا گیا" اور پھر یہ بات اس زمانہ کے متعلق لکھی ہے کہ جب پڑدادا صاحب کی وفات ہوئی تھی۔ چہ خوش یک نہ شد دو شد۔

(۲۰۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ بیان کیا ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ والد صاحب رجب علی کا اخبار سفیر امرت سر اور اگنی ہوتری کا رسالہ ہندو بندھو اور اخبار منشور محمدی منگایا اور پڑھا کرتے تھے اور موخر الذکر میں کبھی کبھی کوئی مضمون بھی بھیجا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آخری عمر میں حضرت صاحب اخبار عام لاہور منگایا کرتے تھے۔

(۲۰۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ جس دن میں قادیان بیاہی ہوئی پہنچی تھی اسی دن مجھ سے چند گھنٹے قبل مرزا سلطان احمد اپنی پہلی بیوی یعنے عزیز احمد کی والدہ کو لیکر قادیان پہنچے تھے اور عزیز احمد کی والدہ مجھ سے کچھ بڑی معلوم ہوتی تھی۔ اور والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ فضل احمد کی شادی مرزا سلطان احمد سے بھی کئی سال پہلے ہو چکی تھی۔

(۲۰۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب کے

ایک حقیقی ماموں تھے (جنکا نام مرزا جمعیت بیگ تھا) ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئے اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا تھا۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی کا حرمت بی بی۔ لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اسی کے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔ مرزا علی شیر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی بہن حرمت بی بی سے بیاہا گیا جس سے ایک لڑکی عزت بی بی پیدا ہوئی۔ یہ عزت بی بی مرزا فضل احمد کے نکاح میں آئی۔ مرزا احمد بیگ کی دوسری بہن امام بی بی مرزا غلام حسین کے عقد میں آئی تھی۔ مرزا سلطان احمد کی پہلی بیوی ایمہ ضلع ہوشیار پور کی رہنے والی تھی اور حضرت صاحب اسکو اچھا جانتے تھے۔ مرزا سلطان احمد نے اسی بیوی کی زندگی میں ہی مرزا امام الدین کی لڑکی خورشید بیگم سے نکاح ثانی کر لیا تھا اسکے بعد عزیز احمد کی والدہ جلدی ہی فوت ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دادی یعنے تمہارے دادا صاحب کی والدہ بہت عرصہ تک زندہ رہیں حضرت مسیح موعود نے ان کو دیکھا تھا مگر بوجہ درازی عمر ان کے ہوش حواس میں کچھ فرق آگیا تھا۔ تمہارے دادا صاحب کے بھائی مرزا غلام محی الدین کی اولاد کی تفصیل یہ ہے اول حرمت بی بی جو تمہارے طایا صاحب مرزا غلام قادر صاحب کے عقد میں آئیں اور اب طائی کے نام سے معروف ہیں ان کے ہاں ایک لڑکی عصمت اور ایک لڑکا عبدالقادر ہوئے تھے مگر بچپن میں ہی فوت ہو گئے دوسرے مرزا امام الدین۔ تیسرے مرزا نظام الدین چوتھے مرزا کمال الدین۔ پانچویں عمرالنساء و صفتاں جو توام پیدا ہوئیں۔ ان میں سے مقدم الذکر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے نکاح میں آئی اور موخر الذکر ہوشیار پور کے ضلع میں کسی جگہ بیاہی گئی تھی مگر بے اولاد فوت ہو گئی۔ چھٹے فضل النساء جو مرزا اعظم بیگ لاہوری کے لڑکے مرزا اکبر بیگ کے عقد میں آئی۔ مرزا احسن بیگ صاحب جو احمدی ہیں۔ اسی کے بطن سے ہیں نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مرزا امام الدین حضرت صاحب سے بڑا تھا باقی سب بہن بھائی چھوٹے تھے۔ تمہاری طائی کہ جو مرزا امام الدین سے بھی بڑی ہیں حضرت صاحب سے چھوٹے تھے۔ اور والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ طائی تمہارے طایا مرزا غلام قادر صاحب سے بھی کچھ بڑی ہیں۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے سنا ہوا ہے

کہ تمہارے طایا کے بعد تمہارے دادا کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوکر فوت ہوگئے تھے اسی لئے میں نے سُنا ہے کہ حضرت صاحب کی ولادت پر آپ کے زندہ رہنے کے متعلق بڑی منّتیں مانی گئی تھیں اور گویا ترس ترس کر حضرت صاحب کی پرورش ہوئی تھی۔ اگر تمہارے طایا اور حضرت صاحب کے درمیان کوئی غیر معمولی وقفہ نہ ہوتا یعنے بچے پیدا ہوکر فوت نہ ہوتے تو اس طرح منّتیں ماننے اور ترسنے کی کوئی وجہ نہ تھی پس ضرور چند سال کا وقفہ ہوا ہوگا اور مرزا سلطان احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ شائد پانچ یا سات سال کا وقفہ تھا۔ اور والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تمہارے دادا کے ہاں ایک لڑکا ہوا جو فوت ہوگیا پھر تمہاری پھوپھی مراد بی بی ہوئیں پھر تمہارے طایا پیدا ہوئے پھر دو بچے ایک ہوئے جو فوت ہوگئے پھر حضرت صاحب اور جنت توام پیدا ہوئے اور جنت فوت ہوگئی اور والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ تمہاری طائی کہتی تھیں کہ تمہارے طایا اور حضرت اوپر تلے کے تھے مگر میں نے منّتیں ماننے اور ترسنے کا واقعہ سنایا تو انہوں نے اسے تسلیم کیا مگر اصل امر کے متعلق خاموش رہیں۔

(۲۰۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ بٹالہ کے راجہ تیجا سنگھ کو ایک خطرناک قسم کا پھوڑا نکلا بہت علاج کئے گئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر اس نے دادا صاحب کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ دادا صاحب گئے اور (خدا کے فضل سے) وہ اچھا ہوگیا۔ اس پر راجہ مذکور نے دادا صاحب کو ایک بڑی رقم اور خلعت اور دو گاؤں سِشتاب کوٹ اور حسن پور یا حسن آباد جو آپکی قدیم ریاست کا ایک جزو تھے پیش کئے اور ان کے قبول کرنے پر اصرار کیا مگر دادا صاحب نے یہ کہکر صاف انکار کر دیا کہ میں ان دیہات کو علاج کے بدلے میں لینا اپنے اور اپنی اولاد کے لئے موجب ہتک سمجھتا ہوں۔

(۲۰۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ دادا صاحب نہائت وسیع الاخلاق تھے اور دشمن تک سے نیک سلوک کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جوتی ولد دولہ

برہمن جسنے ایک دفعہ ہمارے خلاف کوئی شہادت دی تھی بیمار ہوگیا۔ تو دادا صاحب نے اس کا بڑی ہمدردی سے علاج کیا اور بعض لوگوں نے جتلایا بھی کہ یہ وہی شخص ہے جس نے خلاف شہادت دی تھی۔ مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ ایسی ایسی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دادا صاحب کی بلند ہمتی اور وسعت حوصلہ مشہور ہے

(۲۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ دادا صاحب شعر بھی کہا کرتے تھے اور تحسین تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ اُنکے دو شعر مجھے یاد ہیں ؎

کردیم نا کردنی ہمہ عمر — اے وائے کہ ما بہ ما چہ کردیم

دردِ سرِ من مشو طبیبا — ایں دردِ دل است دردِ سر نیست

خاکسار عرض کرتا ہے کہ دادا صاحب کے بعض شعر حضرت صاحب نے بھی نقل کئے ہیں۔ اور مرزا سلطان احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میںنے ایک دفعہ اُن کا کلام جمع کرکے حافظ عمر دراز صاحب ایڈیٹر پنجابی اخبار کو دیا تھا۔ مگر وہ فوت ہوگئے۔ اور پھر نہ معلوم وہ کہاں گیا۔ نیز مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ تایا صاحب بھی شعر کہتے تھے اُنکا تخلص مفتون تھا۔ نیز بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک ایرانی قادیان میں آیا تھا۔ وہ دادا صاحب سے کہتا تھا کہ آپکا فارسی کلام ایسا ہی فصیح ہے جیسا فصیح ایرانی شاعروں کا ہوتا ہے +

(۲۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایک دفعہ بٹالہ کے ایک ہندو حجام نے دادا صاحب سے کہا کہ میری معافی ضبط ہوگئی ہے۔ آپ ایجرٹن صاحب فنانشل کمشنر سے میری سفارش کریں۔ دادا صاحب اُسے اپنے ساتھ لاہور لیگئے۔ اُس وقت لاہور کے شالامار باغ میں ایک جلسہ ہورہا تھا۔ دادا صاحب نے وہاں جاکر جلسہ کی کارروائی ختم ہونے کے بعد ایجرٹن صاحب سے کہا کہ آپ اس شخص کا ہاتھ پکڑلیں۔ صاحب گھبرایا کہ کیا معاملہ ہے۔ مگر دادا صاحب نے اصرار سے کہا تو اُس نے ان کی خاطر اس حجام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد دادا صاحب نے صاحب سے کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جب کسی کا

ہاتھ پکڑ لیتے ہیں تو پھر خواہ سر چلا جائے چھوڑتے نہیں۔ اب آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے اس کی لاج رکھنا۔ پھر کہا کہ اس کی معافی ضبط ہو گئی ہے۔ کیا معافیاں دیگر بھی ضبط کیا کرتے ہیں؟ اس کی معافی بحال کر دیں۔ ایجرٹن صاحب نے اس کی مسل طلب کر کے معافی بحال کر دی۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے بیان کیا کہ یہی ایجرٹن صاحب بعد میں پنجاب کا لفٹنٹ گورنر ہو گیا تھا۔

(۲۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ دادا صاحب میں خودداری بہت تھی۔ ایکدفعہ رابرٹ کسٹ صاحب کمشنر سے ملاقات کیلئے گئے۔ باتوں باتوں میں اُسنے پوچھا کہ قادیان سے سری گوبند پور کتنی دُور ہے؟ دادا صاحب کو یہ سوال ناگوار ہوا۔ فوراً بولے۔ میں ہرکارہ نہیں اور سلام کہکر رخصت ہونا چاہا۔ صاحب نے کہا۔ مرزا صاحب آپ ناراض ہو گئے؟ دادا صاحب نے کہا کہ ہم آپ سے اپنی باتیں کرنے آتے ہیں اور آپ ادھر اودھر کی باتیں پوچھتے ہیں جو آپ نے مجھ سے پوچھا ہے وہ میرا کام نہیں ہے۔ صاحب دادا صاحب کے اس جواب پر خوش ہوا۔

(۲۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ کہ ایک دفعہ جب ڈیوس صاحب اس ضلع میں مہتمم بندوبست تھا اور اُن کا عملہ بٹالہ میں کام کرتا تھا۔ قادیان کا ایک پٹواری جو قوم کا برہمن تھا اور محکمہ بندوبست مذکور میں کام کرتا تھا۔ طایا صاحب مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ گستاخانہ رنگ میں پیش آیا۔ طایا صاحب نے وہیں اسکی مرمت کر دی۔ ڈیوس صاحب کے پاس شکایت گئی۔ اُس نے طایا صاحب پر ایک سو روپیہ جرمانہ کر دیا۔ دادا صاحب اُس وقت امرتسر میں تھے اُن کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایجرٹن صاحب کے پاس چلے گئے اور حالات سے اطلاع دی اُس نے دادا صاحب کے بیان پر بلا طلب مسل جرمانہ معاف کر دیا۔

(۲۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے کہ ایک دفعہ طایا صاحب پولیس میں ملازم تھے

نسبٹ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع نے کسی بات پر اُن کو معطل کر دیا۔ اسکے بعد جب نسبٹ صاحب قادیان آیا تو خود دادا صاحب سے ذکر کیا کہ مینے آپ کے لڑکے کو معطل کر دیا ہے۔ دادا صاحب نے کہا اگر قصور ثابت ہے تو ایسی سخت سزا دینی چاہئے کہ آئندہ شریف زادے ایسا قصور نہ کریں۔ صاحب نے کہا جس کا باپ ایسا ادب سکھانیوالا ہو اُسکو سزا دینے کی ضرورت نہیں۔ اور طایا صاحب کو بحال کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ طایا صاحب نے بھی بہت سے محکموں میں کام کیا ہے۔ پولیس میں بھی کام کیا ہے۔ ضلع کے سپرڈنڈنٹ بھی رہے ہیں۔ اور سُنا ہے نہر میں بھی کام کیا تھا اور بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری کاموں کی ٹھیکہ داری بھی کی ہے۔ چنانچہ مینے ۱۸۶۰ء کے بعض کاغذات دیکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طایا صاحب نے چھینہ کے پاس کسی پُل کا بھی ٹھیکہ لیا تھا+

(۲۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ ایک دفعہ مہاراجہ شیر سنگھ کاہنووان کے چھنب میں شکار کھیلنے کے لئے آیا۔ دادا صاحب بھی ساتھ تھے مہاراجہ کے ایک ملازم کو جو قوم کا جلاہا تھا سخت زکام ہو گیا۔ دادا صاحب نے اس کو ایک نسخہ لکھدیا اور وہ اچھا ہو گیا لیکن پھر یہی بیماری خود شیر سنگھ کو ہو گئی۔ اور اسنے علاج کے لئے دادا صاحب سے کہا دادا صاحب نے ایک بڑا قیمتی نسخہ لکھا۔ شیر سنگھ نے کہا کہ جولاہے کو ڈوڈھائی پیسہ کا نسخہ اور مجھے اتنا قیمتی؟ دادا صاحب نے جواب دیا۔ شیر سنگھ اور جولاہا ایک نہیں ہو سکتے۔ شیر سنگھ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور اُس زمانہ کے دستور کے مطابق عزت افزائی کے لئے کڑوں کی ایک جوڑی پیش کی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ اس علاج کے بدلے میں نہ تھی بلکہ مشرقی رؤساء اور بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی بات پر خوش ہوتے ہیں تو ضرور کچھ چیز تقریب و انعام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ شیر سنگھ نے بھی جب ایسا برجستہ کلام سُنا تو محظوظ ہو کر اس صورت میں اظہار خوشنودی کیا+

(۲۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ

مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایکدفعہ مرزا امام الدین صاحب نے دادا صاحب کے قتل کی سازش کی اور بھینی کے ایک سکھ سوچیت سنگھ کو اس کام کیلئے مقرر کیا۔ مگر سوچیت سنگھ کا بیان ہے کہ میں کئی دفعہ دیوان خانہ کی دیوار پر اس نیت سے چڑھا مگر ہر دفعہ مجھے مرزا صاحب یعنے دادا صاحب کے ساتھ دو آدمی محافظ نظر آئے اسلئے میں جرأت نہ کرسکا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ کوئی تصرف الٰہی ہوگا +

(۲۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ دادا صاحب حقہ بہت پیتے تھے۔ مگر اس میں بھی اپنی شان دکھاتے تھے۔ یعنے جو لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں اُن کو اپنا حقہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن غریبوں اور چھوٹے آدمیوں سے کوئی روک نہ تھی +

(۲۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ دادا صاحب کا تکیہ کلام "ہے بات کہ نہیں" تھا جو جلدی میں "ہے با کہ نہیں" سمجھا جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسکے متعلق اور بھی کئی لوگوں سے سُنا گیا ہے +

(۲۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ایک دفعہ قادیان میں ایک بغدادی مولوی آیا۔ دادا صاحب نے اُس کی بڑی خاطر ومدارات کی - اس مولوی نے دادا صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب! آپ نماز نہیں پڑھتے؟ دادا صاحب نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ ہاں بے شک میری غلطی ہے۔ مولوی صاحب نے پھر بار بار اصرار کے ساتھ کہا اور ہر دفعہ دادا صاحب یہی کہتے گئے کہ میرا قصور ہے۔ آخر مولوی نے کہا آپ نماز نہیں پڑھتے۔ اللہ آپکو دوزخ میں ڈال دیگا۔ اسپر دادا صاحب کو جوش آگیا اور کہا "تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ مجھے کہاں ڈالیگا۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا بدظن نہیں ہوں میری امید وسیع ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ لا تقنطوا من رحمت اللہ تم مایوس ہوگئے میں مایوس نہیں ہوں۔ اتنی بے اعتقادی میں تو نہیں کرتا۔" پھر کہا "اس وقت میری عمر ۷۵ سال

کی ہے۔ آج تک خدا نے میری پیٹھ نہیں لگنے دی تو کیا اب وہ مجھے دوزخ میں ڈال دیگا"۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیٹھ لگنا پنجابی کا محاورہ ہے۔ جس کے معنے دشمن کے مقابلہ میں ذلیل و رسوا ہونے کے ہیں ورنہ ویسے مصائب تو دادا صاحب پر بہت آئے ہیں۔

(۲۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ جب سے تمہاری دادی فوت ہوئیں۔ تمہارے دادا نے اندر زنانہ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف ایک دفعہ تمہاری پھوپھی کو ملنے آتے تھے اور پھوپھی کے فوت ہونے کے بعد تو بالکل نہیں آتے تھے۔ باہر مردانے میں رہتے تھے +

(۲۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ دادا صاحب نے طب کا علم حافظ روح اللہ صاحب باغبانپورہ لاہور سے سیکھا تھا۔ اسکے بعد دہلی جاکر تکمیل کی تھی +

(۲۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے کہ بیان کیا ان سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ دادا صاحب کی ایک لائبریری تھی جو بڑے بڑے پٹاروں میں رہتی تھی۔ اور اس میں بعض کتابیں ہمارے خاندان کی تاریخ کے متعلق بھی تھیں۔ میری عادت تھی کہ میں دادا صاحب اور والد صاحب کی کتابیں وغیرہ چوری نکال کر لیجایا کرتا تھا۔ چنانچہ والد صاحب اور دادا صاحب بعض وقت کہا کرتے تھے کہ ہماری کتابوں کو یہ ایک چوہا لگ گیا ہے +

(۲۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مرزا سلطان احمد صاحب سے مجھے حضرت مسیح موعود کی ایک شعروں کی کاپی ملی ہے جو بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً نوجوانی کا کلام ہے۔ حضرت صاحب کے اپنے خط میں ہے جسے میں پہچانتا ہوں بعض بعض شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں :۔

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا ‎ ‎ ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے

کچھ مزا پایا مرے دل ! ابھی کچھ پاؤ گے ‎ ‎ تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے — مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اسکے جانے سے صبر دل سے گیا — ہوش بھی ورطۂ عدم میں پڑے

سبب کوئی خداوندا بنا دے — کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی — بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلیگا آخر تنگ ہو کر — دلا اک بار شور و غل مچا دے

نہ سر کی ہوش ہے تم کو نہ پا کی — سمجھ ایسی ہوئی قدرت خدا کی
مرے بت اب سے پردہ میں رہو تم — کہ کافر ہو گئی خلقت خدا کی

نہیں منظور تھی گر تم کو اُلفت — تو یہ مجھ کو بھی جتلایا تو ہوتا
مری دلسوزیوں سے بے خبر ہو — مرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دل اپنا اسکو دوں یا ہوش یا جاں — کوئی اک حکم فرمایا تو ہوتا

کوئی راضی ہو یا ناراض ہووے — رضامندی خدا کی مدعا کر

کئی شعر ناقص ہیں یعنے بعض جگہ مصرع اول موجود ہے مگر دوسرا نہیں ہے اور بعض جگہ دوسرا ہے مگر پہلا ندارد بعض اشعار نظر ثانی کیلئے بھی چھوڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کئی جگہ فرخ تخلص استعمال کیا ہے ؛

(۲۲۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم - بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم - اے کہ تایا صاحب کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور کئی دن تک جشن رہا تھا - اور ۲۲ طائفے ارباب نشاط کے جمع تھے مگر والد صاحب کی شادی نہایت سادہ ہوئی تھی - اور کسی قسم کی خلاف شریعت

رسوم نہیں ہوئیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بھی تصرف الٰہی تھا۔ ورنہ دادا صاحب کو دونوں بیٹے ایک سے تھے +

(۲۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے۔ کہ ہماری دادی صاحبہ بڑی مہمان نواز سخی۔ اور غریب پرور تھیں +

(۲۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے کہ مینے سُنا ہوا ہے کہ ایک دفعہ والد صاحب سشن عدالت میں اسیسر مقرر ہوئے تھے مگر آپنے انکار کر دیا +

(۲۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ آخری عمر میں دادا صاحب نے ایک مسجد تعمیر کروانے کا ارادہ کیا۔ اور اسکے لئے موجودہ بڑی مسجد کی جگہ کو پسند کیا اس جگہ سکھ کارداروں کی حویلی تھی۔ جب یہ جگہ نیلام ہونے لگی تو دادا صاحب نے اس کی بولی دی مگر دوسری طرف دوسرے باشندگان قصبہ نے بھی بولی دینی شروع کی اور اس طرح قیمت بہت چڑھ گئی۔ مگر دادا صاحب نے بھی پختہ قصد کر لیا تھا کہ میں اسجگہ میں ضرور مسجد بناؤنگا۔ خواہ مجھے اپنی جائداد فروخت کرنی پڑے۔ چنانچہ سات سو روپیہ میں یہ جگہ خریدی اور اسپر مسجد بنوائی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت کے لحاظ سے اس جگہ کی قیمت چند گنتی کے روپے سے زیادہ نہ تھی۔ مگر مقابلہ سے بڑھ گئی +

(۲۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ تمہاری تائی کے سارے گھر میں صرف مرزا علی شیر کی ماں یعنی مرزا سلطان احمد کی نانی جو حضرت صاحب کی ممانی تھی حضرت صاحب سے محبت رکھتی تھی اور اُن کی وجہ سے مجھے بھی اچھا سمجھتی تھی باقی سب مخالف ہو گئے تھے میں جب اُس طرف جاتی تھی تو وہ مجھے بڑی محبت سے ملتی تھی۔ اور کہا کرتی تھی۔ ہائے افسوس یہ لوگ اسے (یعنے حضرت صاحب کو) کیوں بد دعائیں دیتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اسے میری چراغ بی بی نے کتنی منتوں سے

ترس ترس کر پالا تھا اور کتنی محبت اور محنت سے پرورش کی تھی۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ وہ بہت بوڑھی ہوگئی تھی اور چرخہ کاتتی رہتی تھی حضرت صاحب کو بھی اس سے محبت تھی اور والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ تمہاری طائی کہتی ہیں کہ حضرت صاحب کی حمانی کا نام بھی تمہاری دادی کی طرح چراغ بی بی تھا +

(۲۲۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی رحیم بخش صاحب نے کہ بیان کیا اُن سے مرزا سلطان احمد صاحب نے کہ جو عورت والد صاحب کو کھانا دینے جاتی تھی وہ بعض اوقات واپس آکر کہتی تھی "میاں اون کو (یعنے حضرت صاحب کو) کیا ہوش ہے۔ یا کتابیں ہیں اور یا یہ ہیں" خاکسار عرض کرتا ہے کہ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں تمہید میں یہ لکھا تھا کہ بغرض سہولت میں تمام روایات صرف اردو زبان میں بیان کرونگا۔ خواہ وہ کسی زبان میں کہی گئی ہوں۔ سو جاننا چاہئیے کہ فقرہ مندرجہ بالا بھی در اصل پنجابی میں کہا گیا تھا۔ یہ صرف بطور مثال کے عرض کیا گیا ہے۔ نیز ایک اور عرض بھی ضروری ہے کہ جہاں خاکسار نے یہ لکھا ہے کہ "بیان کیا مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے" اس سے مطلب یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو مینے کوئی معیّن سوال دیکر مرزا صاحب موصوف کے پاس بھیجا اور اُس کا جو جواب مرزا صاحب کی طرف سے دیا گیا وہ نقل کیا گیا اور جہاں مولوی صاحب کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے وہاں میرے کسی معیّن سوال کا جواب نہیں بلکہ جو مرزا صاحب نے دوران گفتگو میں مولوی صاحب کو کوئی بات بتائی وہ نقل کی گئی ہے +

(۲۳۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے۔ کہ ایک دفعہ قادیان میں ہیضہ پھوٹا اور چوہڑوں کے محلہ میں کیس ہونے شروع ہوئے۔ دادا صاحب اُس وقت بٹالہ میں تھے۔ یہ خبر سُنکر قادیان آگئے اور چوہڑوں کے محلہ کے پاس آکر ٹھیر گئے اور چوہڑوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اُن کو تسلی دی اور پھر حکم دیا کہ قادیان کے عطار آملہ۔ کشٹے۔ گڑ (یعنے قند سیاہ) لیتے آویں۔ اور پھر اُن کو مٹی کے بڑے بڑے برتنوں میں ڈلوا دیا اور

کہا کہ جو چاہے گڑ والا پیئے اور جو چاہے نمک والا پیئے۔ کہتے ہیں کہ دوسرے دن مرض کا نشان مٹ گیا +

(۲۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی۔ سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہوگیا اور گندک کی سی بو آتی تھی لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہونچا۔ اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا۔ بجلی تمام چکروں میں سے ہوکر اندر جاکر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہوگیا۔ دیکھو وہی بجلی آگ تھی جس نے اسکو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی +

ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ مینے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہوگا خوف کی بات نہیں اور یہ کہکر سوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی تب مینے اُن کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی اونہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب مینے اُن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لیکر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے۔

ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار خدا نے مجھے ان کے ضرر سے محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور آگ کو بجھا دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ

113

یہ باتیں حضرت صاحب کی ڈائری سے لیگئی ہیں۔ اور بچھو اور آگ لگنے کا واقعہ ضروری نہیں کہ سیالکوٹ سے متعلق ہو۔

(۲۳۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸ پر حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:۔ "اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں اسی زمانہ کے قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اُس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تصنیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلعم نے اس کتاب کو دیکھکر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام مینے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کی تالیف ہونے پر یہ کُھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جس کے کمال استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔ غرض آنحضرت نے وہ کتاب مجھ سے لے لی۔ اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہائت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بنگئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا۔ مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کیلئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مردہ کہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرت کے معجزے سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آکھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت بڑے جاہ وجلال اور بڑے حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوہ فرما رہے تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈالدیں اور وہ ایک قاش مینے اس نئے زندہ کو دیدی اور اس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو مینے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے

بہت ہی اونچی ہوگئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرت کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اور اسلام کی تازگی اور ترقی کی اشارت تھی تب اسی نور کا مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی۔

(۲۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰ پر لکھتے ہیں:- "اس برکت کے بارے میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا جس کو اس جگہ لکھنا مناسب ہے اور تقریب اس الہام کی یہ پیش آئی تھی کہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کہ جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب بھی تھے۔ جب نئے نئے مولوی ہو کر بٹالہ میں آئے اور بٹالیوں کو ان کے خیالات گراں گذرے تو تب ایک شخص نے مولوی صاحب ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کے لئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا چنانچہ اسکے کہنے کہانے پر یہ عاجز شام کے وقت اس شخص کے ہمراہ مولوی صاحب ممدوح کے مکان پر گیا اور مولوی صاحب کو معہ اُن کے والد صاحب کے مسجد میں پایا۔ پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولوی صاحب موصوف کی اس وقت کی تقریر کو سُنکر معلوم کر لیا کہ ان کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو اسلئے خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترکِ بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہانتک بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈ ینگے"۔ پھر بعد اسکے کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے"۔

(۲۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میری نانی اماں صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب تمہارے نانا کی بدلی کاہنووان میں ہوئی تھی۔ مَیں بیمار ہوگئی تو تمہارے نانا مجھے ڈولی میں بٹھلا کر قادیان تمہارے دادا کے پاس علاج کے لئے لائے تھے۔ اور اُسی دن میں واپس چلی گئی تھی۔ تمہارے دادا نے میری نبض دیکھکر نسخہ لکھ دیا تھا۔ اور تمہارے نانا کو یہاں اور ٹھہرنے کے لئے کہا تھا مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔ کیونکہ پیچھے تمہاری

ماں کو اکیلا چھوڑ آئے تھے۔ نیز نانی اماں نے بیان کیا کہ جس وقت میں گھر میں آئی تھی مینے حضرت صاحب کو بیٹھ کی طرف سے دیکھا تھا کہ ایک کمرہ میں الگ بیٹھے ہوئے رحل پر قرآن شریف رکھکر پڑھ رہے تھے۔ مینے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے اور بالکل ولی آدمی ہے قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مجھے اپنی اماں اور ابّا کا مجھے اکیلے چھوڑ کر قادیان آنے کے متعلق صرف اتنا یاد ہے کہ مَیں شام کے قریب بہت روئی چلائی تھی کہ اتنے میں ابّا گھوڑا بھگاتے ہوئے گھر میں پہنچ گئے اور مجھے کہا کہ ہم آگئے ہیں ﴿

(۲۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یوں تو حضرت صاحب کی ساری عمر جہاد کی صفِ اول میں ہی گذری ہے لیکن باقاعدہ مناظرے آپ نے صرف پانچ کئے ہیں۔ اوّل۔ ماسٹر مرلی دھر آریہ کے ساتھ بمقام ہوشیار پور مارچ ۱۸۸۶ء میں۔ اس کا ذکر آپ نے سرمۂ چشم آریہ میں کیا ہے۔ دوسرے مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ بمقام لدھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء میں اسکی کیفیت رسالہ الحق لدھیانہ میں چھپ چکی ہے تیسرے مولوی محمد بشیر بھوپالوی کے ساتھ بمقام دہلی اکتوبر ۱۸۹۱ء میں۔ اسکی کیفیت رسالہ الحق دہلی میں چھپ چکی ہے۔ چوتھے مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام لاہور جنوری و فروری ۱۸۹۲ء میں اسکی روئداد شائع نہیں ہوئی صرف حضرت صاحب کے اشتہار مورخہ ۳ فروری ۱۸۹۲ء میں اسکا مختصر ذکر پایا جاتا ہے۔ پانچویں ڈپٹی عبداللہ آتھم مسیحی کے ساتھ بمقام امرتسر مئی و جون ۱۸۹۳ء میں اس کی کیفیت جنگ مقدس میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ دو اور جگہ مباحثہ کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔ اوّل مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ بمقام بٹالہ ۶۹ یا ۱۸۶۸ء میں۔ اس کا ذکر حضرت صاحب نے براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰ پر کیاہے۔ دوسرے مولوی سید نذیر حسین صاحب شیخ الکل دہلوی کے ساتھ بمقام جامع مسجد دہلی بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء اس کا ذکر حضرت کے اشتہارات میں ہے ﴿

(۲۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے منشی عطا محمد صاحب پٹواری نے کہ

جب میں غیر احمدی تھا اور ونجواں ضلع گورداسپور میں پٹواری ہوتا تھا تو قاضی نعمت اللہ صاحب خطیب بٹالوی جنکے ساتھ میرا ملنا جلنا تھا مجھے حضرت صاحب کے متعلق بہت تبلیغ کیا کرتے تھے۔ مگر میں پروا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھے بہت تنگ کیا مینے کہا اچھا میں تمہارے مرزا کو خط لکھکر ایک بات کے متعلق دعا کراتا ہوں اگر وہ کام ہوگیا تو میں سمجھ لونگا کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ مینے حضرت صاحب کو خط لکھا کہ آپ مسیح موعود اور ولی اللہ ہونے کا دعوے رکھتے ہیں اور ولیوں کی دعائیں سنی جاتی ہیں۔ آپ میرے لئے دعا کریں کہ خدا مجھے خوبصورت صاحب اقبال لڑکا جس بیوی سے میں چاہوں عطا کرے اور نیچے مینے لکھدیا کہ میری تین بیویاں ہیں مگر کئی سال ہوگئے آج تک کسی کے اولاد نہیں ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ بڑی بیوی کے بطن سے لڑکا ہو۔ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط گیا کہ مولا کے حضور دعا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو فرزند ارجمند صاحب اقبال خوبصورت لڑکا جس بیوی سے آپ چاہتے ہیں عطا کرے گا۔ مگر شرطیہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔ منشی عطا محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ان دنوں سخت بے دین اور شرابی کبابی راشی مرتشی ہوتا تھا چنانچہ مینے جب مسجد میں جا کر ملاں سے پوچھا کہ زکریا والی توبہ کیسی تھی؟ تو لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ شیطان مسجد میں کس طرح آگیا ہے مگر وہ ملاں مجھے جواب نہ دیسکا پھر مینے دھرم کوٹ کے مولوی فتح دین صاحب مرحوم احمدی سے پوچھا انہوں نے کہا کہ زکریا والی توبہ بس یہی ہے کہ بے دینی چھوڑ دو۔ حلال کھاؤ نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ آیا جایا کرو۔ یہ سُنکر مینے ایسا کرنا شروع کردیا شراب وغیرہ چھوڑ دی اور رشوت بھی بالکل ترک کردی اور صلوٰۃ وصوم کا پابند ہوگیا۔ چار پانچ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا کہ میں ایک دن گھر گیا تو اپنی بڑی بیوی کو روتے ہوئے پایا۔ سبب پوچھا تو اسنے کہا کہ پہلے مجھ پر یہ مصیبت تھی کہ میرے اولاد نہیں ہوتی تھی آپ نے میرے پر دو بیویاں کی اب یہ مصیبت آئی ہے کہ میرے حیض آنا بند ہوگیا ہے (گویا) اولاد کی کوئی امید ہی نہیں رہی) ان دنوں میں اس کا بھائی امرت سر میں تھانہ دار تھا چنانچہ اس نے مجھے

کہا کہ مجھے میرے بھائی کے پاس بھیجدو کہ میں کچھ علاج کرواؤں میںنے کہا وہاں کیا جاؤگی یہیں دائی کو بلوا کر دکھلاؤ اور اس کا علاج کرواؤ چنانچہ اسنے دائی کو بلوایا اور کہا کہ مجھے کچھ دوا وغیرہ دو۔ دائی نے سرسری دیکھکر کہا میں تو دوا نہیں دیتی نہ ہاتھ لگاتی ہوں کیونکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تیرے اندر بھول گیا ہے (یعنی تو تو بانجھ تھی مگر اب تیرے پیٹ میں بچہ معلوم ہوتا ہے پس خدا نے تجھے (نعوذ باللہ) بھول کر حمل کروادیا ہے مؤلف) اور اسنے گھر سے باہر آکر بھی یہی کہنا شروع کیا کہ خدا بھول گیا مگر میںنے اسے کہا کہ ایسا نہ کہو بلکہ میںنے مرزا صاحب سے دعا کروائی تھی۔ پھر منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ میں حمل کے پورے آثار ظاہر ہوگئے اور میںنے اردگرد سب کو کہنا شروع کیا کہ اب دیکھ لینا کہ میرے لڑکا پیدا ہوگا اور ہوگا بھی خوبصورت مگر لوگ بڑا تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوگیا تو واقعی بڑی کرامت ہے۔ آخر ایک دن رات کے وقت لڑکا پیدا ہوا اور خوبصورت ہوا۔ میں اسی وقت دھرم کوٹ بھاگا گیا جہاں میرے کئی رشتہ دار تھے اور لوگوں کو اس کی پیدائش سے اطلاع دی چنانچہ کئی لوگ اسی وقت بیعت کے لئے قادیان روانہ ہوگئے مگر بعض نہیں گئے اور پھر اس واقعہ پر دو جواں کے بھی بہت سے لوگوں نے بیعت کی اور میںنے بھی بیعت کرلی۔ اور لڑکے کا نام عبدالحق رکھا۔ منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری شادی کو بارہ سال سے زائد ہوگئے تھے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ نیز منشی صاحب نے بیان کیا کہ میں پھر جب قادیان آیا تو ان دنوں میں مسجد کا رستہ دیوار کھینچنے سے بند ہوا تھا۔ میںنے باغ میں حضرت صاحب کو اپنی ایک خواب سنائی کہ میںنے دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک خربوزہ ہے جسے میںنے کاٹ کر کھایا ہے اور وہ بڑا شیریں ہے لیکن جب میںنے اسکی ایک پھاڑی عبدالحق کو دی تو وہ خشک ہوگئی۔ حضرت صاحب نے تعبیر بیان فرمائی کہ عبدالحق کی ماں سے آپ کے ہاں ایک اور لڑکا ہوگا مگر وہ فوت جائیگا چنانچہ منشی صاحب کہتے ہیں کہ ایک اور لڑکا ہوا مگر وہ فوت ہوگیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میںنے عبدالحق کو دیکھا ہے خوش شکل اور شریف مزاج لڑکا ہے اس وقت اسکی عمر کوئی بیس سال کی ہوگی +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دشمنوں کی طرف سے چھ مقدمات پیش آئے ہیں۔ چار فوجداری ایک دیوانی اور ایک مالی۔ اور ان سب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بشارتوں کے مطابق حضرت مسیح موعود کو دشمنوں پر فتح دی ہے۔ اور یہ مقدمات اُن مقدمات کے علاوہ ہیں جو جائداد وغیرہ کے متعلق دادا صاحب کی زندگی میں اور اُن کے بعد پیش آتے رہے۔

اوّل سب سے پہلا وہ مقدمہ ہے جو بابو رلیا رام عیسیٰ وکیل امرتسر کی مخبری پر محکمہ ڈاک کی طرف سے آپ پر دائر کیا گیا تھا۔ یہ مقدمہ بہت پرانا ہے یعنے براہین احمدیہ کی اشاعت .... سے بھی قبل کا ہے۔ (غالباً ۱۸۷۷ء کا) حضرت مسیح موعود نے اس کا کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ مگر سب سے مفصل ذکر اس کا اُس خط میں ہے جو حضرت صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو اُسکے فتویٰ تکفیر کے بعد لکھا تھا۔ اور جو آئینہ کمالات اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔

دوسرے وہ خطرناک فوجداری مقدمہ جو مارٹن کلارک عیسیٰ پادری نے اقدام قتل کے الزام کے ماتحت حضرت صاحب کے خلاف دائر کیا تھا۔ اسکی ابتدائی کارروائی یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر میں بعدالت اے مارٹینو ڈپٹی کمشنر امرتسر شروع ہوئی اور بالآخر ۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو آپ ایم ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت سے بری کئے گئے۔ اس مقدمہ کی مفصل کیفیت کتاب البریہ میں چھپ چکی ہے۔

تیسرے مقدمہ حفظ امن زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری، جو بعدالت جے۔ ایم۔ ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور ۲۴، فروری ۱۸۹۹ء کو فیصل ہوا۔ اور حضرت صاحب ضمانت کی ضرورت سے بری قرار دیئے گئے۔ یہ مقدمہ محمد بخش تھانہ دار بٹالہ کی رپورٹ مورخہ یکم دسمبر ۱۸۹۸ء و درخواست مولوی محمد حسین بٹالوی برائے اسلحہ خود حفاظتی مورخہ ۵، دسمبر ۱۸۹۸ء پر مبنی تھا۔ اسکے متعلق حضرت صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ ۲۶ فروری ۱۸۹۹ء میں ذکر کیا ہے۔ اور الحکم کے نمبرات ماہ مارچ ۱۸۹۹ء میں اسکی مفصل کیفیت درج ہے۔

چوتھے وہ لمبا اور تکلیف دہ فوجداری مقدمہ جو کرم دین ساکن بھیں ضلع جہلم کی طرف سے اوّل اوّل جہلم اور پھر اسکے بعد گورداسپور میں چلایا گیا تھا اور بالآخر بعدالت اے۔ ای ہری سشن جج امرتسر ۷ جنوری ۱۹۰۵ء کو فیصل ہوا۔ اور آپ بری کئے گئے۔ ماتحت عدالت کا فیصلہ بعدالت آتمارام مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو ہوا تھا۔ اس مقدمہ کی کیفیت اخبار الحکم میں چھپتی رہی ہے۔ یہ مقدمہ دراصل دو حصوں پر مشتمل تھا

پانچویں وہ دیوانی مقدمہ جو حضرت صاحب کی طرف سے مرزا امام دین ساکن قادیان کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ اُس کی بنا یہ تھی کہ مرزا امام دین نے مسجد مبارک کے رستے کو ایک دیوار کھینچکر ۷ جنوری ۱۹۰۰ء کو بند کر دیا تھا۔ یہ مقدمہ ۱۲ اگست ۱۹۰۱ء کو بعدالت شیخ خدابخش صاحب ڈسٹرکٹ جج گورداسپور حضرت صاحب کے حق میں فیصل ہوا۔ اور ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء کو دیوار گرائی گئی۔ اسکی کیفیت اخبار الحکم اور کچھ حقیقت الوحی میں شائع ہو چکی ہے۔

چھٹے مقدمہ انکم ٹیکس جو ۱۷ ستمبر ۱۸۹۷ء کو بعدالت ٹی۔ ڈکسن ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور فیصل ہوا اور حضرت صاحب پر انکم ٹیکس لگانے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس کی کیفیت ضرورت امام میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ مبارکہ (خاکسار کی ہمشیرہ) کا چلّہ نہانے سے دو تین دن بعد میں اوپر کے مکان پر چارپائی پر بیٹھی تھی اور تم میرے پاس کھڑے تھے اور پھجو (گھر کی ایک عورت کا نام ہے) بھی پاس تھی کہ تم نے نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ امّاں او بائی' میں نہ سمجھی تم نے دو تین دفعہ دُہرایا۔ اور نیچے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھجو نے نیچے دیکھا تو ڈیوڑھی کے دروازے میں ایک سپاہی کھڑا تھا۔ پھجو نے اُسے ڈانٹا کہ یہ زنانہ مکان ہے تو کیوں دروازے میں آ گیا ہے اتنے میں مسجد کی طرف کا دروازہ بڑے زور سے کھٹکا۔ پتہ لگا کہ اس طرف سے بھی ایک سپاہی آیا ہے۔ حضرت صاحب اندر دالان میں بیٹھے ہوئے کچھ کام کر رہے تھے۔ بیٹے محمود (حضرت خلیفة المسیح ثانی) کو ان کی طرف بھیجا کہ سپاہی آئے ہیں اور بلاتے ہیں

حضرت صاحب نے فرمایا کہو کہ میں آتا ہوں۔ پھر آپ نے بڑے اطمینان سے اپنا بستہ بند کیا اور اُٹھکر مسجد کی طرف گئے وہاں مسجد میں انگریز کپتان پولیس کھڑا تھا اور اسکے ساتھ دوسرے پولیس کے آدمی تھے۔ کپتان نے حضرت صاحب سے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں لیکھرام کے قتل کے متعلق آپکے گھر کی تلاشی لوں۔ حضرت صاحب نے کہا آئیے اور کپتان کو معہ دوسرے آدمیوں کے جن میں بعض دشمن بھی تھے مکان کے اندر لے آئے اور تلاشی شروع ہوئی۔ پولیس نے مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا ہم عورتیں اور بچے ایک طرف ہو گئے۔ سب کمروں کی باری باری تلاشی ہوئی اور حضرت صاحب کے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے۔ تلاش کرتے کرتے ایک خط نکلا جس میں کسی احمدی نے لیکھرام کے قتل پر حضرت صاحب کو مبارکباد لکھی تھی۔ دشمنوں نے اسے جھٹ کپتان کے سامنے پیش کیا کہ دیکھئے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ حضرت صاحب نے کہا کہ ایسے خطوں کا تو میرے پاس ایک تھیلا رکھا ہے۔ اور پھر بہت سے خط کپتان کے سامنے رکھدیئے۔ کپتان نے کہا نہیں کچھ نہیں۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ جب کپتان نیچے سردخانے میں جانے لگا تو چونکہ اس کا دروازہ چھوٹا تھا اور کپتان لمبے قد کا آدمی تھا اس زور کے ساتھ دروازے کی چوکھٹ سے اسکا سر ٹکرایا کہ بیچارہ سر پکڑکر وہیں بیٹھ گیا حضرت صاحب نے اس سے اظہار ہمدردی کیا۔ اور پوچھا کہ گرم دودھ یا اور کوئی چیز منگوائیں؟ اسنے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ مگر بیچارے کو چوٹ سخت آئی تھی۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ حضرت صاحب اسے خود ایک کمرے سے دوسرے کی طرف لیجاتے تھے۔ اور ایک ایک چیز دکھلاتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے اس خانہ تلاشی کا ذکر اپنے اشتہار مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۹۷ء میں کیا ہے جہاں لکھا ہے کہ خانہ تلاشی ۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو ہوئی تھی اور نیز یہ کہ مہمان خانہ مطبع وغیرہ کی بھی تلاشی ہوئی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ لیکھرام ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوا تھا اور اسکے قتل پر آریوں کی طرف سے ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہو گیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ کئی جگہ مسلمان بچے دشمنوں کے

ہاتھ سے ہلاک ہوئے اور حضرت صاحب کے قتل کے لئے بھی بہت سازشیں ہوئیں اور یہ خانہ تلاشی بھی غالباً آریوں ہی کی تحریک پر ہوئی تھی +

(۲۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب سناتے تھے کہ جب میں بچہ ہوتا تھا تو ایک دفعہ بعض بچوں نے مجھے کہا کہ جاؤ گھر سے میٹھا لاؤ۔ میں گھر میں آیا اور بغیر کسی سے پوچھنے کے ایک برتن میں سے سفید بورا اپنی جیبوں میں بھر کر باہر لے گیا۔ اور راستہ میں ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی بس پھر کیا تھا میرا دم رک گیا اور بڑی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ معلوم ہوا کہ جسے میں نے سفید بورا سمجھکر جیبوں میں بھرا تھا وہ بورا نہ تھا بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے یاد آیا کہ ایک دفعہ گھر میں میٹھی روٹیاں پکیں کیونکہ حضرت صاحب کو میٹھی روٹی پسند تھی۔ جب حضرت صاحب کھانے لگے تو آپ نے اُس کا ذائقہ بدلا ہوا پایا مگر آپ نے اُسکا خیال نہ کیا کچھ اور کھانے پر حضرت صاحب نے کڑواہٹ محسوس کی۔ اور والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ روٹی کڑوی معلوم ہوتی ہے؟ والدہ صاحبہ نے پکانے والی سے پوچھا۔ اُس نے کہا میں نے تو میٹھا ڈالا تھا۔ والدہ صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں سے لیکر ڈالا تھا؟ وہ برتن لاؤ۔ وہ عورت ایک ٹین کا ڈبہ اُٹھا لائی۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ کونین کا ڈبہ تھا۔ اور اس عورت نے جہالت سے بجائے میٹھے کے روٹیوں میں کونین ڈالدی تھی۔ اُس دن گھر میں یہ بھی ایک لطیفہ ہو گیا +

(۲۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ بعض بوڑھی عورتوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ بچپن میں حضرت صاحب نے اپنی والدہ سے روٹی کے ساتھ کچھ کھانے کو مانگا۔ انہوں نے کوئی چیز شائد گڑ بتایا کہ یہ لے لو۔ حضرت نے کہا نہیں یہ میں نہیں لیتا۔ اُنہوں نے کوئی اور چیز بتائی۔ حضرت صاحب نے اسپر بھی وہی جواب دیا وہ اُس وقت کسی بات پر چڑی ہوئی بیٹھی تھیں سختی سے کہنے لگیں کہ جاؤ پھر راکھ سے روٹی کھالو۔ حضرت صاحب روٹی پر راکھ ڈال کر بیٹھ گئے اور گھر میں ایک لطیفہ ہو گیا۔ یہ حضرت صاحب کا بالکل بچپن کا واقعہ ہے

خاکسار عرض کرتا ہے کہ والدہ صاحبہ نے یہ واقعہ سُنا کر کہا کہ جس وقت اُس عورت نے مجھے یہ بات سُنائی تھی اُس وقت حضرت صاحب بھی پاس تھے۔ مگر آپ خاموش رہے۔

(۲۴۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علی خانصاحب نے کہ جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین کا مقدمہ تھا ایک دن حضرت صاحب کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دعا کیلئے اُس کمرہ میں گئے جو اس غرض کے لئے پہلے مخصوص کر لیا تھا۔ میں اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے تھے۔ اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اُس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دعا کر کے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لیکر اُسے دیکھا اور فرمایا۔ یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے۔ جو حضور اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ یہ میری نہیں ہے۔ خان صاحب کہتے ہیں کہ وہ چھڑی مدت سے آپکے ہاتھ میں رہتی تھی۔ مگر محویّت کا یہ عالم تھا کہ کبھی اُس کی شکل کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا کہ پہچان سکیں۔ خاں صاحب کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک دفعہ میں قادیان آیا۔ اُس وقت حضرت صاحب مسجد کی سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر کسی افغان کو رخصت کر رہے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ آپ اُس وقت خوش نہ تھے۔ کیونکہ وہ شخص افغانستان میں جا کر تبلیغ کرنے سے ڈرتا تھا۔ خیر میں جا کر حضور سے ملا اور حضور نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر گھر تشریف لے گئے۔ میں اپنے کمرے میں آ کر بہت رویا کہ معلوم نہیں حضرت صاحب نے مجھ میں کیا دیکھا ہے کہ معمول کے خلاف بشاشت کے ساتھ نہیں ملے۔ پھر میں نماز کے وقت مسجد میں گیا تو کسی نے حضرت صاحب سے عرض کہ ذوالفقار علیخان آیا ہے۔ حضرت صاحب نے شوق سے پوچھا کہ تحصیلدار صاحب کب آئے ہیں؟ میں جھٹ حضور کے سامنے آ گیا اور عرض کیا کہ میں تو حضور سے سیڑھیوں پر ملا تھا۔ جب حضور اُن افغان صاحب کو رخصت فرما رہے تھے

حضرت صاحب نے فرمایا اچھا میں نے خیال نہیں کیا اور پھر حسب معمول بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ مجھ سے کلام فرمایا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کو مہمان کے آنے پر بڑی خوشی ہوتی تھی اور رخصت کے وقت دل کو صدمہ ہوتا تھا چنانچہ جب حضرت خلیفہ ثانی کی آمین پر بعض مہمان قادیان آئے تو اسپر آپ نے آمین میں فرمایا:۔ ؎

احباب سارے آئے تو نے یہ دن دکھائے
تیرے کرم نے پیارے یہ مہرباں بلائے

یہ دن چڑھا مبارک مقصود جس میں پائے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

مہماں جو کر کے اُلفت آئے بصد محبت
دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت

پر دل کو پہنچے غم جب یاد آئے وقت رخصت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑیگا جو ملا ہے
گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جدا ہے

شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(۲۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود جب کسی سے ملتے تھے تو مسکراتے ہوئے ملتے تھے اور ساتھ ہی ملنے والے کی ساری کلفتیں دور ہو جاتی تھیں۔ ہر احمدی یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ کی مجلس میں جا کر دل کے سارے غم دُھل جاتے ہیں بس آپکے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑی اور سارے جسم میں مسرت کی ایک لہر جاری ہو گئی آپ کی عادت تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی بات بھی توجہ سے سُنتے تھے اور بڑی محبت سے جواب دیتے تھے۔ ہر آدمی اپنی جگہ سمجھتا تھا کہ حضرت صاحب کو بس مجھی سے زیادہ محبت ہے۔ بعض وقت آدابِ مجلس رسول سے ناواقف عامی لوگ دیر دیر تک اپنے لاتعلق قصے سناتے رہتے تھے اور حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ بیٹھے سنتے رہتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتے تھے کہ اب بس کرو۔ نمازوں کے بعد یا بعض اوقات دوسرے موقعوں پر بھی حضور مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور ارد گرد مشتاقین گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے تھے اور پھر مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہتی تھیں اور گویا تعلیم و تربیت کا سبق جاری ہو جاتا تھا۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ محسوس کرتے تھے کہ علم و معرفت کا چشمہ

پھوٹ رہا ہے جس سے ہر شخص اپنے مقدور کے موافق اپنا برتن بھر لیتا تھا مجلس میں کوئی خاص ضابطہ نہ ہوتا تھا بلکہ جہاں کہیں کسی کو جگہ ملتی تھی بیٹھ جاتا تھا۔ اور پھر کسی کو کوئی سوال ہوا تو اُسنے پوچھ لیا اور حضرت صاحب نے جواب میں کوئی تقریر فرمادی۔ یا کسی مخالف کا ذکر ہوگیا تو اُس پر گفتگو ہوگئی۔ یا حضرت نے اپنا کوئی نیا الہام سُنایا۔ تو اُس کے متعلق کچھ فرمادیا۔ یا کسی فرد یا جماعت کی تکالیف کا ذکر ہوا تو اُسی پر کلام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ غرض آپکی مجلس میں ہر قسم کی گفتگو ہو جاتی تھی اور ہر آدمی جو بولنا چاہتا تھا بول لیتا تھا جب حضرت گفتگو فرماتے تھے تو سب حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ آپکی عادت تھی کہ خواہ کوئی پبلک تقریر ہو یا مجلسی گفتگو ہو۔ ابتدا میں دھیمی آواز سے بولنا شروع کرتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ آواز بلند ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ دُور سے دُور بیٹھا ہوا شخص بھی بخوبی سُن سکتا تھا۔ اور آپکی آواز میں ایک خاص قسم کا سوز ہوتا تھا +

(۲۴۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ مارٹن کلارک کے مقدمہ میں ایک شخص مولوی فضل دین لاہوری حضور کی طرف سے وکیل تھا۔ یہ شخص غیر احمدی تھا اور شائد اب تک زندہ ہے اور غیر احمدی ہے۔ جب مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت صاحب کے خلاف شہادت میں پیش ہوا تو مولوی فضل دین نے حضرت صاحب سے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو میں مولوی محمد حسین صاحب کے حسب و نسب کے متعلق کوئی سوال کروں۔ حضرت صاحب نے سختی سے منع فرمادیا کہ مَیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اور فرمایا لایحب اللہ الجھر بالسوء۔ مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ یہ واقعہ خود مولوی فضل دین نے باہر آکر ہم سے بیان کیا تھا۔ اور اُس پر اس بات کا بڑا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا تھا کہ مرزا صاحب نہائت عجیب اخلاق کے آدمی ہیں۔ ایک پرلے درجہ کا دشمن ہے اور وہ اقدام قتل کے مقدمہ میں آپکے خلاف شہادت میں پیش ہوتا ہے۔ اور مَیں اُس کا حسب و نسب پوچھکر اُس کی حیثیت کو چھوٹا کرکے اس کی شہادت کو کمزور کرنا چاہتا ہوں اور اس سوال کی ذمہ واری بھی

مرزا صاحب پر نہیں تھی بلکہ مجھ پر تھی مگر میں نے جب پوچھا تو آپ نے بڑی سختی سے روک دیا کہ ایسے سوال کی میں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ خدا ایسے طریق کو ناپسند کرتا ہے خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے نسب میں بعض معیوب باتیں سمجھی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم جن کو وکیل اپنے سوال سے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ مگر حضرت صاحب نے روک دیا۔ دراصل حضرت صاحب اپنے ہاتھ سے کسی دشمن کی بھی ذلت نہیں چاہتے تھے۔ ہاں جب خدا کی طرف سے کسی کی ذلت کا سامان پیدا ہوتا تھا تو وہ ایک نشان الٰہی ہوتا تھا جسے آپ ظاہر فرماتے تھے ؎

(۲۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی قتل کے مقدمہ میں حضرت صاحب کے خلاف پیش ہوا تو اُس نے کمرہ میں آکر دیکھا کہ حضرت صاحب ڈگلس کے پاس عزت کے ساتھ کرسی پر تشریف رکھتے ہیں اس پر حسد نے اُسے بیقرار کر دیا۔ چنانچہ اُسنے بھی حاکم سے کرسی مانگی اور چونکہ وہ کھڑا تھا۔ اور اُسکے اور حاکم کے درمیان پنکھا تھا جس کی وجہ سے وہ حاکم کے چہرہ کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسلئے اُس نے پنکھے کے نیچے سے جھک کر حاکم کو خطاب کیا۔ مگر ڈگلس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی فہرست نہیں ہے۔ جس میں تمہارا نام کرسی نشینوں میں درج ہو۔ اس پر اُسنے پھر اصرار کے ساتھ کہا تو حاکم نے ناراض ہو کر کہا کہ بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کی بعض تحریروں میں "سیدھا کھڑا ہو جا" کے الفاظ آتے تھے اور ہم نہ سمجھتے تھے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ مگر اب پتا لگا کہ مولوی محمد حسین چونکہ جھک کر پنکھے کے نیچے سے کلام کر رہا تھا اسلئے اُسے سیدھا ہونے کے لئے کہا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اُس وقت مولوی محمد حسین کے دل و سینہ میں کیا کیا نہ چھریاں چل گئی ہونگی۔ ایک طرف اُسے اپنا یہ قول یاد آتا ہوگا کہ میں نے ہی اسے (یعنے حضرت صاحب کو) اُٹھایا ہے اور اب میں ہی اسے گراؤنگا۔ اور دوسری طرف حضرت صاحب کا وہ الہام اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا کہ انی مہین من اراد اھانتک یعنے جو تیری ذلت چاہتا ہے میں خود اسے ذلیل کرونگا۔ اللّٰہ اکبر ؎

(۲۴۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب قتل کے مقدمہ میں حضرت صاحب نے ایک موقعہ پر کپتان ڈگلس کے سامنے فرمایا کہ مجھ پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے ۔ اور آگے بات کرنے لگے تو اس پر ڈگلس فوراً بولا کہ میں تو آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا ۔ اور جب اُسنے فیصلہ سُنایا اُس وقت بھی اُس نے یہ الفاظ کہے کہ مرزا صاحب مَیں آپ کو مبارک دیتا ہوں کہ آپ بری ہیں ۔ خاکسار عرض کرتا ہے ڈگلس اُن دنوں میں ضلع کا ڈپٹی کمشنر تھا ۔ اور فوجی عہدہ کے لحاظ سے کپتان تھا ۔ اسکے بعد وہ ترقی کرتے کرتے جزایر انڈمان کا چیف کمشنر ہو گیا ۔ اور اب پنشن لیکر ولائت واپس جا چکا ہے ۔ اس وقت اُس کا فوجی عہدہ کرنیل کا ہے ۔ آدمی غیر متعصب اور سمجھدار ہے ۔ ولائت میں ہمارے مبلّغ مولوی مبارک علی صاحب بنگالی نے ۲۸ ۔ جولائی ۱۹۲۲ء کو اُس سے ملاقات کی تو اُسنے خود بخود اُنکے ساتھ اس مقدمہ کا ذکر شروع کر دیا ۔ اور کہنے لگا میں غلام احمد (مسیح موعود) کو جانتا تھا اور میرا یقین تھا کہ وہ نیک بخت اور دیانتدار آدمی تھا اور یہ کہ وہ اُسی بات کی تعلیم دیتا تھا جسکا اُسے خود یقین ہے ۔ لیکن مجھے اُس کی موت کی پیشگوئیاں پسند نہ تھیں ۔ کیونکہ وہ بڑی مشکلات پیدا کرتی تھیں ۔ پھر اُسنے مقدمہ کے حالات سُنائے اور کہا کہ وہ لڑکا نظام دین (خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈگلس صاحب بھول گئے ہیں اُس لڑکے کا نام عبد الحمید تھا) ہر روز کوئی نئی بات بیان کرتا تھا اور اُس کی کہانی ہر دفعہ زیادہ مکمّل و مبسوط ہوتی جاتی تھی اسلئے مجھے اُس کے متعلق شبہ پیدا ہوا اور مینے دریافت کیا کہ وہ کہاں رہتا ہے ؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ مشنریوں کے پاس ٹھیرا ہوا ہے ۔ جو اُسے سکھاتے رہتے ہیں ۔ چنانچہ مَیں نے حکم دیا کہ وہ مشنریوں کی نگرانی سے الگ کر کے پولیس کی نگرانی میں رکھا جاوے اس سے میرا مطلب حل ہو گیا ۔ یعنے نظام دین آخر اقبالی ہو کر میرے قدموں پر گر گیا اور اُس نے اقرار کیا کہ یہ ساری بات محض افترا ہے ۔ ڈگلس نے سلسلہ کی اس حیرت انگیز ترقی پر بڑا تعجب ظاہر کیا اور کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ مرزا غلام احمد کا قائم کیا ہوا سلسلہ اتنی ترقی کر جائیگا ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ابھی تو ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈگلس کے ساتھ اپنی اس ملاقات کا حال مولوی مبارک علی صاحب نے لنڈن سے لکھکر بھیجا ہے اور بوقت ملاقات گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی تھی +

(۲۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں بچپن میں گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر بیٹھا ہوا لاسا بنا رہا تھا کہ اُس وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوئی جو گھر سے لانی تھی - میرے پاس ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا میں نے اُسے کہا کہ مجھے یہ چیز لادو - اُسنے کہا میاں میری بکریاں کون دیکھیگا - مینے کہا تم جاؤ میں اُن کی حفاظت کرونگا اور چراؤنگا - چنانچہ اس کے بعد مینے اُس کی بکریوں کی نگرانی کی - اور اس طرح خدا نے نبیوں کی سنت ہم سے پوری کرادی خاکسار عرض کرتا ہے کہ لاسا ایک لیسدار چیز ہوتی ہے جو بعض درختوں کے دودھ وغیرہ سے تیار کرتے ہیں - اور جانور وغیرہ پکڑنے کے کام آتا ہے - نیز والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم بچپن میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے - اور چاقو نہ ہوتا تھا تو تیز سرکنڈے سے ہی حلال کر لیتے تھے +

(۲۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہم بچپن میں والدہ کے ساتھ ہوشیار پور جاتے تھے تو ہوشیار پور کے چوہوں میں پھرا کرتے تھے - خاکسار عرض کرتا ہے کہ ضلع ہوشیار پور میں کئی برساتی نالے ہیں جن میں بارش کے وقت پانی بہتا ہے - اور ویسے وہ خشک رہتے ہیں - یہ نالے گہرے نہیں ہوتے بلکہ قریباً ارد گرد کے کھیتوں کے ساتھ ہموار ہی ہوتے ہیں - ہوشیار پور کا سارا ضلع ان برساتی نالوں سے چھدا پڑا ہے - ان نالوں کو پنجابی میں چوہ کہتے ہیں +

(۲۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت صاحب بیان فرماتے تھے - کہ جب ہم اُستاد سے پڑھا کرتے تھے تو ایک دفعہ ہمارے اُستاد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے خواب دیکھا تھا کہ ایک مکان ہے جو دُھواں دار ہے یعنی اُس کے اندر باہر سب دھواں ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندر آنحضرت صلعم ہیں اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے اُس کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور ہمارے اُستاد نے

بیان کیا کہ ہمیں کسی کو اس کی تعبیر نہیں آئی۔ میں نے کہا کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص عیسائی ہو جائیگا کیونکہ انبیاء کا وجود آئینہ کی طرح ہوتا ہے پس اسنے جو آپ کو دیکھا تو گویا اپنی حالت کے عکس کو دیکھا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میرا یہ جواب سُنکر میرے استاد بہت خوش ہوئے اور متعجب بھی اور کہنے لگے کہ وہ شخص واقعی بعد میں عیسائی ہو گیا تھا اور کہنے لگے کہ کاش ہم اسکی تعبیر جانتے اور اسے وقت پر سمجھاتے تو شائد وہ بچ جاتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوا کہ اُستاد سے کون اُستاد مراد ہیں۔ مولوی فضل الٰہی صاحب سے تعلیم پانے کے وقت آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی اسلئے اغلب ہے کہ مولوی فضل احمد صاحب اور مولوی گل علی شاہ صاحب میں سے کوئی صاحب ہونگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی فضل الٰہی صاحب قادیان کے رہنے والے تھے اور مذہباً حنفی تھے۔ مولوی فضل احمد صاحب فیروز پور والہ ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ تھے اور مذہباً اہلحدیث تھے۔ یہ صاحب مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کے والد تھے جنہوں نے (مولوی مبارک علی صاحب نے) حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی مگر جو بعد وفات حضرت خلیفہ اوّل فتنہ کی رو میں بہ گئے۔ تیسرے اُستاد مولوی سید گل علی شاہ صاحب تھے جو بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ اور مذہباً شیعہ تھے +

(۲۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ میرا ایک کلاس فیلو تھا جسکا نام محمد عظیم ہے اور جو پیر جماعت علی شاہ سیالکوٹی کا مرید ہے۔ وہ مجھ سے بیان کرتا تھا کہ میرا بھائی .... کہا کرتا تھا کہ ایام جوانی میں جب مرزا صاحب کبھی کبھی امرتسر آتے تھے تو میں انکو دیکھتا تھا کہ وہ پادریوں کے خلاف بڑا جوش رکھتے تھے اس زمانہ میں عیسائی پادری بازاروں وغیرہ میں عیسائیت کا وعظ کیا کرتے تھے اور اسلام کے خلاف بڑا زہر اگلتے تھے۔ مرزا صاحب انکو دیکھکر جوش سے بھر جاتے تھے اور انکا مقابلہ کرتے تھے۔ مولوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ محمد عظیم... اب بھی زندہ ہے اور غالباً وہ مولوی عبدالقادر صاحب احمدی مرحوم لدھانوی کے تعلق داروں میں سے ہے +

(۲۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جس رات امۃ النصیر

پیدا ہوئی ہے۔ حضرت صاحب خود مولوی محمد احسن صاحب کے کمرے کے دروازے پر آئے اور دستک دی مولوی محمد احسن نے پوچھا کون ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا "غلام احمد" مولوی صاحب نے جھٹ اٹھکر دروازہ کھولا تو حضرت نے جواب دیا کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اس کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے کہ غاسق اللہ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ غاسق اللہ سے مراد یہ ہے کہ جلد فوت ہو جانیوالا۔ چنانچہ وہ لڑکی جلد فوت ہو گئی۔

(۲۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک شخص گوجرانوالہ کا باشندہ محمد بخش تھانہ دار ہوتا تھا جو سلسلہ کا پرلے درجہ کا معاند تھا اور ہر وقت عداوت پر کمربستہ رہتا تھا۔ یہ شخص ۱۸۹۳ء سے بٹالہ کے تھانہ میں متعین ہوا اور پھر کئی سال تک اسی جگہ رہا۔ چونکہ قادیان بٹالہ کے تھانہ میں ہے اسلئے اسے شرارت کا بہت اچھا موقعہ میسر آگیا۔ چنانچہ اس نے اپنے زمانہ میں کوئی دقیقہ ایذا رسانی اور مخالفت کا اٹھا نہیں رکھا۔ حفظ امن کا مقدمہ جو ۱۸۹۹ء میں فیصلہ ہوا اسی کی رپورٹ پر ہوا تھا۔ آخر یہ شخص طاعون سے ہلاک ہوا اور خدا کی قدرت ہے کہ اب اس کا لڑکا بڑا مخلص احمدی ہے۔ ان کا نام میاں نیاز محمد صاحب ہے جو علاقہ سندھ میں تھانہ دار ہیں۔

(۲۵۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کی عادت تھی کہ اپنی جماعت کے افراد کی مذہبی حالت کا مطالعہ کرتے رہتے تھے مگر جب آپ کسی میں کوئی اعتقادی یا عملی یا اخلاقی نقص دیکھتے تھے تو عموماً اسے مخاطب فرما کر کچھ نہ کہتے تھے بلکہ موقعہ پا کر کسی پبلک تقریر یا گفتگو میں ایسی طرز کو اختیار فرماتے تھے جس سے اسکی اصلاح مقصود ہوتی تھی اور پھر اسے مناسب طریق پر کئی موقعوں پر بار بار بیان فرماتے تھے۔ اور جماعت کی اصلاح اندرونی کے متعلق آپ کو از حد فکر رہتا تھا اور اسکے لئے آپ مختلف طریق اختیار فرماتے رہتے تھے اور زیادہ زور دعا کو پر دیتے تھے اور بعض اوقات فرماتے تھے کہ جو باپ اپنے بچے کو ہر حرکت و سکون پر ٹوکتا رہتا ہے اور ہر وقت پیچھے پڑ کر سمجھاتا رہتا ہے اور اس معاملہ میں حد سے بڑھکر احتیاط کرتا ہے وہ بھی ایک گونہ شرک کرتا ہے کیونکہ وہ گویا اپنے بچہ کا خدا بنتا ہے اور ہدایت اور گمراہی کو اپنی نگرانی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے حالانکہ در اصل ہدایت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اسے چاہئے کہ عام طور پر بچہ کی حفاظت کرے مگر زیادہ زور دعا پر دے اور خدا سے اسکی ہدایت مانگے۔ نیز حضرت صاحب

کا یہ دستور تھا کہ ہدایت کے معاملہ میں زیادہ فکر جڑ کی کرتے تھے اور شاخوں کا ایسا خیال نہ فرماتے تھے کیونکہ حضور فرماتے تھی کہ اگر جڑ درست ہو جاوے تو شاخیں خود بخود درست ہو جاتی ہیں چنانچہ فرماتے تھے کہ اصل چیز تو دل کا ایمان ہے جب وہ قائم ہو جاتا ہے تو اعمال خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں کسی نے عرض کیا کہ حضور کے پاس بعض ایسے لوگ آتے جاتے ہیں جنکی داڑھیاں منڈی ہوتی ہیں فرمایا تمہیں پہلے ڈاڑھی کی فکر ہے مجھے ایمان کی فکر ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ جو شخص سچے دل سے ایمان لاتا ہے اور مجھ کو واقعی خدا کا بھیجا ہوا سمجھتا ہے وہ جب دیکھیگا کہ میں داڑھی رکھتا ہوں تو اس کا ایمان اس سے خود داڑھی رکھوائیگا۔ اخلاق پر حضور بہت زور دیتے تھے اور اخلاق میں سے خصوصاً محبت تواضع۔ حلم ورفق۔ صبر اور ہمدردی خلق اللہ پر آپکا بہت زور ہوتا تھا اور تکبر سنگدلی۔ سخت گیری اور درشتی کو بہت برا سمجھتے تھے۔ تنعم و تعیّش سے سخت نفرت تھی اور سادگی اور محنت کشی کو پسند فرماتے تھے۔

(۲۵۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کہ ایک دفعہ کسی کام کے متعلق میر صاحب یعنی میر ناصر نواب صاحب کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب کا اختلاف ہو گیا۔ میر صاحب نے ناراض ہو کر اندر حضرت صاحب کو جا اطلاع دی مولوی محمد علی صاحب کو اسکی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ ہم لوگ یہاں حضور کی خاطر آئے ہیں کہ تا حضور کی خدمت میں رہکر کوئی خدمت دین کا موقعہ مل سکے لیکن اگر حضور تک ہماری شکائیتیں اس طرح پہنچینگی تو حضور بھی انسان ہیں ممکن ہے کسی وقت حضور کے دل میں ہماری طرف سے کوئی بات پیدا ہو تو اس صورت میں ہمیں بجائے قادیان آنے کا فائدہ ہونے کے اُلٹا نقصان ہو جائیگا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میر صاحب نے مجھ سے کچھ کہا تو تھا مگر میں اسوقت اپنے فکروں میں اتنا محو تھا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میر صاحب نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چند دن سے ایک خیال میرے دماغ میں اس زور کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اسنے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے بس ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہو گا کہ میں

122

اسکی بات سن رہا ہوں مگر میں اپنے اُس خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض ان دنوں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ پر غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ خیال کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جاوے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اسکے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستے پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشاء پورا ہو پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پالیا اور اسکو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگان گیا مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اسکے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے پس یہ خیال ہے جو مجھے آجکل کھا رہا ہے اور یہ اسقدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔

(۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک طرف تو حضرت صاحب کو سخت صدمہ پہنچا کہ ایک مخلص دوست جدا ہو گیا اور دوسری طرف آپکو بڑے درجہ کی خوشی ہوئی کہ آپکے متبعین میں سے ایک شخص نے ایمان و اخلاص کا یہ اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ سخت سے سخت دُکھ اور مصائب جھیلے اور بالآخر جان دیدی مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

(۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جس وقت مولوی عبد اللطیف صاحب واپس کابل جانے لگے تو وہ کہتے تھے کہ میرا دل یہ کہتا ہے کہ میں اب زندہ نہیں رہونگا میری موت آن پہونچی ہے اور وہ حضرت صاحب کی اس ملاقات کو آخری ملاقات سمجھتے تھے۔ جب رخصت ہونے لگے اور حضرت صاحب ان کو آگے چھوڑنے کے لئے کچھ دُور تشریف لیگئے تو وہ رخصت ہوتے ہوئے حضرت صاحب کے قدموں پر گر گئے اور زار زار روئے۔ حضرت صاحب نے ان کو اُٹھنے کیلئے کہا اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے مگر وہ آپ کے قدموں پر گرے رہے آخر آپ نے فرمایا الامر فوق الادب۔

اس پر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی حسرت کے ساتھ حضرت صاحب سے رخصت ہوئے +

(۲۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے اپنے والد صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا تھا:۔

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند چونکہ دریں ایام برای العین می بینم و بچشم سر مشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک و بلاد ہر سال چناں وبائے می افتد کہ دوستاں را از دوستاں و خویشاں را از خویشاں جدا میکند و ہیچ سالے نمی بینم کہ ایں نائرہ عظیم و چنیں حادثہ الیم در آں سال شور قیامت نیفگند ۔ نظر برآں دل از دنیا سرد شدہ و رو از خوف جان زرد ۔ و اکثر ایں دو مصرع مصلح الدین سعدی شیرازی بیاد می آیند و اشک حسرت ریختہ مے شود ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار مباش ایمن از بازئ روزگار

و نیز ایں دو مصرع ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل میشود ؎

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں + کہ وقت اجل میرسد ناگہاں

لہذا میخواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدارکے شود ؎

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند + بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

کہ دنیا را اساسے محکم نیست و زندگی را اعتبارے نے و ایّس من خاف علی نفسہ من آفت غیرہ والسلام ۔" خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے شیخ صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرزا سلطان احمد صاحب نے مجھے چند پرانے کاغذات دیئے تھے جن میں سے حضرت کی یہ تحریر نکلی تھی ۔ لیکن خاکسار کی رائے میں اگر حضرت صاحب کی صرف تحریر ملی ہے تو اس سے یہ استدلال ضروری نہیں ہوتا کہ آپ نے یہ خط اپنے والد صاحب کے پیش بھی کیا تھا بلکہ خط کے نیچے دستخط اور تاریخ نہ ہونا اس شبہ کو قوی کرتا ہے +

(۲۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت صاحب کی دائی کا نام لاڈو تھا اور وہ ہاکو ناکو بر والوں کی ماں تھی ۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ بہت بڑھی

ہو چکی تھی۔ مرزا سلطان احمدؐ بلکہ عزیز احمد کو بھی اسی نے جنایا تھا۔ ایکدفعہ حضرت صاحبؑ نے اس سے اپنی پیدائش کے متعلق کچھ شہادت بھی لی تھی۔ اپنے فن میں وہ اچھی ہوشیار عورت تھی چنانچہ ایک دفعہ یہاں کسی عورت کے بچہ پھنس گیا اور پیدا نہ ہوتا تھا تو حضرت صاحبؑ نے فرمایا تھا کہ لاڈو کو بلا کر دکھاؤ وہ ہوشیار ہے۔ چنانچہ اسے بلایا گیا تو اللہ کے فضل سے بچہ آسانی سے پیدا ہو گیا۔ مگر والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ تم میں سے کسی کی پیدائش کے وقت اسے نہیں بلایا گیا کیونکہ بعض وجوہات سے اس پر کچھ شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ عزیز احمد کی پیدائش کے وقت جب لاڈو آئی تو ان دنوں میں اسے خارش کی مرض تھی چنانچہ اس سے عزیز احمد کو خارش ہو گئی اور پھر آہستہ آہستہ تمہارے طایا کے گھر میں اکثر لوگوں کو خارش ہو گئی اور آخر ادھر سے ہمارے گھر میں بھی خارش کا اثر پہنچا چنانچہ حضرت صاحب کو بھی ان دنوں میں خارش کی تکلیف ہو گئی تھی۔

(۲۵۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ کا نام نصرت جہاں بیگم ہے اور والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ ان کا مہر میر صاحب کی تجویز پر گیارہ سو روپیہ مقرر ہوا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے نانا جان صاحب کا نام میر ناصر نواب ہے۔ میر صاحب خواجہ میر درد صاحب دہلوی کے خاندان سے ہیں اور پنجاب کے محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ اور قریباً عرصہ پچیس سال سے پنشن پر ہیں۔ شروع شروع میں میر صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کچھ مخالفت کی تھی۔ لیکن جلد ہی تائب ہو کر بیعت میں شامل ہو گئے۔

(۲۵۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ پٹیالہ میں خلیفہ محمد حسین صاحب وزیر پٹیالہ کے مصاحبوں اور ملاقاتیوں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب ہوتے تھے۔ جو کوم ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ انکا ایک دوست تھا۔ جو بڑا امیر کبیر اور صاحب جائداد تھا اور لاکھوں روپے کا مالک تھا۔ مگر اُسکے کوئی لڑکا نہ تھا جو اُس کا وارث ہوتا اُس نے مولوی عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب سے میرے لئے دعا کرواؤ کہ میرے لڑکا ہو جاوے۔ مولوی عبدالعزیز نے مجھے بلا کر کہا کہ ہم تمہیں کرایہ دیتے ہیں۔ تم قادیان جاؤ اور مرزا صاحب سے اس بارہ میں خاص طور پر دعا کے لئے کہو۔ چنانچہ میں قادیان آیا اور حضرت صاحب سے سارا ماجرا عرض کر کے دعا کے لئے کہا۔ آپ نے اسکے جواب میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں دعا کا فلسفہ بیان کیا

اور فرمایا کہ محض رسمی طور پر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دینے سے دعا نہیں ہوتی بلکہ اسکے لئے ایک خاص قلبی کیفیت کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب آدمی کسی کے لئے دعا کرتا ہے تو اُس کیلئے ان دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا تو اُس شخص کے ساتھ کوئی ایسا گہرا تعلق اور رابطہ ہو کہ اُسکی خاطر دل میں ایک خاص درد اور گداز پیدا ہو جائے جو دعا کیلئے ضروری ہے۔ اور یا اُس شخص نے کوئی ایسی دینی خدمت کی ہو کہ جس پر دل سے اُسکے لئے دعا نکلے۔ مگر یہاں نہ تو ہم اس شخص کو جانتے ہیں اور نہ اُسنے کوئی دینی خدمت کی ہے کہ اسکے لئے ہمارا دل پگھلے۔ پس آپ جا کر اُسے یہ کہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کیلئے ایک لاکھ روپیہ دے یا دینے کا وعدہ کرے پھر ہم اُسکے لئے دعا کرینگے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ اُسے ضرور لڑکا دے دیگا۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ مینے جا کر یہی جواب دے دیا۔ مگر وہ خاموش ہو گئے۔ اور آخر وہ شخص لاولد ہی مر گیا اور اُس کی جائداد اُس کے دُور نزدیک کے رشتہ داروں میں کئی جھگڑوں اور مقدموں کے بعد تقسیم ہو گئی۔

(۲۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں فخرالدین صاحب ملتانی نے کہ ابھی حضرت مسیح موعود کی وفات پر صرف دو تین ماہ ہی گذرے تھے کہ میں ایک دو اور دوستوں کے ساتھ بٹالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملنے گیا۔ میری غرض یہ تھی کہ مولوی محمد حسین سے باتوں باتوں میں حضرت صاحب کی عمر کے متعلق سوال کروں۔ کیونکہ اُن دنوں میں ابھی عمر کے متعلق بہت اعتراض تھا خیر میں گیا اور مولوی صاحب کے دروازے پر آواز دی مولوی محمد حسین نیچے آئے اور مسجد میں آ کر ملاقات کی۔ میرا ارادہ تھا کہ مولوی صاحب کو اپنا احمدی ہونا ظاہر نہ کرونگا۔ لیکن مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ کہاں جاتے ہو؟ تو مجھے ناچار قادیان کا نام لینا پڑا۔ اور مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ میں احمدی ہوں۔ خیر مینے مولوی صاحب سے گفتگو شروع کی اور کہا کہ مولوی صاحب اور نہیں تو آپ کم از کم وفات مسیح ناصری کے تو قائل ہو ہی گئے ہونگے۔ مولوی نے سختی سے کہا کہ نہیں میں تو مسیح کو زندہ سمجھتا ہوں۔ خیر اس پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مینے مولوی محمد حسین سے پوچھا کہ آپ تو حضرت مرزا صاحب کے پرانے واقف ہونگے۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں میں تو جوانی سے جانتا ہوں اور میں اور مرزا صاحب بچپن میں ہم مکتب بھی تھے۔ اور پھر اسکے بعد ہمیشہ ملاقات رہی۔ مینے کہا آپ اور حضرت مرزا صاحب ہم عمر ہی ہونگے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ نہیں مرزا صاحب مجھ سے تین چار سال بڑے تھے۔ مینے سادگی کا چہرہ بنا کر پوچھا کہ مولوی صاحب آپکی اس وقت کیا عمر ہے

مولوی میرے داؤ کو نہ سمجھا اور بولا کہ ۷۳ - ۷۴ سال کی ہے - میں نے دل میں الحمدللہ کہا اور جلدی ہی گفتگو ختم کرکے اُٹھ آیا - خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں فخرالدین صاحب مذکور نے خدا کی قسم کھا کر یہ روایت بیان کی تھی - نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی محمد حسین نے اپنے اُس خط میں جس کی اشاعت آئینہ کمالات میں ہوچکی ہے اپنی پیدائش کی تاریخ ۱۷ محرم ۱۲۵۶ھ بیان کی ہے - اس طرح اگر حضرت صاحب کو مولوی محمد حسین سے چار سال بڑا مانا جاوے تو آپکی تاریخ پیدائش ۱۲۵۲ھ بنتی ہے - اور ناظرین کو یاد ہوگا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ خاکسار نے ایک اور جہت سے یہی تاریخ پیدائش ثابت کی تھی سو الحمدللہ کہ اس کا ایک شاہد بھی ملگیا اور مجھے یہ یاد پڑتا ہے کہ حضرت صاحب بھی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی محمد حسین سے مَیں تین چار سال بڑا ہوں - ایک اور بھی بات ہے کہ ۱۸۹۴ء میں حضرت صاحب نے آتھم کے مقابل پر ایک اشتہار میں اپنی عمر ساٹھ سال بیان کی تھی - اس سے بھی آپکی عمر وفات کے وقت ۷۴ - ۷۵ سال کی بنتی ہے +

(۲۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ مجھے وہ لوگ جو دنیا میں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں بہت ہی پیارے لگتے ہیں +

(۲۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ +

(۲۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ مدت کی بات ہے جب میاں ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہوگئی اور اُن کو دوسری بیوی کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے اُن سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں اُن کو میں لاتا ہوں آپ اُن کو دیکھ لیں - پھر اُن میں سے جو آپ کو پسند ہو اُس سے آپ کی شادی کردیجاوے چنانچہ حضرت صاحب گئے اور ان دو لڑکیوں کو بلاکر کمرہ کے باہر کھڑا کردیا - اور پھر اندر آکر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں آپ چک کے اندر سے دیکھ لیں - چنانچہ میاں ظفر احمد صاحب نے ان کو دیکھ لیا اور پھر حضرت صاحب نے اُن

رخصت کر دیا۔ اور اس کے بعد میاں ظفر احمدؐ صاحب سے پوچھنے لگے۔ کہ اب بتاؤ۔ تمہیں کونسی لڑکی پسند ہے۔ وہ نام تو کسی کا جانتے نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ کہ جس کا منہ لمبا ہے۔ وہ اچھی ہے۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے میری رائے لی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور میں نے تو نہیں دیکھا۔ پھر آپ خود فرمانے لگے۔ کہ ہمارے خیال میں تو دوسری لڑکی بہتر ہے۔ جس کا منہ گول ہے۔ پھر فرمایا۔ جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے۔ وہ بیماری وغیرہ کے بعد عموماً بدنما ہو جاتا ہے۔ لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس وقت حضرت صاحب اور میاں ظفر احمدؐ صاحب اور میرے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ حضرت صاحب ان لڑکیوں کو کسی احسن طریق سے وہاں لائے تھے۔ اور پھر ان کو مناسب طریق پر رخصت کر دیا تھا۔ جس سے ان کو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ مگر ان میں سے کسی کے ساتھ میاں ظفر احمدؐ صاحب کا رشتہ نہیں ہوا۔ یہ مدت کی بات ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ انبیاء اللہ میں خوبصورتی کا احساس بھی بہت ہوتا ہے در اصل جو شخص حقیقی حُسن کو پہچانتا اور اس کی قدر کرتا ہے۔ وہ مجازی حسن کو بھی ضرور پہچانیگا۔ اور اس کے مرتبے کے اندر اندر اس کی قدر کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں روایت آتی ہے۔ کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصار میں سے کسی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ بغیر دیکھے کے شادی نہ کرنا۔ بلکہ پہلے لڑکی کو دیکھ لینا۔ کیونکہ انصار لڑکیوں کی آنکھ میں عموماً نقص ہوتا ہے۔ ایک اور صحابی جابرؓ سے جس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی تھی۔ مگر وہ خود ابھی نوجوان لڑکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "میاں کسی باکرہ لڑکی سے کیوں نہ شادی کی۔ جو تمہارے ساتھ کھیلتی۔ اور تم اس کے ساتھ کھیلتے۔" خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جن لوگوں نے دنیا میں کچھ کام کرنا ہوتا ہے۔ ان کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ ان کی خانگی زندگی میں ہر جہت سے ایسے سامان مہیا ہوں جو اُن کے لئے راحت سکون اور اطمینان کا موجب ہوں۔ تاکہ ان کے بیرونی کام کا

بوجھ ہلکا کرنے میں یہ خانگی راحت و سکون کسی قدر سہارے کا کام دے سکے۔

۲۶۴﴾ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب میں نے ایک واقعی ضرورت پر نکاح ثانی کا قصد کیا۔ تو حضرت صاحبؑ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ جب کہیں موقعہ ملے۔ جلد اس قلعہ میں داخل ہو جانا چاہئیے۔ اور زید و بکر کی پروا نہ کرنی چاہئیے۔

۲۶۵﴾ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب ہر چیز میں خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ اللہ جمیل ویحب الجمال

۲۶۶﴾ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب حضرت مسیح موعود نے یہ اشتہار دیا۔ کہ کوئی غیر مذہب کا پیرو یا مخالف اگر نشان دیکھنا چاہتا ہے۔ تو میرے پاس آکر رہے۔ پھر اگر نشان نہ دیکھے۔ تو میں اسے اتنا انعام دونگا۔ تو ایک دن حضرت صاحب مجھے فرمانے لگے۔ کہ ہم نے اشتہار دے دیکر بہت بلایا ہے۔ مگر کوئی نہیں آتا۔ آجکل بٹالہ میں پادری وائٹ بریخٹ ہیں۔ آپ اُن کے پاس جائیں۔ اور ایک متلاشی حق کے طور پر اپنے آپ کو ظاہر کریں۔ اور کہیں۔ کہ مرزا غلام احمدؑ قادیانی نے ایسا ایسا اشتہار دیا ہے۔ آپ ضرور چلکر اُن کا مقابلہ کریں۔ آپ کے لئے کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ قادیان یہاں سے صرف چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ اگر مرزا صاحب اس مقابلہ میں ہار گئے۔ تو میں بلا عذر عیسائی ہو جاؤنگا اور اور بھی بہت سے لوگ عیسائی ہو جائیں گے۔ اور حضرت صاحبؑ نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ بھی اُسے کہنا۔ کہ جھوٹے کو اُس کے گھر تک پہنچانا چاہئیے۔ یہ ایک بڑا نادر موقعہ ہے۔ مرزا صاحب نے بڑا شور مچا رکھا ہے۔ آپ اگر ان کو شکست دیدینگے اور ان سے انعام حاصل کرلیں گے۔ تو یہ ایک عیسائیت کی نمایاں فتح ہوگی۔ اور پھر کوئی مسلمان سامنے نہیں بول سکیگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں۔ جسوقت حضرت صاحبؑ نے یہ مجھ سے فرمایا۔ اس وقت شام کا وقت تھا۔ اور بارش ہو رہی تھی۔ اور سردیوں کے دن تھے۔ اس لئے میاں حامد علی نے مجھے روکا۔ کہ

صبح چلے جانا۔ مگر میں نے کہا۔ کہ جب حضرت صاحبؑ نے فرمایا ہے۔ تو خواہ کچھ ہو۔ میں تو ابھی جاؤں گا۔ چنانچہ میں اسی وقت پیدل روانہ ہو گیا۔ اور قریباً رات کے دس گیارہ بجے بارش سے تربتر اور سردی سے کانپتا ہوا بٹالہ پہنچا۔ اور اسی وقت پادری مذکور کی کوٹھی پر گیا۔ وہاں پادری کے خانسامہ نے میری بڑی خاطر کی۔ اور مجھے سونے کے لئے جگہ دی۔ اور کھانا دیا۔ اور بہت آرام پہنچایا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ صبح پادری صاحب سے ملاقات کراؤنگا۔ چنانچہ صبح ہی اس نے مجھے پادری سے ملایا۔ اس وقت پادری کے پاس اس کی میم بھی بیٹھی تھی۔ میں نے اسی طریق پر جسطرح حضرت صاحبؑ نے مجھے سمجھایا تھا۔ اس سے گفتگو کی۔ مگر اس نے انکار کیا۔ اور کہا۔ کہ ہم ان باتوں میں نہیں آتے۔ میں نے اسے بہت غیرت دلائی۔ اور اپنے آپ کو عیسائی ہو جانے کو تیار ظاہر کیا۔ مگر وہ انکار ہی کرتا چلا گیا۔ آخر میں مایوس ہو کر قادیان آگیا۔ اور حضرت صاحبؑ سے سارا قصہ عرض کر دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ واقعہ غالباً سلسلۂ بیعت سے پہلے کا ہے:

(۲۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ ایک دفعہ انبالہ کے ایک شخص نے حضرت صاحبؑ سے فتوےٰ دریافت کیا۔ کہ میری ایک بہن کنچنی تھی۔ اس نے اس حالت میں بہت روپیہ کمایا۔ پھر وہ مر گئی۔ اور مجھے اس کا ترکہ ملا۔ مگر بعد میں مجھے اللہ تعالےٰ نے توبہ اور اصلاح کی توفیق دی۔ اب میں اس مال کو کیا کروں۔ حضرت صاحبؑ نے جواب دیا۔ کہ ہمارے خیال میں اس زمانہ میں ایسا مال اسلام کی خدمت میں خرچ ہو سکتا ہے۔ اور پھر مثال دیکر بیان کیا۔ کہ اگر کسی شخص پر کوئی سگ دیوانہ حملہ کرے۔ اور اس کے پاس اس وقت کوئی چیز اپنے دفاع کے لئے نہ ہو۔ نہ سوٹی نہ پتھر وغیرہ۔ صرف چند نجاست میں پڑے ہوئے پیسے اس کے قریب ہوں۔ تو کیا وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان پیسوں کو اٹھا کر اس کتے کو نہ دے ماریگا۔ اور اس وجہ سے رک جاویگا۔ کہ یہ پیسے ایک نجاست کی نالی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح اس زمانہ میں جو اسلام کی

حالت ہے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اس روپیہ کو خدمت اسلام میں لگایا جا سکتا ہے۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس زمانے میں جب کی یہ بات ہے۔ آجکل والے انگریزی پیسے زیادہ رائج نہ تھے۔ بلکہ موٹے موٹے بھدّے سے پیسے چلتے تھے۔ جن کو منصوری پیسے کہتے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں خدمتِ اسلام کے لئے بعض شرائط کے ماتحت سودی روپیہ کے خرچ کئے جانے کا فتوےٰ بھی حضرت صاحبؑ نے اسی اصول پر دیا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ فتوے وقتی ہیں۔ اور خاص شرائط کے ساتھ مشروط ہیں۔ ومن اعتدیٰ فقد ظلم وحارب اللہ۔

۲۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ الاستقامت فوق الکرامۃ۔

۲۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے۔ کہ سؤر سے مسلمانوں کو سخت نفرت ہے۔ جو طبیعت کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے۔ کہ انسان اگر چاہے۔ تو تمام منہیات سے ایسی ہی نفرت کر سکتا ہے۔ اور اُسے ایسی ہی نفرت کرنی چاہئے۔

۲۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ آتھم کے مباحثہ میں میں بھی موجود تھا۔ جب حضرت صاحبؑ نے اپنے آخری مضمون میں یہ بیان کیا۔ کہ آتھم صاحب نے اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دجال کہا ہے۔ تو آتھم نے ایک خوف زدہ انسان کی طرح اپنا چہرہ بنایا۔ اور اپنی زبان باہر نکال کر کانوں کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا۔ کہ میں نے یہ کہاں لکھا ہے یا کب لکھا ہے یعنی نہیں لکھا۔

۲۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے لدھیانہ والے مباحثہ میں میں موجود تھا۔ حضرت صاحبؑ

الگ اپنے خادموں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور مولوی محمد حسین الگ اپنے آدمیوں میں بیٹھ جاتا تھا۔ اور پھر تحریری مباحثہ ہوتا تھا۔ میں نے دورانِ مباحثہ میں کبھی حضرت صاحبؑ اور مولوی محمد حسین کو آپس میں زبانی گفتگو کرتے نہیں سُنا۔ ان دنوں میں لدھیانہ میں بڑا شور تھا۔ مولوی محمد حسین کے ملنے والوں میں ایک مولوی نظام الدین صاحب ہوتے تھے۔ جو کئی حج کر چکے تھے۔ اور طبیعت ظریف رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ حضرت صاحب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ آپؑ نے خلافِ قرآن شریف وفات مسیحؑ کا یہ کیا عقیدہ نکالا ہے۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ کہ میں نے قرآن شریف کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ بلکہ میں تو اب بھی تیار ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص قرآن سے حیات مسیحؑ ثابت کردے۔ تو فوراً اپنے عقیدہ سے رجوع کرلونگا۔ مولوی نظام الدین نے خوش ہوکر کہا۔ کہ کیا واقعی آپؑ قرآن شریف کی آیات کے سامنے اپنے خیالات کو ترک کردیں گے۔ حضرت صاحبؑ نے کہا۔ ہاں میں ضرور ایسا کرونگا۔ مولوی نظام الدین نے کہا۔ اچھا پھر کیا ہے۔ میں ابھی مولوی محمد حسین کے پاس جاتا ہوں۔ اور پچاس آئتیں قرآن کریم کی حیات مسیحؑ کے ثبوت میں لکھوا لاتا ہوں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ پچاس کی ضرورت نہیں۔ میں تو اگر ایک آیت بھی نکل آئے گی۔ تو مان لونگا۔ اس پر مولوی نظام الدین خوشی خوشی اٹھ کر چلے گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد سر نیچے ڈالے واپس آئے۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ کیوں مولویصاحب آپ آئتیں لے آئے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب سے جاکر یہ کہا تھا۔ کہ مولوی صاحب میں نے مرزا صاحب کو بالکل قابو کرلیا ہے۔ اور یہ اقرار کروا لیا ہے۔ کہ اگر میں قرآن کریم کی ایک آیت بھی ایسی پیش کردوں۔ جس میں حیات مسیحؑ ثابت ہو۔ تو وہ مان لیں گے۔ اور اپنے عقائد سے توبہ کرلینگے۔ مگر میں نے انہیں کہا ہے کہ ایک آیت کیا۔ میں پچاس آئتیں لاتا ہوں۔ سو آپ جلد آئتیں نکال دیں۔ تا میں ابھی اُن کے پاس جاکر اُن سے توبہ کرالوں۔ اس پر مولوی صاحب نے سخت برہم ہوکر کہا۔ کہ اے اُلو! تم نے یہ کیا کیا۔ ہم تو اسے قرآن سے نکال کر حدیثوں کی طرف لاتے ہیں۔ اور تم اسے پھر قرآن کی طرف لے آئے۔ میں نے کہا۔

127

کہ مولویصاحب! تو کیا قرآن میں کوئی آیت مسیحؑ کی حیات ثابت نہیں کرتی؟ مولوی صاحب نے کہا۔ تم تو بے وقوف ہو۔ اُسے حدیثوں کی طرف لانا تھا۔ کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ مولوی نظام الدین نے کہا۔ کہ میں نے کہا۔ کہ ہم تو پھر قرآن کے ساتھ ہیں۔ جب قرآن سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ تو ہم اس کے مخالف حدیثوں کو کیا کریں۔ اس پر مولوی صاحب نے مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور کہا۔ کہ تو بے وقوف ہے۔ تجھے سمجھ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد مولوی نظام الدین صاحب نے حضرت صاحبؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ پیر سراج الحق صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی حصہ اول میں یہ واقعہ بیان کر کے یہ بات زاید بیان کی ہے۔ کہ مولوی نظام الدین صاحب نے یہ بھی سنایا۔ کہ جب میں نے مولوی محمد حسین صاحب سے یہ کہا۔ کہ ہم تو پھر قرآن کے ساتھ ہیں۔ تو مولویصاحب نے سخت برہم ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اس کی روٹی بند کر دو۔ (پیر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولوی نظام الدین صاحب کو مولوی محمد حسین کی طرف سے روٹی ملا کرتی تھی)۔ اس پر میں نے ہاتھ باندھ کر مولوی محمد حسین سے (ظرافت کے طور پر) کہا۔ کہ مولوصاحب میں قرآن کو چھوڑ دیتا ہوں۔ خدا کے واسطے میری روٹی نہ بند کرنا۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب سخت شرمندہ ہوئے۔

پیر صاحب نے لکھا ہے۔ کہ جب مولوی نظام الدین نے عملاً اسی طرح ہاتھ باندھ کر اس مکالمہ کو حضرت صاحبؑ کے سامنے دُہرایا۔ تو حضرت صاحب بہت ہنسے۔ اور پھر فرمانے لگے۔ کہ دیکھو ان مولویوں کی حالت کہاں تک گر چکی ہے۔ نیز میاں عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے تھے۔ کہ میں پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی کا بڑا معتقد ہوتا تھا۔ اور اس کے پاس جا کر ٹھہرا کرتا تھا۔ پھر حضرت صاحبؑ کی ملاقات کے بعد بھی جب کبھی مجھے حضرت صاحبؑ مولوی محمد حسین کے پاس کوئی خط وغیرہ دے کر بھیجتے تھے۔ تو میں اس سے اسی عقیدت کے ساتھ ملتا تھا۔ لیکن جب اس نے حضرت صاحبؑ کی مخالفت کی۔ تو مجھے اُس سے نفرت ہو گئی۔ اور میں نے کبھی اس کی صورت تک دیکھنی پسند نہیں کی؛

خاکسار نے میاں عبداللہ صاحب سے دریافت کیا۔ کہ مخالفت سے پہلے مولوی محمد حسین کا حضرت صاحبؑ کے ساتھ کیسا تعلق تھا۔ آیا ایک عام برابری کا سا تعلق تھا یا وہ حضرت صاحبؑ کے ساتھ عقیدت اور اخلاص رکھتا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا۔ کہ وہ حضرت صاحبؑ سے عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی کوئی حضرت صاحبؑ کا کام ہوتا۔ تو وہ شوق اور اخلاص سے کرتا تھا۔ اور اس کی باتوں سے پتہ لگتا تھا۔ کہ اس کے دل میں آپ کی محبت اور ادب ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ براہین احمدیہ پر جو مولوی محمد حسین نے ریویو لکھا تھا۔ اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ مخالفت سے پہلے مولوی محمد حسین حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کافی عقیدت رکھتا تھا۔ یہ ریویو بڑا مبسوط و مکمل ہے اور اپنے حجم کے لحاظ سے گویا ایک مستقل کتاب کہلانے کا حقدار ہے۔

(۲۷۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف براہین احمدیہ پر جو ریویو لکھا تھا۔ اس کے بعض فقرے درج ذیل کرتا ہوں۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب (یعنی براہین احمدیہ حصہ اول و دوم و سوم و چہارم مصنفہ حضرت مسیح موعود) اس زمانہ میں موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ (یقول العبد الفقیر البشیر وقد صدق اللہ قول ھذا المولوی واحدث بعد ذالک امراً عظیماً اذ جعل مصنف ھذا الکتاب المسیح الموعود والمھدی المعھود وجعلہ اماماً عدلاً الذی ملأ الارض قسطاً بعد ما ملئت جوراً و اثماً ونال الایمان من الثریا وکسر الصلیب وحارب الدجال فقتلہ ولکن یحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن) اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم کوئی ایسی کتاب بتا دے۔ جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً

فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے۔ جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو۔ کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو .... مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے۔) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آجتک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا۔ کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں۔ مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔ .... مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے۔ اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی ہے۔ کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آئے۔ .... اے خدا اپنے طالبوں کے رہنما ان پر ان کی ذات سے ان کے ماں باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم فرما۔ (یعنی رحم فرمانے والے) تو اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے۔ اور اس کے برکات سے ان کو مالا مال کر دے۔ اور کسی اپنے صالح بندے کی طفیل اس خاکسار شرمسار گنہگار کو بھی اپنے فیوض اور انعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیضیاب کر۔ آمین وللارض من کاس الکرام نصیب ” (یعنی بڑے لوگوں کے جام سے ان کی جام نوشی کے وقت زمین پر بھی کچھ شراب گر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بوجہ کثرت شراب کے بے پرواہی سے شراب پیتے ہیں۔ اور اس کے تھوڑے بہت گر جانے اور ضائع ہو جانے کی ان کو پروا نہیں ہوتی۔ پس اے اللہ ہم کو بھی حضرت مرزا صاحب کی جام نوشی کے وقت تیری شراب سے جو تو نے انکو دی ہے۔ اور نہیں تو صرف اسی قدر حصہ ملجاوے۔ جو بوقت مے نوشی زمین پہ گر کر ضائع ہو جایا کرتا ہے۔ خاکسار مؤلف) دیکھو اشاعۃ السنہ جلد ۶

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی محمد حسین کے اس ریویو کا اپنے عربی اشعار مندرجہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ایا راشقی قد کنت تمدح منطقی
اے مجھ پر تیر چلانے والے کوئی زمانہ تھا کہ تو میرے کلام کی تعریف کرتا تھا

وتثنی علیّ بالغة و توقّر
اور محبت کے ساتھ میری ثنا کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا

وللّٰه درّک حین قرظت مخلصاً
اور کیا ہی اچھا تھا حال تیرا جبکہ تو نے اخلاص کیساتھ میری کتاب کا ریویو لکھا

کتابی وصرت لکل ضال مخفّر
اور تو گمراہوں کو ہدایت کی پناہ میں لانے والا تھا

وانت الذی قد قال فی تقریظه
کہ وہ تو وہی تو ہے جس نے اپنے ریویو میں یہ کہا تھا کہ براہین احمدیہ

لمثل المؤلف لیس فینا غضنفر
کے مولف جیسا کوئی شیر بہادر ہم میں نہیں ہے

عرفت مقامی ثم انکرت مدبراً
تو نے میرے مقام کو پہچانا مگر پھر انکار کر دیا اور پیٹھ پھیر لی

فما الجهل بعد العلم ان کنت تشعر
لیکن ذرا خیال تو کر کہ علم کے بعد جہالت کی کیا حقیقت ہوتی ہے

لمثلک مع علم بحالی و فطنة
تیرے جیسا شخص جو میرے حالات کو خوب جانتا ہے

عجبت له یبغی الهدیٰ ثم یاطر
تعجب ہے کہ وہ ہدایت پر آ کر پھر راہ راست چھوڑ دے

قطعت وداداً قد غرسناه فی الصبا
تو نے محبت کے اس درخت کو کاٹ دیا جسے نوجوانی میں لگایا تھا

ولیس فؤادی فی الوداد یقصّر
مگر میرے دل نے محبت میں کوئی کوتاہی نہیں کی

علی غیر شیئ قلت ماقلت عجلة
تو نے میرے متعلق جو جلد بازی سے کہا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے

وواللّٰه انی صادق لا ازوّر
اور خدا کی قسم میں صادق ہوں جھوٹا نہیں ہوں

(۲۷۳) بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۹۰ء کے اواخر میں فتح اسلام تصنیف فرمائی تھی۔ اور اس کی اشاعت شروع ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ سے کی گئی۔ یہ وہ پہلا رسالہ ہے۔ جس میں آپؑ نے اپنے مثیل مسیح ہونے اور مسیح ناصری کی وفات کا ذکر کیا ہے گویا مسیح موعودؑ کے دعوے کا یہ سب سے پہلا اعلان ہے۔ بعض لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت صاحبؑ نے مسیح موعودؑ کے دعوے کے متعلق سب سے پہلے ایک اشتہار دیا تھا۔ میری تحقیق میں یہ غلطی ہے۔ سب سے پہلا اعلان فتح اسلام کے ذریعے ہوا۔ اور وہ اشتہار جس کی

سرخی یہ ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حیّ عن بینۃ فتح اسلام کی اشاعت کے بعد دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ اشتہار توفتح اسلام کے دوسرے حصّہ توضیح مرام کی اشاعت کے بھی بعد شائع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ خود اس اشتہار کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اشتہار کو دعوے مسیحیت کے متعلق ابتدائی اعلان سمجھنا جیسا کہ پیر سراج الحق صاحب نے اپنے رسالہ تذکرۃ المہدی میں اور غالباً اُن کی اتباع میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنے رسالہ سیرت مسیح موعودؑ میں شائع کیا ہے۔ ایک صریح غلطی ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ دعویٰ مسیحیت کے متعلق سب سے پہلا پبلک اعلان فتح اسلام کے ذریعہ ہوا۔ اس کے بعد توضیح مرام کی اشاعت ہوئی پھر بعض اشتہارات ہوئے۔ اور پھر ازالہ اوہام کی اشاعت ہوئی۔ ایک اور بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ فتح اسلام میں مسیح موعودؑ ہونے کا دعوے اور وفات مسیحؑ کا عقیدہ بہت صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے۔ اور نہ یہ اعلان ایسی صورت میں ہوا ہے۔ کہ جو ایک انقلابی رنگ رکھتا ہو جس سے ایسا سمجھا جاوے۔ کہ گویا اب ایک نیا دور شروع ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ بلکہ محض سلسلہ کلام میں یہ باتیں بیان ہو گئی ہیں۔ نہ پوری صراحت ہے نہ تحدّی ہے نہ ادلّہ ہیں۔ اس کے بعد توضیح مرام میں زیادہ وضاحت ہے۔ اور پھر بالاخر ازالہ اوہام میں یہ باتیں نہایت زور شور کے ساتھ معہ ادلّہ بیان کی گئی ہیں۔ میں نے اس کی بہت تلاش کی۔ کہ کوئی ایسا ابتدائی اعلان ملے۔ کہ جس میں مثلاً حضرت صاحبؑ نے یہ اعلان کیا ہو۔ کہ مجھے اللہ نے بتایا ہے۔ کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا ہے۔ اور آنے والا موعود مسیح موعودؑ میں ہوں یعنی کوئی ایسا رنگ ہو۔ جو یہ ظاہر کرے۔ کہ اب ایک نئے دور کا اعلان ہے۔ مگر مجھے ایسی صورت نظر نہیں آئی۔ بلکہ سب سے پہلا اعلان رسالہ فتح اسلام ثابت ہوا۔ مگر اسے دیکھا گیا۔ تو ایسے رنگ میں پایا گیا۔ جو اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی اس میں یہ باتیں ایسے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ کہ گویا کوئی نیا دور اور نیا اعلان نہیں ہے۔ بلکہ اپنے خداداد منصب مجددیت کا بیان کرتے ہوئے یہ باتیں بھی سلسلہ کلام میں بیان ہو گئی ہیں۔

(۲۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ مسیحیت اور وفات مسیح ناصری کے عقیدے کا اعلان کیا۔ تو ملک میں ایک سخت طوفان بے تمیزی

برپا ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی گو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں آپؑ کی مخالفت تھی۔ لیکن اوّل تو وہ بہت محدود تھی۔ دوسرے وہ ایسی شدید اور پُر جوش نہ تھی۔ لیکن اس دعوے کے بعد تو گویا ساری اسلامی دنیا میں ایک جوش عظیم پیدا ہو گیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کو اوّل لدھیانہ میں پھر دہلی میں اور پھر لاہور میں پُر زور مباحثات کرنے پڑے۔ مگر جب مولویوں نے دیکھا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ اس طرح مولویوں کے رعب میں آنے والے نہیں۔ اور لوگوں پر آپ کی باتوں کا اثر ہوتا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک استفتار تیار کیا۔ اور اس میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق علماء سے فتوےٰ کفر کا طالب ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنے اُستاد مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے فتویٰ کفر حاصل کیا چونکہ مولوی نذیر حسین تمام ہندوستان میں مشہور و معروف مولوی تھے۔ اور اہل حدیث کے تو گویا امام تھے۔ اور شیخ الکل کہلاتے تھے۔ اس لئے ان کے فتویٰ دینے سے اور پھر مولوی محمد حسین صاحب جیسا مشہور مولوی مستفتی تھا۔ باقی اکثر مولویوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کفر نامے پر اپنی مہریں ثبت کرنی شروع کیں۔ اور قریباً دو سو مولویوں کی مُہر تصدیق سے یہ فتوےٰ ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔ اور اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ کہ مسیح موعودؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔

(۲۷۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے عالم شباب کے زمانہ قیام سیالکوٹ کے متعلق شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی کی تصنیف حیاۃ النبی سے مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کی روایت دوسری جگہ درج کی جا چکی ہے۔ اس روایت کے متعلق میں نے مولوی صاحب موصوف کو سیالکوٹ خط لکھا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کی تصدیق کی۔ اور مجھے اپنی طرف سے اس کی روایت کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ میری درخواست پر مولوی صاحب موصوف نے انہی ایام کے بعض مزید حالات بھی لکھ کر مجھے ارسال کئے ہیں۔ جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرت مخدوم زادہ والا شان سمو المکان زاد الطافکم

بعد از سلام مسنون عرض خدمت والا یہ ہے۔ کہ چند در چند عوائق و موانع کے باعث

آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دیر واقع ہوئی۔ اُمید ہے۔ آپ معاف فرماویں گے۔ چونکہ عرصہ دراز گذر گیا ہے۔ اور اس وقت یہ باتیں چنداں قابل توجہ اور التفات نہیں خیال کی جاتی تھیں۔ اس واسطے اکثر فراموش ہوگئیں۔ جو یاد کرنے میں بھی یاد نہیں آتیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ ادنےٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہو جاتا تھا۔ کہ حضرت اپنے ہر قول و فعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔ فقط

راقم۔ جناب کا ادنیٰ نیاز مند میر حسن - ۲۶ نومبر ۱۹۲۲ء

سیرت کی جلد اول تھوڑے دنوں میں روانہ خدمت کروں گا۔ فقط" (اس سے مراد شیخ یعقوب علی صاحب کی تصنیف ہے۔ جو میں نے مولوی صاحب کو بھجوائی تھی۔ اور جس کی روایت کی اپنے دوسرے خط میں انہوں نے تصدیق کی ہے۔ خاکسار) حضرت مسیح موعودؑ کے حالات کے متعلق مولوی صاحب اپنے اسی خط میں یوں رقمطراز ہیں:۔

" حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔ عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے۔ تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے۔ اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے۔ کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حسبِ عادت زمانہ صاحبِ حاجات جیسے اہلکاروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں بھی آجایا کرتے تھے۔ اسی عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا۔ آپ بُلا کر فرماتے میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا دو۔ کہ یہاں نہ آیا کریں۔ نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں۔ اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حاکم نہیں ہوں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے۔ کچہری میں ہی کر آتا ہوں۔ فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے۔ اور جوان ہوئے۔ جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمع منصب علی حکیم کے رہا

کرتے تھے۔ وہ اپنی منصب علیٰ خاکسار مؤلف) وثیقہ نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔
بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل دین نام بوڑھے دوکاندار تھے۔ جو رات کو بھی دکان
پر ہی رہا کرتے تھے۔ ان کے اکثر احباب شام کے بعد ان کی دکان پر آجاتے تھے۔ چونکہ
شیخصاحب پارسا آدمی تھے۔ اس لئے جو وہاں شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی
ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ اور گاہ گاہ نصراللہ نام
عیسائی جو ایک مشن سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ آجایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر
کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔
مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے۔ اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید
فرماتے تھے۔ کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب
کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا۔ تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ
انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا
فینا لنھدینھم سبلنا۔ مولوی محبوب علی صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے۔
اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیشروی تو عیاں ہے۔ مگر ظاہری جسمانی دوڑ
میں بھی آپؑ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔

اس کا مفصل حال یوں ہے۔ کہ ایک دفعہ کچہری برخاست ہونے کے بعد جب اہلکار
گھروں کو واپس ہونے لگے۔ تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔
ہر ایک نے دعوےٰ کیا۔ کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔ آخر ایک شخص بلّا سنگھ نام نے
کہا۔ کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لے جاتا ہوں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ
میرے ساتھ دوڑو۔ تو ثابت ہو جائیگا۔ کہ کون بہت دوڑتا ہے۔ آخر شیخ الہداد
صاحب منصف مقرر ہوئے۔ اور یہ امر قرار پایا۔ کہ یہاں سے شروع کر کے اس پُل تک

131

جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے۔ ننگے پاؤں دوڑو۔ جوتیاں ایک آدمی نے اٹھالیں۔ اور پہلے ایک شخص اس پُل پر بھیجا گیا۔ تاکہ وہ شہادت دے۔ کہ کون سبقت لے گیا۔ اور پہلے پل پر پہنچا۔ مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے۔ اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب پل پر پہنچے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے۔ اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا"۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بعض اوقات دینی غیرتِ دنیاوی باتوں میں بھی رونما ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔ کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے پاس کسی نے یہ بات پہنچائی۔ کہ فلاں سکھ سپاہی اس بات کا دعوے رکھتا ہے۔ کہ کوئی شخص تیرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس پر شہید مرحوم کو غیرت آگئی۔ اور اسی وقت سے انہوں نے تیرنے کی مشق شروع کر دی اور بالآخر اتنی مہارت پیدا کر لی۔ کہ پہروں پانی میں پڑے رہتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ اب وہ سکھ میرے ساتھ مقابلہ کرلے۔ گویا ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ ایک غیر مسلم تیرنے کی صفت میں بھی مسلمانوں پر فوقیت رکھے۔ حالانکہ یہ ایک معمولی دنیاوی بات تھی۔ سو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت بھی ایسے رنگ میں گفتگو ہوئی ہوگی۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو بلا سنگھ کے مقابلہ میں غیرت آگئی۔ اور پھر عالم بھی شباب کا تھا۔

۲۷۶﴾ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانی نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ سفر میں تھے۔ اور لاہور کے اسٹیشن کے پاس ایک مسجد میں وضو فرما رہے تھے۔ اس وقت پنڈت لیکھرام حضورؑ سے ملنے کے لئے آیا۔ اور آکر سلام کیا۔ مگر حضرت صاحبؑ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ . . . . اس نے اس خیال سے کہ شاید آپؑ نے سنا نہیں۔ دوسری طرف سے ہو کر پھر سلام کہا۔ مگر آپؑ نے پھر بھی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ کہ حضورؑ! پنڈت لیکھرام نے سلام کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا "ہمارے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ اور ہمیں سلام کرتا ہے"۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلعم کے ساتھ وہ عشق تھا۔ کہ جس کی مثال نظر نہیں آتی؛

(۲۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ جس وقت حضرت مسیح موعودؑ فوت ہوئے۔ تو بہت سے ہندو اور عیسائی اخباروں نے آپؑ کے متعلق نوٹ شائع کئے تھے چنانچہ نمونۃً ہندوستان کے ایک نہایت مشہور و معروف انگریزی اخبار "پانیر" الہ آباد کی رائے کا خلاصہ درج ذیل کرتا ہوں۔ "پانیر کے ایڈیٹر اور مینجر اور مالک سب انگریز عیسائی ہیں "پانیر" نے لکھا۔ کہ:۔

" اگر گذشتہ زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر اس زمانہ میں دنیا کے اندر تبلیغ کرے۔ تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزوں معلوم نہ ہوگا۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد خان قادیانی تھے۔ (یعنی مرزا صاحب کے حالات اسرائیلی نبیوں سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ مؤلف) .... ہم یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ کہ ان کی عالمانہ حیثیت کے متعلق کوئی رائے لگاسکیں۔ ...... مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔ اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے۔ کہ ان پر کلام الہیٰ نازل ہوتا ہے۔ اور یہ کہ ان کو ایک خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ ...... ایک مرتبہ انہوں نے بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا (جس نے اسکو حیران کردیا) کہ وہ نشان نمائی میں ان کا مقابلہ کرے۔ یہ چیلنج اسی طریق پر تھا۔ جیسا کہ الیاس نبی نے بعل کے پروہتوں کو چیلنج دیا تھا۔ اور مرزا صاحب نے اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا۔ کہ یہ فیصلہ ہوجائے گا۔ کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ اور مرزا صاحب اس بات کے لئے تیار تھے۔ کہ حالاتِ زمانہ کے ماتحت پادری صاحب جس طرح چاہیں۔ اپنا اطمینان کرلیں۔ کہ نشان دکھانے میں کوئی دھوکا اور فریب استعمال نہ ہو۔ ...... وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا کے اندر ایک حرکت پیدا کردی ہے۔ وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد خان سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ بہ نسبت مثلاً ایسے شخص کے جیسا کہ اس زمانہ میں انگلستان کا لاٹ پادری ہوتا ہے۔ اگر ارنسٹ رینن (فرانس کا ایک

مشہور مصنف ہے۔ مؤلف)۔ گذشتہ بیس سال میں ہندوستان میں ہوتا۔ تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا۔ اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا۔ جس کے نتیجہ میں انبیاء بنی اسرائیل کے عجیب و غریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہر حال قادیان کا نبی ان لوگوں میں سے تھا۔ جو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔"

۲۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے۔ کہ جب سلطان احمد پیدا ہوا۔ اس وقت ہماری عمر صرف سولہ سال کی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ عمر کے متعلق حضرت صاحبؑ کے سب اندازے ہی ہیں۔ کوئی یقینی علم نہیں ہے۔ پس آپؑ کی تاریخ پیدائش اور عمر کے متعلق اگر کوئی قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ تو یہی ہے۔ کہ مختلف جہات سے اس سوال پر غور کیا جاوے۔ اور پھر ان کے مجموعی نتیجہ سے کوئی رائے قائم کی جاوے۔ کسی منفرد کڑی سے اس سوال کا حل مشکل ہے۔ خود حضرت صاحبؑ کی اپنی تحریرات اس معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف پڑتی ہیں۔ کیونکہ وہ کسی قطعی علم پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ محض اندازے ہیں۔ جو آپؑ نے لگائے ہیں۔ جیسا کہ آپؑ نے خود براہین احمدیہ حصہ پنجم میں بیان فرمادیا ہے۔ خاکسار کی تحقیق میں آپؑ کی پیدائش ۱۲۵۰ھ ہجری کی نکلتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا حضرت خلیفہ ثانی نے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اولؓ کا ایک رشتہ دار جو ایک بھنگی چرسی اور بد معاش آدمی تھا۔ قادیان آیا۔ اور اس کے متعلق کچھ شبہ ہوا۔ کہ وہ کسی بد ارادے سے یہاں آیا ہے۔ اور اس کی رپورٹ حضرت صاحبؑ تک بھی پہنچی۔ آپؑ نے حضرت خلیفہ اولؓ کو کہلا بھیجا۔ کہ اسے فوراً قادیان سے رخصت کردیں۔ لیکن جب حضرت خلیفہ اولؓ نے اسے قادیان سے چلے جانے کو کہا۔ تو اس نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ اور کہا۔ کہ اگر مجھے اتنے روپے دیدو گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت خلیفہ ثانی بیان کرتے تھے۔ کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا۔ اس وقت اتنے روپے حضرت خلیفہ اولؓ کے پاس نہ تھے۔ اس لئے آپؓ کچھ کم دیتے تھے اسی جھگڑے میں کچھ دیر ہوگئی۔ چنانچہ اس کی اطلاع پھر حضرت صاحبؑ تک پہنچی۔

وہ ابھی تک نہیں گیا۔ اور قادیان میں ہی ہے۔ اس پر حضرت صاحبؑ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کو کہلا بھیجا۔ کہ یا تو اسے فوراً قادیان سے رخصت کردیں یا خود بھی چلے جاویں۔ حضرت مولوی صاحبؓ تک یہ الفاظ پہنچے۔ تو انہوں نے فوراً کسی سے قرض لے کر اُسے رخصت کردیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اللہ کے نبی جہاں ایک طرف محبّت اور احسان اور مروّت کا بے نظیر نمونہ ہوتے ہیں۔ وہاں دوسری طرف خدا کی صفت استغناء کے بھی پورے مظہر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اولؓ کا یہ رشتہ دار آپ کا حقیقی بھتیجا تھا۔ اور اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ یہ ایک نہایت آوارہ گرد اور بدمعاش آدمی تھا۔ اور اس کے متعلق اس وقت یہ شبہ کیا گیا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ یہ شخص قادیان میں کسی فتنہ عظیمہ کے پیدا کرنے کا موجب ہو۔

(۲۸۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے۔ کہ ایک دفعہ راولپنڈی سے ایک غیر احمدی آیا۔ جو اچھا متموّل آدمی تھا۔ اور اُس نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ میرا فلاں عزیز بیمار ہے۔ حضور حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب (خلیفہ اول) کو اجازت دیں۔ کہ وہ میرے ساتھ راولپنڈی تشریف لے چلیں۔ اور اس کا علاج کریں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ کہ ہمیں یقین ہے۔ کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہیں۔ کہ آگ میں گھس جاؤ۔ یا پانی میں کود جاؤ۔ تو ان کو کوئی عذر نہیں ہوگا۔ لیکن ہمیں بھی مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہیئے۔ ان کے گھر میں آجکل بچّہ ہونے والا ہے۔ اس لئے میں ان کو راولپنڈی جانے کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے یاد ہے۔ کہ اس کے بعد حضرت مولوی صاحبؓ حضرت صاحبؑ کا یہ فقرہ بیان کرتے تھے۔ اور اس بات پر بہت خوش ہوتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے مجھ پر اس درجہ اعتماد ظاہر کیا ہے۔

(۲۸۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے چوہدری حاکم علی صاحب نے ایک دفعہ حضرت صاحبؑ بڑی مسجد میں کوئی لیکچر یا خطبہ دے رہے تھے۔ کہ ایک سکھ مسجد میں گھس آیا۔ اور سامنے کھڑا ہوکر حضرت صاحبؑ کو اور آپ کی جماعت کو سخت گندی اور فحش گالیاں دینے لگا اور ایسا شروع ہوا۔ کہ بس چُپ ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ مگر حضرت صاحبؑ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ اس وقت بعض طبائع میں اتنا جوش تھا۔ کہ اگر حضرتؑ کی اجازت ہوتی۔ تو اُس کی

وہیں تکا بوٹی اڑ جاتی۔ مگر آپؑ سے ڈر کر سب خاموش تھے۔ آخر جب اس کی فحش زبانی حد کو پہنچ گئی۔ تو حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ کہ دو آدمی اسے نرمی کے ساتھ پکڑ کر مسجد سے باہر نکال دیں مگر اسے کچھ نہ کہیں۔ اگر یہ نہ جاوے۔ تو حاکم علی سپاہی کے سپرد کر دیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ سرکار انگریزی کی طرف سے قادیان میں ایک پولیس کا سپاہی رہا کرتا ہے۔ اور ان دنوں میں حاکم علی نامی ایک سپاہی ہوتا تھا۔

۲۸۲﴾ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علیؓ صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحبؑ فرماتے تھے۔ کہ مجھے بعض اوقات غصہ کی حالت تکلف سے بنانی پڑتی ہے۔ ورنہ خود طبیعت میں بہت کم غصہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۸۳﴾ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علیؓ صاحب نے۔ کہ ایک دفعہ مولوی محمد علی صاحب یہاں ڈھاب میں کنارے پر نہانے لگے۔ مگر پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ گہرے پانی میں چلے گئے۔ اور پھر لگے ڈوبنے کیونکہ تیرنا آتا نہیں تھا۔ کئی لوگ بچانے کے لئے پانی میں کودے۔ مگر جب کوئی شخص مولوی صاحب کے پاس جاتا تھا۔ تو وہ اُسے ایسا پکڑتے تھے۔ کہ وہ خود بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ اس طرح مولوی صاحب نے کئی غوطے کھائے۔ آخر شاید قاضی امیر حسینؓ صاحب نے پانی میں غوطہ لگا کر نیچے سے ان کو کنارے کی طرف دھکیلا۔ تو وہ باہر آئے۔ جب مولوی صاحب حضرت صاحب سے اس واقعہ کے بعد ملے۔ تو آپؑ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا۔ مولوی صاحب آپ گھڑے کے پانی سے ہی نہا لیا کریں۔ ڈھاب کی طرف نہ جائیں۔ پھر فرمایا۔ کہ میں بچپن میں اتنا تیرتا تھا۔ کہ ایک وقت میں ساری قادیان کے اردگرد تیر جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ برسات کے موسم میں قادیان کے اردگرد اتنا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ کہ سارا گاؤں ایک جزیرہ بن جاتا ہے۔

۲۸۴﴾ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ جاننے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا معاملہ تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور کی تصنیف سیرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل فقرات ایک عمدہ ذریعہ ہیں۔ مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں:۔

" عرصہ قریب پندرہ برس کا گذرتا ہے۔ جبکہ حضرت صاحب نے بارِ دیگر خدا تعالےٰ کے امر سے معاشرت کے بھاری اور نازک فرض کو اٹھایا ہے۔ اس اثنا میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا۔ کہ خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہوئی ہو۔ وہ ٹھنڈا دل اور بہشتی قلب قابل غور ہے۔ جسے اتنی مدّت میں کسی قسم کے رنج اور تنغّص عیش کی آگ کی آنچ تک نہ چھوئی ہو۔ ...... اس بات کو اندرونِ خانہ کی خدمت گار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں۔ اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلّف اور تصنّع زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں بہت عمدہ طرح محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں۔ اور زمانہ اور گردوپیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں۔ اور میں نے بارہا انہیں خود حیرت سے کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ " مرجا بیوی دی گل بڑی مَن دا اے"......

اس بدمزاج دوست کا واقعہ سُنکر آپ معاشرت نسواں کے بارے میں دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا۔ کہ میرا یہ حال ہے۔ کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا۔ اور میں محسوس کرتا تھا۔ کہ وہ بانگ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے۔ اور بایں ہمہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ میں نے منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا۔ اور بڑے خشوع و خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ ...... حضرت صاحبؑ کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے جو ایک نکاح کے متعلق ہے۔ حضرت صاحبؑ کی بیوی صاحبہ مکرمہ نے بارہا رو رو کر دعائیں کی ہیں اور بارہا خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہا ہے۔ کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے۔ مگر صدقِ دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں۔ کہ خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں۔ ایک روز دُعا مانگ رہی تھیں۔ حضرت صاحبؑ نے پوچھا۔ آپ کیا دعا مانگتی ہیں؟ آپ نے بات سنائی۔ کہ یہ مانگ رہی ہوں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا سوت کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے اس کا پاس ہے۔ کہ آپؑ کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں پوری ہو جائیں۔"

(۲۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دینی مشاغل میں ایسی تندہی اور محویت سے مصروف رہتے تھے۔ کہ حیرت ہوتی تھی۔ اس کی ایک نہایت

اور اسکی مثال یوں سمجھنی چاہئے۔ کہ جیسے ایک دوکاندار ہو۔ جو اکیلا اپنی دوکان پر کام کرتا ہو۔ اور اس کا مال اس کی وسیع دوکان میں مختلف جگہ پھیلا ہوا ہو۔ اور ایسا اتفاق ہو۔ کہ بہت سے گاہک جو مختلف چیزیں خریدنے کے خیال سے آئے ہوں۔ اس کی دوکان پر جمع ہو جائیں۔ اور اپنے مطالبات پیش کریں۔ ایسے وقت میں ایک ہوشیار اور سمجھدار دوکاندار جس مصروفیت کے ساتھ اپنے گاہکوں کے ساتھ مشغول ہو جائیگا۔ اور اسے اور کسی بات کی ہوش نہیں رہیگی بس یہی حال۔ مگر ایک بہت بڑے پیمانہ پر حضرت مسیح موعودؑ کا نظر آتا تھا۔ اور روزہ صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر صبح تک آپؑ کا وقت اس محو کر دینے والی مصروفیت میں گذر جاتا تھا۔ اور جس طرح ایک مسافر جس کے پاس وقت تھوڑا ہو۔ اور اُس نے ایک بہت بڑی مسافت طے کرنی ہو۔ اپنی حرکات میں غیر معمولی سرعت سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح آپ کا حال تھا۔ بسا اوقات ساری ساری رات تصنیف کے کام میں لگا دیتے تھے۔ اور صبح کو پھر کمر کسکر ایک چوکس اور چُست سپاہی کی طرح دین خدا کی خدمت میں ایستادہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا۔ کہ جو لوگ آپؑ کی مدد کے لئے آپؑ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ وہ گو باری باری آپؑ کے ساتھ لگتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ ایک ایک کرکے ماندہ ہو کر بیٹھتے جاتے تھے۔ لیکن یہ خدا کا بندہ اپنے آقا کی خدمت میں نہ تھکتا تھا۔ اور نہ ماندہ ہوتا تھا"

(۲۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم اپنی کتاب سیرت مسیح موعودؑ میں لکھتے ہیں ؟ کہ :۔

میں نے دیکھا ہے۔ کہ حضرت اقدس نازک سے نازک مضمون لکھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عربی زبان میں بے مثل فصیح کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور پاس ہنگامہ قیامت برپا ہے۔ بے تمیز بچے اور سادہ عورتیں جھگڑ رہی ہیں۔ چیخ رہی ہیں۔ چلا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آپس میں دست و گریبان ہو رہی ہیں۔ اور پوری زنانہ کر تو تیں کر رہی ہیں۔ مگر حضرت صاحبؑ یوں لکھے جا رہے ہیں۔ اور کام میں یوں مستغرق ہیں۔ کہ گویا خلوت میں بیٹھے ہیں۔ یہ ساری لانظیر اور عظیم الشان عربی۔ اردو۔ فارسی کی

تصانیف ایسے ہی مکانوں میں لکھی ہیں۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا۔ اتنے شور میں حضور کو لکھنے میں یا سوچنے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہوتی؟ مسکرا کر فرمایا۔ "میں سنتا ہی نہیں تشویش کیا ہو۔"

(۲۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"ایک دفعہ اتفاق ہوا۔ کہ جن دنوں حضرت صاحبؑ تبلیغ لکھا کرتے تھے۔ مولوی نورالدین صاحبؓ تشریف لائے۔ حضرت صاحبؑ نے ایک بڑا دو ورقہ مضمون لکھا۔ اور اس کی فصاحت و بلاغت خداداد پر حضرت صاحبؑ کو ناز تھا۔ اور وہ فارسی ترجمہ کیلئے مجھے دینا تھا۔ مگر یاد نہ رہا اور جیب میں رکھ لیا۔ اور باہر سیر کو چلدیئے۔ مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی۔ واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں تھے۔ مولوی صاحبؓ کے ہاتھ میں کاغذ دیدیا۔ کہ وہ پڑھکر عاجز راقم کو دے دیں۔ مولوی صاحبؓ کے ہاتھ سے وہ مضمون گر گیا۔ واپس ڈیرہ میں آئے۔ اور بیٹھ گئے۔ حضرت صاحبؑ معمولاً اندر چلے گئے۔ میں نے کسی سے کہا۔ کہ آج حضرت صاحبؑ نے مضمون نہیں بھیجا۔ اور کاتب سر پر کھڑا ہے۔ اور ابھی مجھے ترجمہ بھی کرنا ہے۔ مولوی صاحبؓ کو دیکھتا ہوں۔ تو رنگ فق ہو رہا ہے۔ حضرت صاحبؑ کو خبر ہوئی۔ معمولی ہشاش بشاش چہرہ متبسم زیر لب تشریف لائے۔ اور بڑا عذر کیا۔ کہ "مولوی صاحبؓ کو کاغذ کے گم ہونے سے بڑی تشویش ہوئی۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ اس کی جستجو میں اس قدر تگاپو کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے بہتر عطا فرماویگا۔"

(۲۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی سید سرور شاہ صاحب نے کہ جن دنوں میں حضرت صاحبؑ نے شروع شروع میں مسیح موعودؑ ہونے کا دعوےٰ کیا تھا میں طالب علم تھا۔ اور لاہور میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ حضرت صاحبؑ کو ملنے کے لئے جموں سے آئے۔ اور راستہ میں لاہور ٹھہرے۔ چونکہ مولوی صاحب کے ساتھ میرے والد صاحب کے بہت تعلقات تھے۔ اور وہ مجھے

تاکید فرماتے رہتے تھے۔ کہ مولوی صاحبؓ سے ضرور ملتے رہا کرو۔ اس لئے میں مولوی صاحب
سے ملنے کے لئے گیا۔ مولوی صاحب ان دنوں میں نماز چونیاں کی مسجد میں پڑھا کرتے تھے
وہاں مولوی صاحب نماز پڑھنے گئے۔ اور حوض پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ تو ادھر سے مولوی
محمد حسین بٹالوی بھی آگیا۔ اور اس نے مولوی صاحبؓ کو دیکھتے ہی کہا۔ کہ مولوی صاحب!
تعجب ہے۔ آپ جیسا شخص بھی مرزا کے ساتھ ہو گیا ہے۔ مولوی صاحبؓ نے جواب دیا۔ کہ
مولوی صاحب میں نے تو مرزا صاحب کو صادق اور منجانب اللہ پایا ہے۔ اور میں سچ کہتا
ہوں۔ کہ میں نے ان کو یونہی نہیں مانا۔ بلکہ علیٰ وجہ البصیرت مانا ہے۔ اس پر باہم بات
ہوتی رہی۔ آخر مولوی محمد حسین نے کہا۔ کہ اب میں آپ کو لاہور سے جانے نہیں دونگا حتیٰ
کہ آپ میرے ساتھ اس معاملہ میں بحث کر لیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ اچھا میں تیار
ہوں۔ اس پر اگلا دن بحث کے لئے مقرر ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے دن مولوی صاحب کی
مولوی محمد حسین کے ساتھ بحث ہوئی۔ لیکن ابھی بحث ختم نہ ہونے پائی تھی۔ کہ مولوی صاحبؓ
کو جموں سے مہاراج کا تار آگیا۔ کہ فوراً چلے آؤ۔ چنانچہ مولوی صاحبؓ فوراً لاہور سے بطرف
لدھیانہ روانہ ہو گئے۔ تا کہ حضرت صاحبؑ سے ملاقات کر کے واپس تشریف لیجائیں۔ اس
کے کچھ عرصہ بعد میں لاہور سے تعلیم کے لئے دیوبند جانے لگا۔ تو راستہ میں اپنے ایک غیر
احمدی دوست مولوی ابراہیم کے پاس لدھیانہ ٹھہرا۔ وہاں مجھے مولوی ابراہیم نے بتایا۔ کہ
آجکل مرزا صاحب قادیانی یہیں ہیں۔ میں نے اسے کہا۔ کہ چلو پھر ان سے چلکر ملیں۔
اور ان کے حالات دیکھیں۔ اس نے کہا۔ کہ مرزا صاحب کی مخالفت بہت ہے۔ اور میرے
یہاں لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اس لئے میں تو نہیں جا سکتا۔ لیکن آپ کے ساتھ اپنا
ایک طالب علم بھیج دیتا ہوں۔ جو آپ کو مرزا صاحبؑ کے مکان کا راستہ بتا دیگا۔ چنانچہ میں
اکیلا حضرت صاحبؑ کی ملاقات کے لئے گیا۔ جب میں اس مکان پر پہنچا۔ جہاں حضرت صاحبؑ
قیام فرما تھے۔ تو اس وقت آپؑ اندر کے کمرہ سے نکلکر باہر نشست گاہ میں تشریف لا رہے
تھے۔ میں نے مصافحہ کیا۔ اور بیٹھ گیا۔ اس وقت شاید حضرت صاحبؑ کے پاس شیخ
رحمت اللہ صاحب لاہوری اور کوئی اور صاحب تھے۔ حضرت صاحبؑ سر نیچا کر کے خاموش

بیٹھ گئے۔ جیسے کوئی شخص مراقبہ میں بیٹھتا ہے۔ شیخ صاحب نے یا جو صاحب وہاں تھے انگریزی حکومت کا کچھ ذکر شروع کر دیا۔ کہ یہ حکومت بہت اچھی ہے۔ اور ایک لمبا عرصہ ذکر کرتے رہے مگر حضرت صاحبؑ اسی طرح سر نیچے ڈالے آگے کی طرف جھکے ہوئے بیٹھے رہے۔ اور کچھ نہیں بولے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپؑ سن رہے ہیں۔ ایک موقعہ پر آپؑ نے کسی بات پر صرف ہاں یا نہ کا لفظ بولا۔ اور پھر اسی طرح خاموش ہو گئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا۔ کہ اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ آپؑ کا رنگ زرد تھا۔ اور آپؑ اتنے کمزور تھے۔ کہ کچھ حد نہیں۔ کچھ دیر کے بعد میں مصافحہ کر کے وہاں سے اُٹھ آیا۔ جب میں مولوی ابراہیم کے مکان پر پہنچا۔ تو اس نے پوچھا۔ کہ کہو مرزا صاحبؑ سے مل آئے؟ میں نے کہا۔"ہاں! مگر لوگوں نے یونہی مخالفت کا شور مچا رکھا ہے۔ مرزا صاحب تو صرف چند دن کے مہمان ہیں بچتے نظر نہیں آتے"مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس وقت میرا یہی یقین تھا۔ کہ ایسا کمزور شخص زیادہ عرصہ نہیں زندہ رہ سکتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ ابتدائے دعویٰ کے زمانہ میں چونکہ بیماری کے دوروں کی بھی ابتدا تھی۔ حضرت صاحبؑ کی صحت سخت خراب ہو گئی تھی۔ اور آپؑ ایسے کمزور ہو گئے تھے۔ کہ ظاہری اسباب کے رُو سے واقعی صرف چند دن کے مہمان نظر آتے تھے۔ انہی دنوں میں حضرت صاحبؑ کو الہام ہوا۔ کہ ترد علیک انوار الشباب۔ یعنی اللہ فرماتا ہے۔ کہ تیری طرف شباب کے انوار لوٹائے جائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد گو جیسا کہ دوسرے الہامات میں ذکر ہے۔ یہ بیماری تو آپؑ کے ساتھ رہی۔ لیکن دوروں کی سختی اتنی کم ہو گئی۔ کہ آپؑ کے بدن میں پھر پہلے کی سی طاقت آ گئی۔ اور آپؑ اچھی طرح کام کرنے کے قابل ہو گئے۔

(۲۸۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے پیر افتخار احمد صاحب نے۔ کہ ایک دفعہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ مرزا نظام الدین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوچہ بندی میں کھڑے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ڈیوڑھی سے نکلے۔ اور آپؑ کے ہاتھ میں دو بند لفافے تھے۔ یہ لفافے آپؑ نے مرزا نظام الدین کے سامنے کر دیئے۔ کہ ان میں سے ایک اٹھا لیں۔ انہوں نے ایک لفافہ اٹھا لیا۔ اور دوسرے کو لیکر حضرت صاحبؑ

فوراً اندر واپس چلے گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مجھے حضرت والدہ صاحبہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ لفافے باغ کی تقسیم کے متعلق تھے۔ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے باغ کا نصف حصہ لینا تھا۔ اور نصف مرزا سلطان احمدؐ کو جانا تھا۔ اس لئے حضرت صاحبؑ نے اس تقسیم کے لئے قرعہ کی صورت اختیار کی تھی۔ اور مرزا نظام الدین مرزا سلطان احمد کی طرف سے مختار کار تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اسی تقسیم کے مطابق باغ کا جنوبی نصف حصہ حضرت صاحبؑ کو آیا۔ اور شمالی نصف مرزا سلطان احمد صاحب کے حصہ میں چلا گیا۔ اور حضرت والدہ صاحبہ نے خاکسار سے بیان کیا۔ کہ اس تقسیم کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبؑ کو کسی دینی غرض کے لئے کچھ روپے کی ضرورت پیش آئی۔ تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مجھے تم اپنا زیور دے دو۔ میں تم کو اپنا باغ رہن دے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے سب رجسٹرار کو قادیان میں بلوا کر باقاعدہ رہن نامہ میرے نام کروا دیا۔ اور پھر اندر آکر مجھ سے فرمایا۔ کہ میں نے رہن کے لئے تیس سال کی میعاد لکھدی ہے۔ کہ اس عرصہ کے اندر یہ رہن فک نہ کروایا جائیگا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ رہن کے متعلق میعاد کو عموماً فقہ والے جایز قرار نہیں دیتے۔ سو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قول کی اہل فقہ کے قول سے تطبیق کی ضرورت سمجھی جاوے۔ تو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ گویا حضرت صاحبؑ نے میعاد کو رہن کی شرائط میں نہیں رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے یہ بات زائد بطور احسان و مروّت کے درج کرا دی۔ کیونکہ ہر شخص کو حق ہے۔ کہ بطور احسان اپنی طرف سے جو چاہے۔ دوسرے کو دیدے۔ مثلاً یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو کچھ قرض دے۔ تو اصل سے زیادہ واپس نہ مانگے۔ کیونکہ یہ سود ہو جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس بات کو شریعت نے نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ قرار دیا ہے۔ کہ ہو سکے۔ تو مقروض روپیہ واپس کرتے ہوئے اپنی خوشی سے قارض کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دے دے۔ علاوہ ازیں خاکسار کو یہ بھی خیال آتا ہے۔ کہ گو شریعت نے رہن میں اصل مقصود ضمانت کے پہلو کو رکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے فقہ والے رہن میں میعاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن شریعت کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ بعض اوقات

ایک امر ایک خاص بات کو ملحوظ رکھکر جاری کیا جاتا ہے ۔ مگر بعد اس کے جائز ہو جانے کے اس کے جواز میں دوسری جہات سے بھی وسعت پیدا ہو جاتی ہے ۔ مثلاً سفر میں نماز کا قصر کرنا دراصل مبنی ہے اس بات پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں سفروں میں نکلتے تھے تو چونکہ دشمن کی طرف سے خطرہ ہوتا تھا ۔ اس لئے نماز کو چھوٹا کر دیا گیا ۔ لیکن جب سفر میں ایک جہت سے نماز قصر ہوئی ۔ تو پھر اللہ نے مومنوں کے لئے اس قصر کو عام کر دیا ۔ اور خوف کی شرط درمیان سے اٹھالی گئی ۔ پس گو رہن کی بنیاد ضمانت کے اصول پر ہے ۔ لیکن جب اس کا دروازہ کھلا ۔ تو باری تعالےٰ نے اس کو عام کر دیا ۔ مگر یہ فقہ کی باتیں ہیں ۔ جس میں رائے دینا خاکسار کا کام نہیں ۔

(۲۹۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے ۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر کئی اخباروں نے آپ کے متعلق اپنی آراء کا اظہار کیا تھا ۔ ان میں سے بعض کی رائے کا اقتباس درج ذیل کرتا ہوں :۔

اخبار "ٹائمز آف لنڈن" نے جو ایک عالمگیر شہرت رکھتا ہے ۔ لکھا ۔ کہ "مرزا صاحب شکل و شباہت میں صاحبِ عزت و وقار ۔ وجود میں تاثیر جذبہ رکھنے والے اور خوب ذہین تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کے متبعین میں صرف عوام الناس ہی نہیں ۔ بلکہ بہت سے اعلےٰ اور عمدہ تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بات کہ یہ سلسلہ امن پسند اور پابند قانون ہے ۔ اس کے بانی کے لئے قابل فخر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں ڈاکٹر گرسفولڈ کی اس رائے سے اتفاق ہے ۔ کہ مرزا صاحب اپنے دعاوی میں دھوکا خوردہ تھے ۔ دھوکا دینے والے ہرگز نہ تھے"۔

"علیگڈھ انسٹیٹیوٹ" نے جو ایک غیر احمدی پرچہ ہے لکھا ۔ کہ "مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا"۔

"ڈی یونیٹی کلکتہ" یوں رقمطراز ہوا ۔ کہ "مرحوم ایک بہت ہی دلچسپ شخص تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے چال چلن اور ایمان کے زور سے اس نے بیس ہزار متبع پیدا کر لئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب اپنے ہی مذہب سے پوری پوری واقفیت نہ رکھتے تھے ۔ بلکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے بھی خوب جاننے والے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے آدمی کی وفات قوم کے لئے افسوسناک ہے"۔

"صادق الاخبار ریواڑی" نے جو ایک غیر احمدی پرچہ ہے۔ ان الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ کہ "واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کماحقہ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے۔ کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جاوے۔"

"تہذیب نسواں لاہور" کے ایڈیٹر صاحب جو ہمارے سلسلہ سے موافقت نہیں رکھتے۔ یوں گویا ہوئے کہ "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دل کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے۔ لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

"اخبار آریہ پتر کا لاہور" نے جو ایک سخت معاند آریہ اخبار ہے۔ لکھا۔ کہ "جو کچھ مرزا صاحب نے اسلام کی ترقی کے لئے کیا ہے۔ اُسے مسلمان ہی خوب جج کر سکتے ہیں۔ مگر ایک قابل نوٹس بات جو ان کی تصانیف میں پائی جاتی ہے۔ اور جو دوسروں کو بھی معلوم ہو سکتی ہے یہ ہے کہ عام طور پر جو اسلام دوسرے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی نسبت مرزا صاحب کے خیالات اسلام کے متعلق زیادہ وسیع اور زیادہ قابل برداشت تھے۔ مرزا صاحب کے تعلقات آریہ سماج سے کبھی بھی دوستانہ نہیں ہوئے۔ اور جب ہم آریہ سماج کی گذشتہ تاریخ کو یاد کرتے ہیں تو ان کا وجود ہمارے سینوں میں بڑا جوش پیدا کرتا ہے۔"

رسالہ "اندر" لاہور جو آریوں کا ایک اخبار تھا۔ یوں رقمطراز ہوا۔ کہ "اگر ہم غلطی نہیں کرتے۔ تو مرزا صاحب اپنی ایک صفت میں محمد صاحب (صلعم) سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ اور وہ صفت ان کا استقلال تھا۔ خواہ وہ کسی مقصود کو لے کر تھا۔ اور ہم خوش ہیں۔ کہ وہ آخری دم تک اس پر ڈٹے رہے۔ اور ہزاروں مخالفتوں کے باوجود ذرا بھی لغزش نہیں کھائی۔"

اخبار "برہمچارک" لاہور نے جو برہمو سماج کا ایک پرچہ ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ لکھے۔ "ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ مرزا صاحب کیا بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق و شرافت ایک بڑے پایہ کے انسان تھے۔"

"امرتا بازار پتر کا" نے جو کلکتہ کا ایک مشہور بنگالی اخبار ہے۔ لکھا۔ کہ "مرزا صاحب درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور سینکڑوں آدمی روزانہ ان کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ ان کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ فاضل مولوی باثر رئیس تعلیم یافتہ امیر سوداگر پائے جاتے ہیں۔"

"اسٹیٹسمین" کلکتہ نے جو ایک بڑا نامی انگریزی اخبار ہے۔ لکھا۔ کہ "مرزا صاحب ایک نہایت مشہور اسلامی بزرگ تھے۔"

(۲۹۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اخبار "وکیل" امرتسر میں جو ایک مشہور غیر احمدی اخبار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اڈیٹر کی طرف سے جو مضمون شائع ہوا تھا اس کا مندرجہ ذیل اقتباس ناظرین کے لئے موجب دلچسپی ہوگا۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ غیر احمدی مسلمان باوجود حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت کے آپؑ کو اور آپؑ کے کام کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ دراصل جو کام آپؑ نے کیا۔ وہ اس پایہ کا تھا۔ کہ سوائے اس کے کہ کوئی مخالف اپنی مخالفت میں اندھا ہو رہا ہو۔ اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اور گو وہ اپنے منہ سے آپؑ کو مسیح موعودؑ نہ مانیں۔ لیکن ان کے دل بولتے تھے۔ کہ آپؑ کا دم ان کے لئے مسیحائی کا حکم رکھتا ہے۔ غرض "وکیل" نے لکھا کہ :-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا۔ اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔ یہ تلخ موت یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنیوالے کی ہستی تہِ خاک پنہاں کی۔ ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخکامیاں بن کے رہیگی۔ اور قضا کے حملے نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھیگی۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں۔ کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے۔ اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جاوے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر

عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں۔ دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی۔ خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے۔ ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے۔ تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا۔ آئندہ بھی جاری رہے۔

مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔ ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ ...... اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے۔ جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔ ...... غرض مرزا صاحبؒ کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبار احسان رکھیگی۔ کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کیطرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ کہ جو اسوقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے۔ اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔ قائم رہیگا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحبؒ نے اسلام کی بہت خاص خدمت سر انجام دی ہے۔ ...... ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے۔ کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جاوے ناممکن ہے۔ کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔

فطری ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک خاص شان پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی۔ اور

وہ اپنی ان معلومات کو نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا
ہو گیا تھا۔ کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملّت کا ہو۔ ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ
ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور جس کثرت سے
چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں۔ اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں
اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی اور جگہ نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا۔ کہ میں ان سب کے لئے
حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں۔ کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے
کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی۔ اور یہ نتیجہ تھی اُن کی فطری استعداد کا ذوقِ مطالعہ اور کثرت
مشق کا۔ آئندہ اُمید نہیں۔ کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی
اعلےٰ خواہشیں اس طرح مذہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔"

(۲۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اپنی انگریزی کتاب "احمدیہ موومنٹ"
میں پادری والٹر ایم۔ اے جو وائی ایم سی اے کے سکرٹری تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق مندرجہ
ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں:۔

"یہ بات ہر طرح سے ثابت ہے۔ کہ مرزا صاحب اپنی عادات میں سادہ اور فیاضانہ جذبات رکھنے
والے تھے۔ ان کی اخلاقی جرأت جو انہوں نے اپنے مخالفین کی طرف سے سخت مخالفت اور ایذا
رسانی کے مقابلہ میں دکھائی۔ یقیناً قابل تحسین ہے۔ صرف ایک مقناطیسی جذب اور نہایت خوشگوار
اخلاق رکھنے والا شخص ہی ایسے لوگوں کی دوستی اور وفاداری حاصل کر سکتا تھا جن میں سے کم
از کم دو نے افغانستان میں اپنے عقائد کی وجہ سے جان دیدی۔ مگر مرزا صاحب کا دامن نہ چھوڑا۔
میں نے بعض پرانے احمدیوں سے ان کے احمدی ہونے کی وجہ دریافت کی۔ تو اکثر نے سب سے
بڑی وجہ مرزا صاحب کے ذاتی اثر اور ان کے جذب اور کھینچ لینے والی شخصیت کو پیش کیا۔"

(۲۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب
حضرت صاحب باہر سے اندرون خانہ تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی فقیر نے آپؑ سے کچھ سوال کیا
مگر اسوقت .... لوگوں کی باتوں میں آپؑ فقیر کی آواز کو صاف طور پر سُن
نہیں سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؑ پھر باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ کہ کسی فقیر نے سوال کیا تھا

وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے اسے تلاش کیا۔ مگر نہ پایا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ فقیر خود بخود آگیا۔ اور آپؑ نے اسے کچھ نقدی دیدی۔ .... اس وقت آپ محسوس کرتے تھے۔ کہ گویا آپؑ کی طبیعت پر سے ایک بھاری بوجھ اٹھ گیا ہے۔ اور آپؑ نے فرمایا۔ کہ میں نے دُعا بھی کی تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ اس فقیر کو واپس لائے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسوقت لوگوں کی باتوں میں ملکہ فقیر کی آواز رہ گئی اور آپؑ نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن جب آپؑ اندر تشریف لے گئے۔ اور لوگوں کی آوازوں سے الگ ہوئے۔ تو اس فقیر کی آواز صاف طور پر الگ ہو کر آپؑ کے سامنے آئی۔ اور آپؑ کو اس کی امداد کے لئے بیقرار کر دیا۔

(۲۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ حضرت صاحبؑ نے کسی حوالہ وغیرہ کا کوئی کام میاں معراجدین صاحب عمر لاہوری اور دوسرے لوگوں کے سپرد کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں میاں معراجدین صاحب چھوٹی چھوٹی پرچیوں پر لکھ کر بار بار حضرت صاحبؑ سے کچھ دریافت کرتے تھے۔ اور حضرت صاحبؑ جواب دیتے تھے۔ کہ یہ تلاش کرو۔ یا فلاں کتاب بھیجو۔ وغیرہ۔ اسی دوران میں میاں معراجدین صاحب نے ایک پرچی حضرت صاحبؑ کو بھیجی۔ اور حضرت صاحبؑ کو مخاطب کر کے بغیر السلام علیکم لکھے اپنی بات لکھ دی۔ اور چونکہ بار بار ایسی پرچیاں آتی جاتی تھیں۔ اس لئے جلدی میں ان کی توجہ اسطرف نہ گئی۔ کہ السلام علیکم بھی لکھنا چاہئے۔ حضرت صاحبؑ نے جب اندر سے اس کا جواب بھیجا۔ تو اس کے شروع میں لکھا۔ کہ آپؑ کو السلام علیکم لکھنا چاہئے تھا؟

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے۔ مگر اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ آپکو اپنی جماعت کی تعلیم و تادیب کا کتنا خیال تھا۔ اور نظر غور سے دیکھیں۔ تو یہ بات معمولی بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مسلّم سچائی ہے۔ کہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں ادب اور احترام اور آداب کا خیال نہ رکھا جاوے۔ تو پھر آہستہ آہستہ بڑی باتوں تک اس کا اثر پہنچتا ہے۔ اور دل پر ایک زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ملاقات کے وقت السلام علیکم کہنا اور خط لکھتے ہوئے السلام علیکم لکھنا شریعت کا حکم بھی ہے؟

نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ دستور تھا۔ کہ آپؑ اپنے تمام خطوط میں بسم اللہ اور السلام علیکم لکھتے تھے۔ اور خط کے نیچے دستخط کر کے تاریخ بھی ڈالتے تھے۔ میں نے کوئی خط آپؑ کا بغیر بسم اللہ اور سلام اور تاریخ کے نہیں دیکھا۔ اور آپؑ کو سلام لکھنے کی اتنی عادت تھی۔ کہ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ آپؑ ایک دفعہ کسی ہندو مخالف کو خط لکھنے لگے۔ تو خود بخود السلام علیکم لکھا گیا۔ جسے آپؑ نے کاٹ دیا۔ لیکن پھر لکھنے لگے۔ تو پھر سلام لکھا گیا۔ چنانچہ آپؑ نے دوسری دفعہ اُسے پھر کاٹا۔ لیکن جب آپ تیسری دفعہ لکھنے لگے۔ تو پھر ہاتھ اسی طرح چل گیا۔ آخر آپؑ نے ایک اور کاغذ لے کر ٹھہر ٹھہر کر خط لکھا۔ یہ واقعہ مجھے یقینی طور پر یاد نہیں۔ کہ کس کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن میں نے کہیں ایسا دیکھا ضرور ہے۔ اور خیال پڑتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲۹۵) **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔** بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب میں شروع شروع میں قادیان آیا تھا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کے وقت پہلی صف میں دوسرے مقتدیوں کے ساتھ ملکر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ لیکن پھر بعض باتیں ایسی ہوئیں۔ کہ آپؑ نے اندر حجرہ میں امام کے ساتھ کھڑا ہونا شروع کر دیا۔ اور جب حجرہ گرا کر تمام مسجد ایک کی گئی۔ تو پھر بھی آپؑ بدستور امام کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے رہے۔

(۲۹۶) **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔** بیان کیا مجھ سے بیوہ مرحومہ مولوی عبد الکریم صاحبؓ مرحوم نے کہ جب مولوی عبد الکریم صاحبؓ بیمار ہوئے۔ اور ان کی تکلیف بڑھ گئی۔ تو بعض اوقات شدتِ تکلیف کے وقت نیم غشی کی سی حالت میں وہ کہا کرتے تھے۔ کہ سواری کا انتظام کرو۔ میں حضرت صاحبؑ سے ملنے کے لئے جاؤنگا۔ گویا وہ سمجھتے تھے کہ میں کہیں باہر ہوں۔ اور حضرت صاحبؑ قادیان میں ہیں۔ اور بعض اوقات کہتے تھے۔ اور ساتھ ہی زار زار رو پڑتے تھے۔ کہ دیکھو میں نے اتنے عرصہ سے حضرت صاحبؑ کا چہرہ نہیں دیکھا۔ تم مجھے حضرت صاحبؑ کے پاس کیوں نہیں لیجاتے۔ ابھی سواری منگاؤ۔ اور مجھے لے چلو۔ ایک دن جب ہوش تھی۔ کہنے لگے جاؤ حضرت صاحبؑ سے کہو کہ میں مرچلا ہوں۔ مجھے صرف دُور سے کھڑے ہو کر اپنی زیارت کرا جائیں۔ اور بڑے روئے۔ اور اصرار کے ساتھ کہا۔ کہ ابھی جاؤ۔ میں نیچے حضرت صاحبؑ کے پاس آئی۔ کہ مولوی صاحب اس طرح کہتے

ہیں۔حضرت صاحبؑ فرمانے لگے۔کہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔کہ کیا میرا دل مولوی صاحب کے ملنے کو نہیں چاہتا؟ مگر بات یہ ہے۔کہ میں ان کی تکلیف کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔مولویانی مرحومہ کہتی تھیں۔کہ اس وقت تمہاری والدہ پاس تھیں۔انہوں نے حضرت صاحبؑ سے کہا۔کہ جب وہ اتنی خواہش رکھتے ہیں۔تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں۔حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔کہ اچھا میں جاتا ہوں۔مگر تم دیکھ لینا۔کہ ان کی تکلیف کو دیکھ کر مجھے دورہ ہو جائے گا۔خیر حضرت صاحبؑ نے پگڑی منگا کر سر پر رکھی۔اور اوپر جانے لگے۔میں جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر آگے چلی گئی۔تاکہ مولوی صاحب کو اطلاع دوں۔کہ حضرت صاحبؑ تشریف لاتے ہیں۔جب میں نے مولوی صاحب کو جاکر اطلاع دی۔تو انہوں نے الٹا مجھے ملامت کی۔کہ تم نے حضرت صاحبؑ کو کیوں تکلیف دی؟ کیا میں نہیں جانتا۔کہ وہ کیوں تشریف نہیں لاتے؟ میں نے کہا۔کہ آپ نے خود تو کہا تھا۔انہوں نے کہا۔کہ وہ تو میں نے دل کا دُکھڑا رو یا تھا۔تم فوراً جاؤ۔اور حضرت صاحبؑ سے عرض کرو۔کہ تکلیف نہ فرمائیں۔میں بھاگی گئی۔تو حضرت صاحبؑ سیڑھیوں کے نیچے کھڑے اوپر آنے کی تیاری کر رہے تھے۔میں نے عرض کر دیا۔کہ حضورؑ آپ تکلیف نہ فرماویں؛

خاکسار عرض کرتا ہے۔کہ حضرت صاحبؑ کو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے بہت محبت تھی۔اور یہ اسی محبت کا تقاضا تھا۔کہ آپؑ مولوی صاحب کی تکلیف کو نہ دیکھ سکتے تھے۔چنانچہ باہر مسجد میں کئی دفعہ فرماتے تھے۔کہ مولویصاحب کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے۔مگر میں ان کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔چنانچہ آخر مولوی صاحب اسی مرض میں فوت ہو گئے۔مگر حضرت صاحبؑ ان کے پاس نہیں جا سکے۔بلکہ حضرت صاحبؑ نے مولوی صاحب کی بیماری میں اپنی رہائش کا کمرہ بھی بدل لیا تھا۔کیونکہ جس کمرہ میں آپ رہتے تھے۔وہ چونکہ مولوی صاحب کے مکان کے بالکل نیچے تھا۔اس لئے وہاں مولوی صاحب کے کراہنے کی آواز پہنچ جاتی تھی۔جو آپؑ کو بیتاب کر دیتی تھی اور مولویصاحب مرحوم چونکہ مرض کاربنکل میں مبتلا تھے۔اس لئے ان کا بدن ڈاکٹروں کی چیرا پھاڑی سے چھلنی ہو گیا تھا۔اور وہ اس کے درد میں بے تاب ہو کر کراہتے تھے؛

نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم حضرت صاحبؑ کے مکان کے اس حصہ میں رہتے تھے۔جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ملحق ہے۔اس مکان کے نیچے خود

حضرت صاحبؑ کا رہائشی کمرہ تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب کے علاوہ حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے بھی حضرت صاحبؑ کے مکان کے مختلف حصوں میں رہتے تھے اور شروع شروع میں جب نواب محمد علی خان صاحب قادیان آئے تھے۔ تو ان کو بھی حضرت صاحبؑ نے اپنے مکان کا ایک حصہ خالی کر دیا تھا۔ مگر بعد میں انہوں نے خود اپنا مکان تعمیر کروا لیا۔ اسی طرح شروع میں مفتی محمد صادق صاحب کو بھی آپؑ نے اپنے مکان میں جگہ دی تھی۔ مولوی محمد احسن صاحب بھی کئی دفعہ حضرت صاحبؑ کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحب بھی جب فیملی کے ساتھ آتے تھے۔ تو عموماً حضرت صاحبؑ ان کو اپنے مکان کے کسی حصہ میں ٹھہراتے تھے۔ دراصل حضرت صاحبؑ کی یہ خواہش رہتی تھی۔ کہ اس قسم کے لوگ حتے الوسع آپ کے قریب ٹھہریں ؛

(۲۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مفتی محمد صادق صاحب نے کہ ایک دفعہ جب میں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تو آپؑ کے کمرہ کا دروازہ زور سے کھٹکا۔ اور سید آل محمد صاحب امروہوی نے آواز دی۔ کہ حضورؑ میں ایک نہایت عظیم الشان فتح کی خبر لایا ہوں۔ حضرت صاحبؑ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ آپ جا کر ان کی بات سن لیں۔ کہ کیا خبر ہے۔ میں گیا۔ اور سید آل محمد صاحب سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ فلاں جگہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کا فلاں مولوی سے مباحثہ ہوا۔ تو مولوی صاحب نے اُسے بہت سخت شکست دی۔ اور ٹبرا رگیدا۔ اور وہ بہت ذلیل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اور مولوی صاحب نے مجھے حضرت صاحبؑ کے پاس روانہ کیا ہے۔ کہ جا کر اس عظیم الشان فتح کی خبر دوں۔ مفتی صاحب نے بیان کیا۔ کہ میں نے واپس آکر حضرت صاحبؑ کے سامنے آل محمد صاحب کے الفاظ دُہرا دیئے۔ حضرت صاحبؑ ہنسے۔ اور فرمایا میں نے سمجھا۔ کہ یورپ مسلمان ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کہتے تھے۔ کہ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کو یورپ میں اسلام قائم ہو جانے کا کتنا خیال تھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ گو تبلیغ کے لئے سب جگہیں برابر ہیں۔ اور ہر غیر مسلم ایک سا مستحق ہے۔ کہ اس تک حق پہنچایا جاوے۔ اور ہر غیر مسلم کا مسلمان ہونا ہمارے لئے ایک سی خوشی رکھتا ہے۔ خواہ کوئی بادشاہ ہو۔ یا ایک غریب بھنگی۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں۔ کہ

بعض اوقات ایک خاص قوم یا خاص ملک کے متعلق حالات ایسے جمع ہوتے ہیں۔ کہ اس کی تبلیغ خاص رنگ پیدا کر لیتی ہے۔ آجکل یورپ مسیحیت اور مادیت کا گھر ہے۔ پس لاریب اس کا مسلمان ہونا اسلام کی ایک عظیم الشان فتح ہے۔

۲۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مفتی محمد صادق صاحب نے۔ کہ ایک دفعہ ہم چند دوست مسجد میں بیٹھے ہوئے خواجہ کمال الدین صاحب کی عادتِ نسیان کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اندر سے ہماری باتوں کو سن لیا۔ اور کھڑکی کھول کر مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ کیا باتیں کرتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ کہ حضورؑ خواجہ صاحب کے حافظہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپؑ ہنسے اور فرمایا۔ کہ ہاں خواجہ صاحب کے حافظہ کا تو یہ حال ہے۔ کہ ایک دفعہ یہ رفع حاجت کے لئے پاخانہ گئے۔ اور لوٹا وہیں بھول آئے اور لوگ تلاش کرتے رہے کہ لوٹا کدھر گیا۔ آخر لوٹا پاخانہ میں ملا۔

مفتی صاحب نے بیان کیا۔ کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خدام کے ساتھ بالکل بے تکلف رہتے تھے۔ اور ان کی ساری باتوں میں شریک ہو جاتے تھے۔

خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ اس مجموعہ کی کاپیاں لکھی جا رہی تھیں۔ کہ مفتی صاحب امریکہ سے واپس تشریف لے آئے۔ اور اپنی بعض تقریروں میں انہوں نے یہ باتیں بیان کیں۔ خاکسار نے اس خیال سے کہ مفتی صاحب کا اس کتاب میں حصہ ہو جاوے۔ انہیں درج کر دیا ہے۔

نیز خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ یوں تو حضرت صاحبؑ اپنے سارے خدام سے ہی بہت محبت رکھتے تھے۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آپؑ کو مفتی صاحب سے خاص محبت ہے۔ جب کبھی آپؑ مفتی صاحب کا ذکر فرماتے۔ تو فرماتے "ہمارے مفتی صاحب"۔ اور جب مفتی صاحب لاہور سے قادیان آیا کرتے تھے۔ تو حضرت صاحبؑ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ میرے نزدیک محبت اور اس کے اظہار کے اقسام ہیں۔ جنہیں نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض وقت لوگ غلط خیالات قائم کر لیتے ہیں۔ انسان کی محبت اپنی بیوی سے اور رنگ کی ہوتی ہے۔ اور والدین سے اور رنگ کی۔ رشتہ داروں سے اور رنگ کی ہوتی ہے اور دوستوں سے اور رنگ کی۔ رشتہ داروں میں سے عمر کے لحاظ سے چھوٹوں سے اور رنگ کی محبت ہوتی

ہے۔ اور بڑوں سے اور رنگ کی۔ خادموں کیساتھ اور رنگ کی ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ اور رنگ کی۔ دوستوں میں سے بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ محبت اور رنگ کی ہوتی ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ اور رنگ کی۔ اپنے جذباتِ محبت پر قابو رکھنے والوں کیساتھ اور رنگ کی ہوتی ہے۔ اور وہ جنکی بات بات سے محبّت ٹپکے اور وہ اس جذبہ کو قابو میں نہ رکھ سکیں اُنکے ساتھ اور رنگ کی وغیرہ وغیرہ۔ غرض محبت اور محبت کے اظہار کے بہت سے شعبے اور بہت سی صورتیں ہیں۔ جن کے نظر انداز کرنے سے غلط نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان باتوں کو نہ سمجھنے والے لوگوں نے فضیلتِ صحابہؓ کے متعلق بھی بعض غلط خیال قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی مقابلۃً فضیلت کے متعلق مسلمانوں میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے۔ مگر خاکسار کے نزدیک اگر جہات اور نوعیتِ محبت کے اصول کو مدّنظر رکھا جاوے اور اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلعم کے اُس طریق اور اُن اقوال پر غور کیا جاوے۔ جن سے لوگ عموماً استدلال پکڑتے ہیں۔ تو بات جلد فیصلہ ہو جاوے حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے عزیز تھے۔ اور بالکل آپ کے بچّوں کی طرح آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے ان کے متعلق آپؐ کا طریق اور آپؐ کے الفاظ اور قسم کی محبّت کے حامل تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ہم عمر اور غیر خاندان سے تھے۔ اور سنجیدہ مزاج بزرگ آدمی تھے۔ اسلئے اُن کے ساتھ آپؐ کا طریق اور آپؐ کے الفاظ اور قسم کے ہوتے تھے۔ ہر دو کو اپنے اپنے رنگ کے معیاروں سے ناپا جاوے۔ تو پھر موازنہ ہو سکتا ہے مفتی محمد صادق صاحب سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی ہی محبت تھی۔ جیسے اپنے چھوٹے عزیزوں سے ہوتی ہے۔ اور اسی کے مطابق آپؑ کا ان کے ساتھ رویہ تھا۔ لہذا مولوی شیر علی صاحب کی روایت سے یہ مطلب سمجھنا چاہئیے۔ اور نہ غالباً مولوی صاحب کا یہ مطلب ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کو مفتی صاحب کے ساتھ مثلاً حضرت مولوی نورالدین صاحب یا مولوی عبدالکریم صاحب جیسے بزرگوں کی نسبت بھی زیادہ محبت تھی۔

(۲۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے۔ کہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ کہ ایکدفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ایک بادشاہ نے ایک نہایت اعلےٰ درجہ کے کاریگر سے کہا۔ کہ تم اپنے ہنر اور کمال کا مجھے نمونہ دکھاؤ۔ اور نمونہ بھی ایسا نمونہ ہو۔ کہ اس سے زیادہ تمہاری طاقت میں نہ ہو۔ گویا اپنے انتہائی کمال کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ اور پھر اس بادشاہ نے

ایک دوسرے اعلیٰ درجہ کے کاریگر سے کہا۔ کہ تم بھی اپنے کمال کا اعلےٰ ترین نمونہ بنا کر پیش کرو۔ اور ان دونو کے درمیان اس بادشاہ نے ایک حجاب حائل کر دیا۔ کاریگر نمبر اول نے ایک دیوار بنائی۔ اور اس کو نقش و نگار سے اتنا آراستہ کیا۔ کہ بس حد کر دی۔ اور اعلےٰ ترین انسانی کمال کا نمونہ تیار کیا۔ اور دوسرے کاریگر نے ایک دیوار بنائی۔ مگر اس کے اوپر کوئی نقش و نگار نہیں کئے لیکن اس کو ایسا صاف کیا۔ اور چمکایا۔ کہ ایک مصفا شیشے سے بھی اپنے صیقل میں وہ بڑھ گئی۔ پھر بادشاہ نے پہلے کاریگر سے کہا۔ کہ اپنا نمونہ پیش کرو۔ چنانچہ اس نے وہ نقش و نگار سے مزین دیوار پیش کی۔ اور سب دیکھنے والے اُسے دیکھکر دنگ رہ گئے۔ پھر بادشاہ نے دوسرے کاریگر سے کہا۔ کہ اب تم اپنے کمال کا نمونہ پیش کرو۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور یہ حجاب درمیان سے اٹھا دیا جاوے۔ چنانچہ بادشاہ نے اُسے اٹھوا دیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ بعینہٖ اسی قسم کی دیوار جو پہلے کاریگر نے تیار کی تھی۔ دوسری طرف بھی کھڑی ہے۔ کیونکہ درمیانی حجاب اُٹھ جانے سے اس دیوار کے سب نقش و نگار بغیر کسی فرق کے اس دوسری دیوار پر ظاہر ہو گئے۔

میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے۔ کہ جب حضرت صاحبؑ نے مجھے یہ بات سنائی۔ تو میں سمجھا۔ کہ شاید کسی بادشاہ کا ذکر ہو گا۔ اور میں نے اس کے متعلق کوئی زیادہ خیال نہ کیا۔ لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے ظلی نبوت کا دعوےٰ کیا۔ تو تب میں سمجھا کہ یہ تو آپؑ نے اپنی ہی مثال سمجھائی تھی۔ چنانچہ میں نے ظلی نبوت کا مسئلہ یہی مثال دیکر غوث گڑھ والوں کو سمجھایا۔ اور وہ اچھی طرح سمجھ گئے۔ پھر جب لاہوریوں کی طرف سے مسئلہ نبوت میں اختلاف ہوا۔ تو اسوقت غوث گڑھ کی جماعت کو کوئی تشویش پیدا نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ یہ بات تو آپ نے ہم کو پہلے سے سمجھائی ہوئی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ واقعی حضرت مسیح موعودؑ کا کمال یہی ہے۔ کہ آپؑ نے اپنے لوح قلب کو ایسا صیقل کیا۔ کہ اس نے سرور کائنات کے نقش و نگار کی پوری پوری تصویر اتار لی۔ اور لاریب جو کوئی بھی اپنے دل کو پاک و صاف کریگا۔ وہ اپنی استعداد کے مطابق آپؐ کے نقش و نگار حاصل کرلے گا۔ محمد رسول اللہ صلعم بخیل نہیں۔ بلکہ بخل ہم میں ہے۔ جو آپکی اتباع کو کمال تک نہیں پہنچاتے۔ اللّٰھم صل علیہ و علےٰ آلہٖ و علےٰ اصحابہٖ و علےٰ عبدک المسیح الموعود و بارک وسلم واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

تمّت

اشعار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

قربانِ تست جانِ من اے یارِ محسنم / با من کدام فرق تو کردی کہ من کنم

ہر مطلب و مراد کہ مے خواستم ز غیب / ہر آرزو کہ بود بخاطر معینم

از جود دادۂ ہمہ آں مدعائے من / واز لطف کردۂ گذرِ خود بمسکنم

ہیچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا / خود ریختی متاعِ محبت بدامنم

ایں خاک تیرہ را تو خود اکسیر کردۂ / بود آں جمالِ تو کہ نمودست احسنم

ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبد است / خود کردۂ بلطف و عنایات روشنم

صد منتِ تو ہست بریں مشت خاکِ من / جانم رہینِ لطفِ عمیم تو ہم تنم

سہل است ترکِ ہر دو جہاں گر رضائے تو / آید بدست اے پنہ و کہف و مامنم

فصلِ بہار و موسمِ گل نایدم بکار / کاندر خیالِ روئے تو ہر دم بگلشنم

چوں حاجتے بود بادیبِ دگر مرا / من تربیت پذیر ز ربِّ مہیمنم

زانساں عنایتِ ازلی شد قریبِ من / کامد ندائے یار ز ہر کوئی و برزنم

یارب مرا بہر قدمم استوار دار / واں روز خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند / اوّل کسے کہ لافِ تعشّق زند منم

سلسلہ احمدیہ

کی

کل کتب اور فہرست کتب

پتہ ذیل سے

طلب کریں

کتاب گھر قادیان

(پنجاب)

وزیر ہند پریس امرتسر میں باہتمام بھائی بہادر سنگھ مینجر و پرنٹر کے چھپا